

# کلیات اکبر (حصہ اول)





# مقدمہ

برصغیر میں مسلمانوں کے سیاسی زوال کے بعد جب انگریزی اقتدار کے سائے تلے انگریزی تہذیب و تمدن نے اپنا اثر و نفوذ شروع کیا تو اس کا رد عمل کئی طرح سے ظاہر ہوا۔ ایک گروہ نے سیاست کی بازی گاہ سے راہ فرار اختیار کر کے مسجد اور خانقاہ کے چھروں میں عزت گزینی اختیار کی تو دوسرے گروہ نے سیاست کی بازی گاہ سے نکل کر مدرسوں اور کالجوں کو اپنا میدان جنگ و تانہ بنایا۔ یہ دونوں گروہ اپنی اپنی دانت میں مغربی تہذیب و تمدن کے اس طوفانِ بلاغیر کے آگے نہ بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے جو آہستہ آہستہ تمام برصغیر کو اپنی گرفت میں لیتا جا رہا تھا لیکن ان دونوں گروہوں کے مین بین ایک شخص ایسا بھی تھا جو سیاست، مسجد، خانقاہ اور مدرسہ و کالج کو الگ الگ میدانوں میں محصور کر دینے کی بجائے ان میں ایک تعلق باہمی پیدا کرنے کا قائل تھا۔ جہاں اس کی نظر تہذیب مغرب کے مناسب پر تھی وہیں وہ زوال آلودہ تہذیب مشرق کی خرابیوں سے بھی بے خبر نہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ برصغیر کے مسلمانوں نے تہذیب مغرب کے خلاف جس رد عمل کا اظہار کیا، اس کی سب سے زیادہ جان واد تصویر اسی شخص کے ہاں ملتی ہے۔ یہ وہ شخص ہے جسے آج دنیا اکبر الہ آبادی کے نام سے جانتی ہے اور طنز و ظرافت کا شنشاد مانتی ہے۔

## حالاتِ زندگی

اکبر الہ آبادی جن کا پورا نام سید اکبر حسین اور مخلف اکبر تھا۔ ۱۶ نومبر ۱۸۴۶ء کو باڑہ (الہ آباد) میں پیدا ہوئے۔ ان کو خاندان ایک معزز سادات خاندان تھا جس کے مورث اعلیٰ ایران سے ہندوستان آئے تھے۔ اکبر کے والد سید فضل حسین ایک جید عالم تھے اور انہیں تصوف سے خاص لگاؤ تھا۔ اسی طرح ان کی والدہ بھی نہایت پرہیزگار اور پارسا خاتون تھیں۔ چنانچہ اکبر کو دینی شغف اور مذہب کی محبت ایک طرح سے ورثے میں ملی۔ یہ وہ درخشاں تھا جسے انہوں نے عمر بھر حریرِ جان بنائے رکھا۔ اکبر کا خاندان مالی لحاظ سے کچھ ایسا آسودہ حال نہ تھا اس لئے اس امر کے باوجود کہ اوائلی عمر ہی سے غیر معمولی ذہانت کے آثار ظاہر تھے، اکبر کی تعلیم بچپن میں نہایت معمولی رہی۔ یہ اور بات ہے کہ طبعی ذوق اور مستقل ذاتی مطالعہ کی بدولت انہوں نے بعد میں اس کی تلافی کر لی اور فارسی و عربی کے علاوہ انگریزی سے بھی خاصی واقفیت پیدا کر لی۔ ان کی خداداد قابلیت و بیادیت کا ایک ثبوت اس بات سے ہم پہنچتا ہے کہ ان کی عمر اسی شکل سے دس سال تھی کہ وہ اردو میں نہایت عمدہ خط کھینچنے لگے تھے اور فارسی کی قابلیت میں اپنے اکثر ہم عمروں سے پیش پیش تھے۔

اکبر کے والد گرامی نے انہیں انگریزی تعلیم کے لئے مشن اسکول میں داخل کرایا تھا اور اس طرح ایک ایسی دراندیشی اور وسعتِ نظری کا ثبوت ہم پہنچا یا تھا جس سے اس زمانے کے بہت کم لوگ مستثقف تھے لیکن اکبر نے اچھی انگریزی کی چند ابتدائی کتابیں ہی پڑھی تھیں کہ ۱۸۵۵ء میں جنگ آزادی کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ پھر گھر کے معاملات نے کچھ ایسی صورت اختیار کی کہ انہیں باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔ اس وقت ان کی عمر کوئی بارہ سال کی تھی اور کم سستی ہی کا عالم تھا کہ دنیا داری میں پڑ گئے لیکن انہوں نے اپنے طور پر انگریزی کی تعلیم و تکمیل جاری رکھی اور اس کے ساتھ ساتھ مشرقی علوم کا بھی مطالعہ کرتے رہے۔

۱۸۵۹ء میں انہوں نے بطور نقل نویس سرکاری ملازمت اختیار کی لیکن یہ کام ان کی طبیعت سے کچھ مناسبت نہ رکھتا تھا، چنانچہ انہوں نے قانون پڑھنا شروع کیا اور ۱۸۶۴ء میں قانون کا پہلا امتحان پاس کیا جس کی بنا پر انہیں وکالت کرنے کی سند مل گئی لیکن وکالت کرنے کی نوبت ہی نہ آئی کیونکہ امتحان پاس کرتے ہی وہ مناسب قیصلدار مقرر ہو گئے۔

۱۸۷۰ء میں وہ الہ آباد ہائیکورٹ میں ریڈر ہو گئے اور اس حیثیت میں انہوں نے اپنے انگریزی اور قانون کے علم میں معتد بہ اضافہ کیا۔ ۱۸۷۳ء میں انہوں نے الہ آباد ہائی کورٹ کی وکالت کا امتحان پاس کیا اور پریکٹس شروع کر دی۔ ۱۸۸۰ء میں وہ منصف کی حیثیت سے دوبارہ سرکاری ملازمت میں داخل ہوئے اور کچھ مدت تک علی گڑھ میں اپنے مسند النضی انجام دیتے رہے۔

علی گڑھ میں سید اکبر حسین کا تقرر سرسید احمد خاں اور ان کے رفیق کار ممدی سمیع اللہ خاں کی خاص درخواست پر عمل میں آیا تھا کیونکہ وہ علی گڑھ کے عظیم الشان تعلیمی کام کے سلسلے میں سید اکبر حسین کی ذہانت اور قابلیت سے مدد لینا چاہتے تھے لیکن اس امید میں انہیں مایوسی ہوئی، اس لئے کہ اکبر سرسید اور ان کی تعلیمی کوششوں کے مابین وقعت ہونے کے باوجود ان کے ہم نوا نہ تھے۔ تعلیم عامہ اور اس کے مقاصد کے بارے میں سرسید احمد خاں اور اکبر تھوڑا خیالات و نظریات کے حامل تھے۔ اس لئے باوجود مدتِ العمر ایک دوسرے کے محب صادق رہنے کے اکبر کو کبھی سرسید کی رائے سے اتفاق نہ ہوا۔ البتہ سرسید کا فیضِ صحبت ان کی شاعری کے لئے ایک زبردست محرک ثابت ہوا۔ چنانچہ سرسید کا نام نامی اور ان کے کارنامے اکبر کی بہت سی دلچسپ اور معنی خیز نظموں کی شانِ نزول ہیں۔

۱۸۸۸ء میں سید اکبر حسین سب جج کے عہدے پر فائز ہوئے۔ پھر ۱۸۹۵ء میں انہیں الہ آباد کی عدالتِ خفیہ کا جج مقرر کیا گیا۔ اسی سال وہ ترقی پا کر ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج ہو گئے اور اور اس حیثیت سے انہوں نے الہ آباد، جھانسی، مین پوری اور بنارس میں فرائض انجام دیئے۔ اس مدتِ عام حیات ہی تھا کہ سر جیمس ایکن کی مدتِ ملازمت ختم ہونے پر سید اکبر حسین کو الہ آباد ہائی کورٹ میں جج بنایا جائے گا لیکن اس وقت کے آنے سے پہلے ہی ان کی آنکھوں میں کچھ ایسی عکلیف پیدا ہو گئی کہ وہ ۱۹۰۳ء میں ملازمت کو خیر باد کہنے پر مجبور ہو گئے۔

ملازمت سے کنارہ کش ہونے کے بعد ان کا بیشتر وقت علمی و ادبی مشاغل کی تندرہ مولے لگا۔ آخر عمر میں انہیں یکے بعد دیگرے دو صدیوں سے دو چار ہونے لگا۔ پہلے ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۰ء کو ان کی زوجہ محترمہ کا انتقال ہوا اور پھر ۵ جون ۱۹۱۳ء کو ان کے دوسرے بیٹے سید ہاشم حسین نے عین عالم جوانی میں اسس دارغانی سے رحلت فرمائی ان صدیات کے باوجود ان کا دماغ تروتازہ اور تخیل شاداب رہا۔ ہر چند کہ ان پر ضعیفی اور کمولت کا غلبہ ہو چکا تھا لیکن اس ضعیفی اور کمولت کے اثرات ان کی شاعری پر کبھی دکھائی نہ دیتے تھے، اور ان کے اشعار طنز و ظرافت کا وہی رنگ لئے ہوئے تھے جو ان کی شاعری کا طرہ امتیاز ہے۔

سید اکبر حسین خط و کتابت کے معاملے میں نہایت باقاعدہ تھے اور اپنے دور کے بے شمار ادیبوں کے ساتھ ان کی خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا۔ شاعری کے



ظہیرانہ رنگ کے برعکس ان کے خطوط میں ہلکی سنجیدگی پائی جاتی ہے۔ ان میں سے اکثر خطوط میں بڑھاپے کے جسمانی عوارض اور ان دماغی تکالیف کا ذکر ہے جو بیوی اور بیٹے کی جدائی کے صدمے کا نتیجہ تھیں یا پھر دنیاوی امور کی بجائے امور آخرت کا ذکر ہے جو ان کے دل میں مذہب کی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آخر ۱۹۲۱ء کو انہوں نے از آباد کے مقام پر اس عالم رنگ و بو سے منہ موڑ کر سفر آخرت اختیار فرمایا۔

**اکبر کی شاعری** اکبر نے بارہ سال کی عمر میں ہی شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی شاعری عطیۃ الہی تھی۔ شروع شروع وہ اپنا کلام آتش کے شاگرد غلام حسین وحید کو دکھاتے تھے تاہم کلیات اکبر میں اٹھارہ ایس سال عمر کی جو غزلیں درج ہیں، ان کی تاویر الکلامی صاف بتا دیتی ہے کہ شاعر ہونہار ہے۔ اگرچہ ظرافت، بذلہ سنجی اور لطیف طنز و مزاح کی وہ خصوصیات جن کی بنا پر اکبر اپنے دور کے منفرد اور فحید المثال شاعر قرار پائے، ان کے ابتدائی کلام میں نہیں پائی جاتیں لیکن اردو شاعری کے روایتی معیار کے مطابق دیکھا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ اکبر نے اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں جو اشعار کہے ہیں، وہ اچھے اچھے کمنثر شاعروں کے لئے باعث فخر ہو سکتے ہیں۔

اکبر نے اپنی شاعری کا آغاز روایتی شعر کی طرح غزل گوئی سے ہی کیا تھا۔ ۱۸۶۶ء میں جب کہ ان کی عمر اکیس سال تھی، انہوں نے پہلی بار ایک مشاعرے میں غزل پڑھی اور تحسین عام حاصل کی تو وہ ایک اچھے غزل گو کی حیثیت سے متعارف ہوئے۔ بعد ازاں وہ چند سال تک عام رنگ کی غزلیں لکھتے رہے۔ ان غزلوں میں شوخی اور تغزل کی اس قدر افراط ہے کہ ان کی نسبت "آورد" یا "تصنع" کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ایک طرف تو وہ کسی مبالغہ آرائی کو پسند نہیں کرتے، دوسری طرف تھائی اور وار دات طبی کو نہایت نادر اور بدیع اسلوب میں پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے حسن و عشق کے باہمی راز و نیاز کی ایسی شوخ و مسنگ اور کیف انگیز تصویریں پیش کی ہیں کہ اردو ادب میں ان کی نظیر نہیں ملتی غزل گوئی اکبر کی شاعری کا ابتدائی میدان رنگ و بزم تھا، لیکن غزل جیسے چیز میں بھی انہوں نے چند مغلطی، اصلاح، تہذیب و تمدن اور لطیف طنز پر مبنی بڑے بڑے پیارے اشعار کہ ڈالے ہیں، پھر غزل سے چل کر جب وہ رباعیات و قطعات کی دنیا میں داخل ہوئے تو موضوعات کے ایک عالم کو جیسے اپنا موضوع سخن بنا ڈالا۔ مذہب اور لاد مذہبیت خدا اور رسول کی محبت، نوجوانوں کی مذہب سے بیگانگی، مغربی تہذیب اور اس کی اندھا دھند تقلید، اخلاق و معاشرت، بے ہودہ رسم و رواج، معاشرتی معائب، دنیا کی بے ثباتی، فکر آخرت، علی گڑھ کالج اور سرسید احمد خاں، گاندھی اور ان کی تحریکیں، پردہ، تعلیم نسوان، عورتوں کی آزادی، نئی اور پرانی تہذیب، نئی اور پرانی تعلیم، استاد اور شاگرد انگریز اور انگریزی حکومت، مسلمانوں کی حالت، اردو ہندی، نوجوانوں کی ملازمتوں کے لئے دوڑ و دوپ، اسمبل، ممبری، چند، سکول غرض کہ .... وقت کا کوئی موضوع ایسا نہیں جس کو انہوں نے موضوع سخن نہ بنایا ہو۔

اکبر نے خود اپنی شاعری کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے :-

(۱) پہلا دور ۱۸۶۶ء تک | یہ زمانہ ان کی نر مشقی کا تھا۔ اس وقت کا کلام دھل اور کھٹو کے متند اساتذہ کی تقلید میں ہے۔ مضامین فرسودہ ہونے کے باوجود جذبات میں سنائی زبان میں سادگی اور روانی سے ان کا غرض آئندہ مستقبل صاف ظاہر ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا دور ۱۸۶۶ء سے ۱۸۸۴ء تک | اس دور میں کلام میں بے تکلفی کا عنصر کافی بڑھ گیا ہے اور فرسودہ مضامین اور حشو و زوائد کی مقدار کم ہو گئی ہے۔ دروداثر بندش اور طرز ادائیہ وہ دوسروں سے ممتاز و ممتاز نظر آتے گئے ہیں۔

(۳) تیسرا دور ۱۸۸۴ء سے ۱۹۰۸ء تک | اس دور میں ان کے کلام میں استادانہ رنگ آگیا ہے۔ نر مشقی کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور بیان پر پوری قدرت حاصل ہو گئی ہے۔ اگرچہ غزلیں زیادہ لکھتے ہیں لیکن پرانے رنگ کی بجائے اخلاقی رنگ پیدا ہو گیا ہے اور کلام میں ظرافت کا عنصر بڑھ رہا ہے۔ کہیں کہیں روحانیت اور تصوف بھی جلوہ گر ہے۔

(۴) چوتھا دور ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۲ء تک | یہ دور اگرچہ تیسرے دور سے الگ نہیں لیکن پھر بھی بہت ترقی کا دور ہے۔ اب حضرت اکبر کی الحقیقت لسان العصر ہو گئے ہیں۔ قدیم رنگ کی غزل گوئی گھٹتی جاتی ہے اور فلسفہ بڑھتا جاتا ہے۔ مذاق اور ظرافت میں ترقی ہو رہی ہے۔ واقعات حاضرہ پر نہایت بے باکی اور شوخی سے نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اخلاقی، روحانی اور نفسیاتی رنگ کا زور ہے۔ عاشقانہ رنگ اگرچہ مدغم ہو چکا ہے لیکن اس کو بھولے نہیں۔ خیالات میں اب ایسا زور پیدا ہو گیا ہے کہ شاعری کے مسر قیود ٹوٹ چکے ہیں۔ وہ اپنے خیالات کا اظہار نئے نئے انداز سے کرتے ہیں۔ کہیں انگریزی کے قافیے لاتے ہیں اور کہیں جدید استعارے اور تشبیہیں۔ اس دور میں اکبر اپنے فن کے صنایع کا دل ہیں۔

(۵) پانچواں دور ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۱ء تک | اس دور کے کلام میں جو کہ آخری دور ہے، عاشقانہ رنگ بہت کم ہے۔ اشعار پر ظریفانہ، سیاسی، اخلاقی اور روحانی رنگ چڑھا ہوا ہے اور یہ درحقیقت میں ان کی شاعری کی مزاج ہے۔ اگرچہ اس میں شباب کی سی شوخی اور جوش نہیں لیکن وسیع تجربے اور طویل عمر نے ان کے کلام کو فلسفیانہ بنا دیا ہے۔ اس دور کے اکثر اشعار اس قابل ہیں کہ انسان انہیں اپنا دستور العمل بنائے۔

**اکبر اور علی گڑھ تحریک** اکبر کی شاعری کو روایتی غزل گوئی کی محدود دنیا سے نکالنے میں بالواسطہ طور پر سرسید احمد خاں کی علمی تحریک کا بڑا ہاتھ ہے۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ علی گڑھ میں مصنف کی حیثیت سے سید اکبر حسین کا تقرر سرسید احمد خاں اور ان کے رفیق کار مولوی حسین احمد خاں کی خاص درخواست پر عمل میں آیا تھا کیونکہ وہ علی گڑھ کے عظیم اشراف تعلیمی کام کے سلسلے میں سید اکبر حسین کی ذہانت اور قابلیت سے مدد لینا چاہتے تھے لیکن علی گڑھ میں جس کالج کی بنیادیں رکھی جا رہی تھیں وہ اکبر کی نظر میں مغربی خیالات و اثرات کا زندہ جسم تھا۔ اکبر انگریزی کی تعلیم کے مخالف نہ تھے۔ انہوں نے خود بڑی کاوش سے انگریزی میں استعداد پیدا کی تھی اور اسی استعداد کی بدولت سرکاری ملازمت پر فائز ہوئے تھے لیکن وہ ہر مسلمان کو صحیح اسلامی تہذیب اور اسلامی عقائد و اوصاف سے آراستہ دیکھنا چاہتے تھے جہاں وہ بڑے رسم و رواج، معاشرتی معائب



مذہب مادہ اطوار اور تباہ کن بدعات و عرافات کی بیخ کنی کے آرزو مند تھے وہاں وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں غیرت و حیثیت پیدا ہو۔

چنانچہ انہوں نے لطیف طنز کے پیرائے میں لوگوں کو آگاہ کرنا شروع کیا کہ کالج اور انگریزی تعلیم کی ظاہری دھڑبڑیں سسے مسکور ہو کر روحانی ترقی اور قومی غیرت و حیثیت سے غافل نہ ہو جائیں۔ شروع شروع میں ان کی وہ نظمیں جن میں انہوں نے سرسید احمد خاں کی مساعی کی کامیابی پر تشویش کا اظہار کیا تھا، صرف ان لوگوں میں مقبول ہوئیں جو علانیہ سرسید اور ان کی تحریک کے مخالف تھے لیکن آہستہ آہستہ جب انگریزی تعلیم کے مضامرات سامنے آئے اور کالج سے ایسے نوجوان نکلے جن کی نظروں میں خدا اور رسول، قوم اور ملک، مذہب اور تہذیب غرض کہ اپنی کسی بھی چیز کی کوئی وقعت نہ تھی اور جن کی نظروں میں صرف انگریزوں ہی کا ہر قول و فعل محبت تھا، تو اسے عام اکبر کے موافق ہو گئی اور ان کی آواز توجہ سے سنی جانے لگی اس لحاظ سے اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ جس تیسری صدی سے بعض تعلیم یافتہ مسلمان مغرب کی کورانہ تقلید کے راستے پر بڑھے چلے جاتے تھے، اکبر نے اپنی شاعری کے ذریعے ان کی اصلاح و فلاح کے ضمن میں ایک نمایاں خدمات انجام دی ہے۔

تاہم اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہ ہوگا کہ سرسید نے مسلمانوں میں اشاعتِ تعلیم کے ضمن میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے، انہیں اکبر نے نظر انداز کر دیا۔ نہیں بلکہ اکبر نے بغیر کسی ذہنی تحفظ کے بر ملا یہ اعتراف کیا ہے کہ سرسید کا نصب العین اپنی قوم کی ترقی تھا۔ انہیں اختلافات تھا تو صرف اس طریق کار سے جو عمل گروہ میں اختیار کیا گیا۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بعض کتابی علم یا زبانی جمع خرچ سے یا مذہب کی ظاہر دارانہ اور برائے نام عزت سے نوجوانوں کے دلوں میں مذہب کی وہ محبت پیدا نہیں ہو سکتی جو انہیں مسیح مسلمان بنانے اور ان کی غیرت و حیثیت کو بیدار رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ بزرگوں کا فیضانِ محبت اُن کے نزدیک ان تمام چیزوں سے زیادہ وقعت رکھتا ہے۔

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا ۛ دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اسی طرح ایک اور مقام پر وہ اس افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ مغربی تعلیم کے دلدادہ اپنے آباد اجداد سے صرف ظاہری طور پر مشابہ رہ گئے ہیں اور ان کی باطنی خرابیوں کو ضائع کر چکے ہیں۔

رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی رکھا قائم ۛ رنگ باطن میں مگر باپ سے بیٹا نہ ملا

اس اختلاف کے باوصف سرسید احمد خاں کی وفات پر اکبر نے اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا تھا۔

ہماری باتیں ہی باتیں ہیں، سرسید کام کرتا تھا ۛ نہ بھولو فرق جو ہے کہنے والے، کہنے والے میں

کہنے جو چاہے کوئی، میں تو یہ کہتا ہوں اے اکبر ۛ خدا بخشنے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سرسید کے قومی مقاصد اور سرگرمیوں سے سخت اختلاف رکھنے کے باوجود اکبر اُن کی عملی قابلیتوں اور پُر خلوص کارگزاریوں کی ہر دست قدر کرتے تھے، اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنے فالخوں کے بارے میں بھی عدل و انصاف کی رائے کا اظہار کرنے میں تامل نہیں کرتے تھے۔

**محاسن کلام** اکبر الا آبادی اُن اکابر میں سے تھے جنہوں نے مغلوں کے زوال سے قریب تر زمانے میں آنکھ کھولی۔ اوڈھ کے اجر طے کا سماں دیکھا اور اُن لوگوں سے ملے جلے بھی جنہوں نے اوڈھ کے دورِ نشاط میں سکون و آسائش سے زندگی گزار دی تھی۔ قوم کے زوال کے بعد قوم کی شکست خوردہ ذہنیت اور قنوطیت کو سرسید اور حالی کی طرح اکبر نے بھی محسوس کیا۔ سرسید نے تو قوم کی اصلاح کے لئے جدید تعلیم کا نسخہ تجویز کیا اور حالی نے سیرت و اخلاق کی درستی کو قوم کے مرض کی دوا سمجھا لیکن اکبر کے نزدیک ساری خرابی مذہبی اصولی تعلیم اور انسانی کردار سے بے خبری کا نتیجہ تھی۔ سرسید اور حالی کے برعکس اکبر نے اپنی رائے پیش کرنے کا ایسا طریقہ وضع کیا کہ ہر شخص اسے دل چسپی اور توجہ سے پڑھ سکے۔

اکبر اور اقبال اس صدی کے دو وسیع اعظم شاعر تھے۔ ان میں ایک بذلہ نسخ تھا تو دوسرا جزو خواں۔ لیکن دونوں نے قوم کو ایک ہی پیام دیا۔ دونوں کا مقصد قوم کے افراد کو تہذیبِ مغرب کے عقل و فہم سے محفوظ رکھنا اور اپنے تہذیبی شعائر کی حفاظت کے لئے اپنے وقارِ گمشدہ کو پانا اور غلامی سے نجات حاصل کرنا تھا۔ اقبال نے قوم کے سامنے فلسفہ خودی پیش کیا لیکن اکبر کا کمال یہ ہے کہ اس نے گری حکیمانہ باتوں کو بھی عام فہم اور مزاجیہ انداز میں پیش کیا اور طنز و ظرافت کے پردے میں حقائق و معارف کی ایسی نادر مثالیں پیش کیں کہ ہمارا تمدن اور ترقی یافتہ دور بھی اس کا جواب پیش کرنے سے عاجز رہے۔

شوشی، طنز اور ظرافت اکبر کے کلام کے وہ نمایاں اوصاف ہیں جن میں ان کا کوئی ہمسر نہیں۔ ان کی شوشی اور طنز و ظرافت کا مقصد نہ تو وقتی عیش طبعی ہے اور نہ غرضد مناقشہ پیدا کرنا۔ ان کی شوشی اور ظرافت اگرچہ واقعات و حقائق پر مبنی ہوتی ہے لیکن اس سے کسی کا دل دکھانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس کے مقاصد نتیجہ کے لحاظ سے نہایت بلند اور نصیحت آموز ہیں۔ وہ ماسخرتی محاسب، مغرب پرستی اور ذہنی غلامی کو خاص طور پر اس کا ہدف بناتے ہیں۔

اکبر نے اپنے کلام میں شوشی اور ظرافت کے لئے کئی ایسے طریقوں سے کام لیا ہے کہ کلام کا لطیف و دبلا ہو گیا ہے۔ وہ جدید و لطیف عام فہم تشبیہات و استعارات کو ایک نیا رنگ دے کر دلکش انداز میں بیان کرتے ہیں۔ معمولی الفاظ بالکل انوکھے طریقے سے استعمال کرتے ہیں۔ غیر زبانوں کے الفاظ تافیے کے طور پر لاتے ہیں، بعض سبک الفاظ جو عام شعراً استعمال نہیں کرتے نہایت خوبی اور شوشی سے اپنے شعروں میں لے آتے ہیں۔ اس ضمن میں بدھو، جتن اور کھو وغیرہ کے الفاظ اکبر نے اپنے شعروں میں لگنوں کی طرح جڑے ہیں۔

اکبر جگہ اساتذہ کے بعض معروف اشعار پر اپنے انداز میں کوئی ایسی شوخ اور ظریفانہ بات کہہ گزرتے ہیں کہ قاری کو بے اختیار ہنسی آ جاتی ہے اور ان کی بات کا لطفت بدرجہا بڑھ جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے پیروڈی، تخریفات، تفسیہیں سمجھی طریقوں سے کام لیا ہے مثلاً سعدی کا شعر ہے۔

کر عیا بہ بخشنائے بر حلال ما ۛ کہ ہستم امیر کسند ہوا



پارک میں اُن کے دیا کرتا ہے اسپرچ دفا ۵ نراغ ہو جائے گا اک دن آنیری عندلیب

غرض انگریزی الفاظ کے استعمال سے تیر و نشتر کا جو کام اکبر نے لیا ہے، وہ اور کسی سے نہیں ہو سکا۔ یہ وہ دیرانہ جدت اور طرز ادا تھی جس کے اکبر آپ ہی موجب اور آپ ہی خاتم ہیں۔

**اکبر کی زندہ دلی** زندہ دلی حضرت اکبر کی ایک امتیازی خصوصیت تھی۔ اشعار میں تو اُن کا یہ وصف جگہ جگہ نمایاں ہے لیکن ان کی طبیعت میں بھی یہ رنگ بدرجہ اتم موجود تھا۔ مولانا عبدالمطعم شرر اکبر کے بے تکلف دوست تھے۔ اکبر کو معلوم ہوا کہ وہ پردے کے مخالف ہیں اور اس کی پابندی کو کئی لحاظ سے مضر سمجھتے ہیں بلکہ اپنے پرچے ”وگداز“ میں پردے کے خلاف ایک زوردار مقالہ بھی لکھا ہے۔ اکبر الہ آباد سے سیدھے کھنڈو پہنچے، شرر کے مکان کا پتہ چلایا اور بغیر کسی کو اطلاع دیئے زنان خانے میں جا دھکے۔ عورتوں نے یہ دیکھ کر چیخ پکار شروع کر دی کہ یہ کون ہوا ہے دھڑک اندر چلا آیا ہے، نکلا واسے! ڈاڑھی رکھ کر بھی تو شرم نہیں آتی۔ اتنے میں مولانا شرر بھی بیٹھک سے اندر آئے۔ دیکھا کہ یہ تو حضرت اکبر ہیں۔ فوراً بغل گیر ہوئے اور انہیں کھینچ کر باہر لے آئے۔ بظاہر دگانی کی کوئی وجہ نہ ہو سکتی تھی کیونکہ اکبر جیسا سنجیدہ اور نیک دل شخص کسی نازیبا حرکت کا مرتکب ہی کیونکر ہو سکتا تھا۔ پھر بھی شرر نے ہنسی ہنسی میں دریافت کیا ”حضرت! خلافت معمول آپ نے یہ جرات کیونکر گوارا فرمائی اور اس میں کون سی حکمت پیش نظر تھی؟“ حضرت اکبر نے جواب دیا ”جیسی آپ جو پردے کے مخالف تھے۔ اس لئے میں نے دیکھنا چاہا کہ اپنے حق میں اس قول پر کہاں تک عمل پیرا ہو۔ سوچو چیز کوئی شخص اپنی ذات کے لئے برداشت نہ کر سکے، اس کا یقین دوسروں کو کیوں کر ہے؟“ اس کے جواب میں شرر صرف ایک ندامت آمیز سکوت اختیار کر کے رہ گئے۔ اکبر چند روز کھنڈو میں رہ کر واپس الہ آباد چلے گئے۔ وہاں سے انہوں نے شرر کو جو خط لکھا، اس میں ان واقعات کی طرف طنز آویں اشارہ کیا گیا تھا۔

اکٹھ گیا پردہ تو اکبر کا بڑھا کون سا حق ۵ بے پکار سے جو مرے گھر میں چلا آتا ہے

بے حجابی مرے ہمسائے کی خاطر نہیں ۵ صرف حکام سے ملنے میں مزا آتا ہے

اسی طرح ایک واقعہ ہے۔ شب برات کا دن تھا۔ ملنے والے جمع تھے۔ ان میں ایک صاحب قدسی جانی نامی بھی تھے۔ ڈاڑھی مونچھے، صاف، لڑکے سے معلوم ہوتے تھے۔ بہت شوخیاں کر رہے تھے اور بے تکلف اور گستاخ ہوئے جاتے تھے۔ بار بار حضرت اکبر سے کہتے ”آج شب برات ہے شب براتی دلائیے!“

اصرار زیادہ بڑھا تو حضرت اکبر نے تنگ آکر ایک شرمیلی قدسی صاحب کو جواب دیا کہ

تخفہ شب برات میں کیا دوں ۵ میری جاں! تم تو خود پٹا خا ہو

قدسی صاحب بھیپ گئے اور یار لوگ مدتوں انہیں یہ شعر سناتے رہے۔

ایک دفعہ حضرت اکبر کے بڑے بیٹے سید عشرت حسین نے اپنے چند انگریز دوستوں کو چائے پر مدعو کیا۔ مقررہ وقت پر مہمان آئے گئے اور کمرے میں بیٹھ گئے۔ اسی کمرے میں ایک طرف حضرت اکبر بھی کرسی پر بیٹھے مطالعہ میں مسرور تھے۔ چونکہ وہ کرتا پاجامہ اور گول ٹوپی پہنے بیٹھے تھے اس لئے کسی نے بھی ان کی طرف توجہ نہ دی۔ جب عشرت آئے تو انہوں نے ان کا تعارف سب مہمانوں سے کرایا کہ یہ میرے والد ہیں اور چچ ہیں۔ اس پر مہمانوں نے معذرت کی کہ ہم نے آپ کو بیٹھے ضرور دیکھا تھا لیکن مصافحہ و مبالغہ نہ کیا۔ اس پر حضرت اکبر نے کہا ”یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ایک دفعہ انگلستان میں اللہ میاں خود آگئے۔ خلعت کی نظر پڑی تو سوال کیا کہ یہ کون بڑھا ہے۔ جواب ملا کہ میں تم اللہ میاں سے واقف نہیں جنہوں نے سارا عالم پیدا کیا ہے۔ لیکن سننے والوں نے ان سنی کر دی۔ اللہ میاں نے ہر چند لوگوں سے پکار پکار کر کہا کہ ”گووا میں اللہ ہوں، مجھے دیکھو! مجھے پہچانو!“ لیکن کسی نے بھی توجہ نہ دی۔ پھر اللہ میاں نے کہا ”گووا میں حضرت مسیح کا باپ ہوں“ آنا سننے ہی سب لوگ دوڑ پڑے اور آنا مانع ہو گیا کہ اللہ میاں کو پہچاننا مشکل ہو گیا۔

یہ اور اس قسم کے دیگر واقعات حضرت اکبر کی زندہ دلی، خوش مذاقی اور حاضر جوابی کے شاہد ہیں۔ وہ کہتے وہی تھے جو ان کے دل میں ہوتا تھا لیکن ایسے الفاظ میں کہ جس کے خلاف کہا جاتا، وہ برا نہ مانتا۔ ان کی بات کیا تھی، ایک صلیبی سی جھپٹی تھی اور انہیں بھی لطافت دے جاتی جن پر پکڑی چھٹی تھی۔

**مذہب سے شیفٹنگ** حضرت اکبر کو خدا نے اسلام کے لئے دل درد مند عطا کیا تھا۔ وہ مسلمانوں میں اعمال حسنہ دیکھنا چاہتے تھے۔ مذہب کے خلاف کسی قسم کی نکتہ چینی نہیں گوارا نہ تھی۔ مذہب سے شیفٹنگ، توحید باری تعالیٰ، اعلاہت رسول اور ذکر الہی ایسے جذبات ہیں جو ان کے کلام میں اس طرح جاری و ساری ہیں جس طرح خولہ جسم انسانی میں گردش کرتا ہے۔

خدا سے کب جو کچھ مانگنا ہے اے اکبر ۵ یہی وہ در ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

تو دل میں تو آتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا ۵ معلوم ہوا میں تری پیمپان یہی ہے

ذہن میں جو گھر گیا، لا انتہا کیونکر ہوا؟ ۵ جو سمجھ میں آگیا، پھر وہ خدا کیونکر ہوا؟

ہرگز اس انجن کو نہ سمجھو مسجد قوم ۵ خالی ملے جو ذکر خدا و رسول سے

تہذیب کی تہذیب یا اتر شہب میں جھولو جب بھی یہی کہوں گا، اللہ کو نہ بھولو

”ماہم حضرت اکبر کے نزدیک مذہب محض رسایات ایک محدود نہ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان اپنی تہذیب کی تمام اعلیٰ خصوصیات برقرار رکھتے ہوئے نئی تہذیب کی اچھائیاں اپنے اندر جذب کر لیں تو تحریک ہے اور نہ کچھ نہیں۔“

نہ نماز ہے نہ روزہ، نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے تو خوشی پھر اس کی کیا ہے، کوئی جٹ کوئی جج ہے انہوں نے تداست پسند کرتے ہوئے خود انگریزی ملازمت اختیار کی اور ایک اپنے عہد سے پرہیزگار اپنے بیٹے سید عشرت حسین کو انگریزی تعلیم دلانی بلکہ ولایت بھی بھیجا مگر ان کی مدح ہمیشہ مسلمان رہی، بات وہ مسلمانوں میں عام طور پر دیکھنا چاہتے تھے۔  
تم شوق سے کالج میں پھلو، پارک میں پھولو - جاتے ہو غباروں پہ اڑو، پھر رخ پہ پھولو  
ہر ایک سخن بندہ عاجز کا رہنے یاد - اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

اور قسمت کنہ یہ کہ

گو اپنے ساتھ آپ کا ”پترا“ نہ لے گیا - اکبر مگر خدا کی گواہی تو دے گیا

## کلام اکبر کی اشاعت

حضرت اکبر کے کلام کا پہلا مجموعہ ۹۰۰ء میں ”کلیات اکبر“ کے نام سے شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد سر شیخ عبدالقادر کے مطبع فزان کی طرف سے ان کی رباعیات کا ایک مجموعہ شائع ہوا۔ جو غزلیں اور نظمیں پہلے مجموعہ میں شائع ہونے سے رہ گئی تھیں یا بعد میں کہی گئی تھیں، ۱۹۱۲ء میں کلیات اکبر حصہ دوم کے نام سے شائع ہوئیں۔

کلام اکبر کی یہ اشاعت بڑی حد تک ان کے بڑے بیٹے سید عشرت حسین کی مدد سے ہوئی۔ منت مقلی دو کبرج کے تعلیم یافتہ تھے اور انہوں نے علاقہ ادب اپنے گرامی تدر والد سے ورثہ میں پایا تھا۔ ان کا سفر انگلستان اکبر کی بہت سی دلچسپ نظموں کا موضوع ہے۔

حضرت اکبر کے کلام کو ان کی زندگی ہی میں قبولیت عام ہو چکی تھی۔ کلیات کے پہلے ایڈیشن ان کے سامنے چھپے، چھپ کر ختم ہوئے اور پھر دوبارہ چھپے ایک طویل عرصہ تک نایاب رہنے کے بعد ۱۹۵۱ء میں کلیات اکبر کی اشاعت بزم اکبر کراچی کے جس انتظام سے عمل میں آئی تھی اور اس لحاظ سے قیمت تھی کہ بزم اکبر نے ”کلیات اکبر“ سے گمراہے نایاب کلمات ان کلام اکبر کے دامن میں ڈال دیا تھا، لیکن اب بزم اکبر کے شائع کردہ کلیات بھی ایک عرصے سے نایاب ہیں۔

اسے دلدادگان کلام اکبر کی خوش قسمتی کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ کرم و قزم شیخ نیاز احمد صاحب نے اپنی ریشمن کتابوں کے جریدی سلسلے میں کلیات اکبر کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ اسی جتن اہتمام کا اثر ہے کہ کلیات اکبر ایک بار پھر سے دلدادگان کلام اکبر کی بزم ناز میں جلوہ گر ہے۔

اس سلسلے میں راقم السطور کو جس سب سے بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا، وہ یہ تھی کہ گزشتہ مطبوعہ کلیات (بشمول کلیات شائع کردہ بزم اکبر کراچی) میں بے شمار اغلاط تھیں ان اغلاط کی درستگی ”ہفت خوان رستم“ طے کرنے سے کم نہ تھی اور اس کے لئے مختلف حلقوں سے رجوع کرنے کے علاوہ مجھے بڑی حد تک اس اصول پر تکیہ کرنا پڑا ہے جسے اردو نامور محقق حافظ محمود شیرانی نے ”داخلی شہادت کا اصول“ قرار دیا ہے۔ گویا اب بھی اغلاط کو خارج از اسکان قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن آنالیز سے کہا جاسکتا ہے کہ تاریخین سابقہ مطبوعہ کلیات کے مقابلے میں اسے صحت کے زیادہ قریب پائی گئے۔

جیسے کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے، کلام اکبر میں انگریزی زبان کے بہت سے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ تاریخین کی سہولت کے لئے ایسے تمام انگریزی الفاظ کی اصطلاحات انگریزی اور حسب ضرورت ان کے معانی بھی دے دیئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ کہیں کہیں اصطلاحیں بھی تبدیلیاں کی گئی ہیں تاکہ تاریخین کو اسلاف کے قدیم اسلوب سے الجھن محسوس نہ ہو اور وہ کلام سے صحیح معنوں میں لطف اندوز ہو سکیں۔

میرے والد گرامی تدر الحاج چودھری شاہ نواز خان رحمہ اللہ تعالیٰ انہیں کر دے جنت نصیب فرمائے (حضرت اکبر کے بڑے مداح اور ان کلام کے شہسوار ہی سے دلدادہ تھے۔ انہی کے شوق کی بدولت مجھے اوائلی عمر ہی میں کلام اکبر سے قنارت ہونے کی سادہ نصیب ہوئی اور وقت گزرنے کے ساتھ یہ قنارت شیفنگا کا رنگ اختیار کرتا گیا۔ میں اپنی یہ حیرت انگیز کاوش انہی کے نام نامی سے مسنون کرتا ہوں کہ یہ حقیقتاً انہی کا فیض ہے۔

محمد یونس حسرت ایم اے

شعبہ اردو، گورنمنٹ جناح اسلامیہ کالج، سیانکوٹ



## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### دورِ اول

(۱۸۹۲) — (۱۸۹۳)

### سترہ اور اٹھارہ سال عمر کی غزلیں

(۱) چشم عاشقی سے گریں لختِ دل بیتاب و اشک  
اپنے دامن پر گرا کر کیوں اُسے کرتے خراب

(۲) جانبِ زنجیر گیسو پھر کھینچا جاتا ہے دل  
لوگ کیوں کر چھوڑ دیتے ہیں محبت و رشتا  
رکھ کے تصویر خیالی یار کی پیشِ نظر  
داغ لگے سینہ گل ہیں، آو سر و اپنی نسیم  
بارگاہِ عشق کیسے تیرے دولتِ خداداد کو  
خوف کے پرے میں چھپ جاتی ہے جانِ ناتواں  
ساتھ ساتھ اپنے جانے کے یہ حلقہ تھی روح  
شیخ اگر کعبہ میں خوش ہے برہنہ بتِ خاد میں  
قصد کرتا ہوں جو کھٹنے کا تو فراتے ہیں وہ  
یہ نہیں کہتے یہیں رہ جاؤ اب تم رات کو

(۳) کہتے ہیں ملکِ تصور سے ترے نام کو ہم  
بادِ نوشی میں بسر کرتے ہیں ایام کو ہم  
شکل اس شوق کی آنکھوں میں پھر کر قہر ہے  
نظر آتی ہے جو گلزار میں پھول کی ہزار  
آبِ حیران کا اثر بادِ گدگد میں ہے  
گردِ شبنم چشمِ حیدناں کا نہ کیئے احوال  
ایک دن تم کو لبِ گد سے سنوا دیں گے  
رہتی ہے کارِ دردِ عالم سے ہیں وحشت سی  
رہ چکے ہیں جو کبھی فصلِ بہاری میں اسیر

(۴) اہل سے وہ ڈریں جینے کو جو اچھا سمجھتے ہیں  
ہیں بے خاکساری میں بھی ڈرِ محمود ہونے کا  
کوئی کیا سمجھے الطافِ خفی انکارِ جانال کے  
تھاری ناخوشی کا ڈر ہیں مجبور رکھتا ہے  
یعتیں کفار کو آتا نہیں روزِ قیامت کا  
جنوں زائل ہوا، جوشِ آگیا، صحت ہوئی ہم کو  
کس ناکس سے کیوں سرگوشیاں کرتے ہو غفل میں

یہ سرِ گلشن ان کی برہم حیش و حشرت کا  
نگاہوں کے اشارے سے جو حکم اٹھنے کا ہوتا ہے  
میں اپنے نقدِ دل سے جس اُلفت مول لیتا ہوں  
اُسے ہم آخرت کہتے ہیں جو مشغولِ حق رکھے  
نثار لے لے تصور کے کہ جس کے فغن سے ہر دم  
وہ ہم کو کچھ نہ سمجھیں اُسے رقیب، اختیار ان کا  
یہی رشتہ ہے کہ جس پر چہل کا اطلاق ہوتا ہے  
تو وہ برقی خجلی ہے کہ تیرے دیکھنے والے  
غزلِ بک لڑ پڑیے آج ایسے رنگ میں اکبر

(۵) جو اپنی تنگانی کو حبابِ آس سمجھتے ہیں  
گو اہی دیں گے روزِ حشر یہ سائے گل ہوں کی  
شریکِ حال دنیا میں نظر آتا نہیں کوئی  
جو ہیں اہل بصیرت اس تماشا گاہِ ہستی میں  
معرا ہوں ہنر سے میں، سراپا عیب ہوں اکبر

(۶) شوقِ نظارہ کبھی دل سے نکلتا ہی نہیں  
چہن سے ہو بیٹھنا کیوں کر نصیب ہے ہم نشیں  
وصل کے ایام میں کیا کیا دکھائے انقلاب  
کس غضبِ کلب ہے معاذ اللہ طولی روزِ بحر  
ہر قدم پر دل چڑے ہیں حسرتِ پامال میں  
چند روز آیا تھا میری قبر پر وہ شعاعِ نور  
ہم نے چاہا تھا نہ ہو لیکن ہوئی صبحِ فراق  
یہ سہ کیسا کالی دینے میں بھی اُن کو بخل ہے  
صوتِ پروانہ جل کر خاک بھی میں ہو گیا  
نخلِ حسرت وہ ہوں میں جس کو ہیں یکساں پاضل  
وہ تمنا ہوں جو رہتی ہے ہمیشہ جی کے ساتھ  
رنگ وہ ہوں جو نہ لے کے ہے باہر رنگ سے  
شوق وہ ہوں وسعتِ دل جس کے گنگے تنگ ہے  
نقدِ سودا وہ ہوں جو رائج نہیں بازار میں

(۷) جی ہمارا ہے ترے دیکھے ہستیا ہی نہیں  
جوشِ وحشت سے مزاج اپنا سنبھلتا ہی نہیں  
ہجر میں رنگِ فلک اب تو بدلتا ہی نہیں  
حشرِ مجھ پر ہو گیا مسکین یہ ٹھکتا ہی نہیں  
اب زمیں پر پاؤں رکھ کر یار چلتا ہی نہیں  
اب تو رفت سے چراغِ گور جلتا ہی نہیں  
موت کا جب وقت آ جاتا ہے نکلتا ہی نہیں  
ان لبوں سے کام اپنا کچھ نکلتا ہی نہیں  
دل تو اُسے شمعِ زوئیکین پگھلتا ہی نہیں  
وہ شجر ہوں باغِ عالم میں جو پھیلتا ہی نہیں  
حوصلہ وہ ہوں جو دنیا میں نکلتا ہی نہیں  
وہ زمانہ ہوں جو رنگ اپنا بدلتا ہی نہیں  
حرفِ مطلب وہ ہوں جو دل سے نکلتا ہی نہیں  
ہکتا دارِ جنوں وہ ہوں جو چلتا ہی نہیں

### انیس اور بیس سال عمر کی غزلیں

مشتاق ہوں چمن میں جو تری زمزمہ سنی یاد آتی ہے بلبِ مجھے تعذیر کسی کی

(۸) بے تکلف بوسہ زلفِ مہلیا پیسے نقدِ دل موجود ہے پھر کیوں نہ سودا لیجئے

بے صرفِ معرقِ اولِ حضرت اکبر کا ہے ۲۰ سال کے تھے جب امتحان پایا گیا تھا۔



گو بہت سیرنگی شام و سحر دیکھا کیے  
راہ اس بیاں شکن کی رات بھر دیکھا کیے  
دیدے حسرت سے ہم سوئے قمر دیکھا کیے

خواب غفلت نہ چونکہ اہل عالم ہے غضب  
وعدہ شب پرنگان صدق سے سوئے نہ ہم  
یاد میں رخسار تاجان صمسم کی رات بھر

(۱۲)  
تین گہ ناز سے پورنگ کر کے گئے  
اب ہم نہ کبھی شوق سے ونگ کر کے گئے  
اب قافیہ شعر کو ہم تنگ کر کے گئے  
وہ سخت جو دل کو صفت تنگ کر کے گئے  
آراستہ پھر بزم نے وچنگ کر کے گئے  
طاؤس کو ہم مرغ خوش آہنگ کر کے گئے  
ناٹے بھی کر کے گئے تو خوش آہنگ کر کے گئے  
غیروں ہی سے دل کھول کے اب جنگ کر کے گئے  
اب جگہ قیام اپنا اب جنگ کر کے گئے  
تقدیر سے پھر کیے تو کیا جنگ کر کے گئے  
معلوم ہوا، آپ تھے تنگ کر کے گئے  
شیشہ میں گمان سے ٹکڑنگ کر کے گئے  
دل دو گئے تو وہ جان کا آہنگ کر کے گئے

پیدا وہ جفا کے جوئے ڈھنگ کر کے گئے  
کافی ہیں وہ مستان نگاہیں، وہ خط سبز  
ان کے دہن تنگ کا مضمون نہیں بندھا  
کرے گا جگہ مثل شکر جذبہ الفت  
دما زوں سے ملے بھی تو پائیں کبھی اے چرخ  
نلے دل پر دماغ کو سکھلائیں گے موزوں  
کچھ مزمع سخن ہی پر موقوف نہیں لطف  
ان سے تو کوئی صلح کی صورت نہیں بنی  
میلے ہیں حسینوں کے پری زادوں کے جگہ ٹٹ  
راخی ہی نہ ہوں گے وہ کسی طور تو کیا بس  
ارشاد جو ہو تپ ہے کہ لکھ وصف ہن کچھ  
رنجینی مضمون جو دل صاف میں ہوگی  
اکبر نہ ہو دما ز تباں ہمسر خدا تم

(۱۳)  
مستوں کی طرح گلیوں میں پھرتے رہی میں کدیاں  
پھنس جائیں گے بہتوں کے طائر دل نکل سلا دام ہے  
ناموں کی ہوئی تحریر بہت اک مدت تک پیغام ہے

جب عشق کے نشہ میں چور کیے کیونکر کیا انجام ہے  
اب ہم تندرستی عنایت سے اے جگر شکن آزاد ہوئے  
طاہر جو قاتمت میں کھاتا تیروں سے کچھ حال ہوا

(۱۴)  
دیکھ کر زلف کو سنبھل بھی پریشاں ہو جائے  
پیشتر حشر سے یاں حشر کا سماں ہو جائے  
حسرت بوسہ میں کا فر بنی مسلمان ہو جائے  
باغ میں جائے تو گلشن رضواں ہو جائے  
جس جگہ پاؤں پڑے گنج شہیداں ہو جائے  
گردش چشم مجھے گردش دوداں ہو جائے  
بوسے مانند ہوا رنگ گلستاں ہو جائے  
تار بستہ مجھے دسعت میں بیاباں ہو جائے  
کیا عجب خانہ دل گور طریباں ہو جائے

منہ ترا دیکھ کے فتنہ رنگ گلستاں ہو جائے  
یاد قاتمت میں ہو میں نالہ و منہ یاد کروں  
جلوہ مصحف رخسار جو آجائے نطفہ  
آپ کے فیض قدم سے ہو بیاباں گلزار  
نازدانہ زاد اسے جو چلیں حبال حضور  
آفت گردش افلاک سے پاؤں جو نجات  
آپ دکھلائیں جو اپنے ربخ رنگیں کی بہار  
لا غرض اس درجہ ہوا ہوں کہ جو لٹیڑوں میں کبھی  
حسرتیں اس میں ہو اگر میں ہیں اکثر دُفوں

(۱۵)  
کبھی وہ جھوم کے چلتے ہیں اور کبھی تن کے  
گود بگڑ گئی تفت ریر میری بن بن کے  
قضا جو دیکھ لے تیر تھادی چتون کے  
ہیں شہید نہیں تیری ترقی چتون کے  
شہید ہم تو ہوئے رنگ بخت ان کے

شباب جوش پہ ہے دوسے ہیں جون کے  
جب ان کو جسم کچھ آیا، حیا نے سمجھایا  
مربعی علم کو ڈرایا کر سے نہ پھر استنا  
نگاہ ناز سے سارا زمانہ بھل ہے  
کمر پہ یار کی رہتا ہے قبضہ نصیب

(۱۶)  
جانتا ہے کہ نشست ان کی کہیں اور بھی ہے

ان دلوں یار کے کچھ وہن نشین اور بھی ہے

اس میں بھی مجھ کو نہیں انکسار اچھا لیجیے  
وحشت دل کا ہے ایسا راہ محسوس لیجیے  
مجھ سے کہتے ہیں، اگر کچھ بھوک ہو کھا لیجیے  
ایک نقد دل سے یار بھول کیا کیا لیجیے  
اور چندے صورت سیلاب تڑپا لیجیے  
کھولے آنکھوں کو صاحب جام صبا لیجیے

(۹)  
کہ یہ کم بخت آخر سینے سے دم لے کے ٹٹا ہے  
کسی کی حال جاتی ہے، کسی کا جی بھٹکا ہے  
اندھیری رات میں نادان کوئی راہ چلتا ہے  
سنبھالیں ہوش وہ اپنا، یہاں دل کب بھٹکتا ہے  
مگر منہ زرد ہو جاتا ہے جب کروٹ پٹا ہے  
کر کے کیا اب، مقدر پر کسی کا زور چلتا ہے  
نہ دل قابو میں آتا ہے نہ آن پر زور چلتا ہے  
مرا ہر شعر اکبر نور کے سانچہ میں ڈھلتا ہے

(۱۰)  
بڑے گل راہ گھٹاں کی بتا دیتی ہے  
یا دوا حبیب وطن مجھ کو رُلا دیتی ہے  
ہر طرف حسرت تو حید دکھا دیتی ہے  
وہر منہ منزل الفت کو ڈرا دیتی ہے  
آدمی کو یہ مصیبت میں چھنا دیتی ہے  
غفیرہ خاطر عاشر عاشق کو کھلا دیتی ہے  
اپنے مشتاق کو دیوانہ بنا دیتی ہے  
راستہ گور غریباں کا بتا دیتی ہے  
بے کسی ان کے تغافل کو دعا دیتی ہے  
دیکھنے والوں کو آتیش بنا دیتی ہے  
الفت پاک کو بھی عیب لگا دیتی ہے  
لکھنیا کے بکھرے روں سے چھڑا دیتی ہے  
میری تعیت دیر کو الزام لگا دیتی ہے  
ان کی رنگت ترے عارض کا پتہ دیتی ہے  
جان مشتاق کو جاناں سے چھڑا دیتی ہے  
خاک میں چاندی صورت کو ملا دیتی ہے  
محفل شعر میں رنگ اپنا جما دیتی ہے

(۱۱)  
شان حق سے ایک جا شام و سحر دیکھا کیے  
باغ عالم کی دورنگی عمر بھر دیکھا کیے  
آپ تو ناحق سوئے تیغ و تبر دیکھا کیے  
عشق نے جو کچھ دکھایا بے خطر دیکھا کیے  
رنج و اندوہ و الم تو عمر بھر دیکھا کیے

دل تو پیٹ لے چکے اب جان کے غماں میں آپ  
پاؤں پڑ کر کہتی ہے زنجیر زنداں میں رہو  
غیر کر تو کر کے جگر کرتے ہیں کھانے میں شریک  
خوشامیز ہیں بازار جہاں میں بے شمار  
کشتہ آخر آتش فرقت سے ہونا ہے مجھے  
فصل گل کے آتے ہی اکبر ہوئے بیہوش آپ

تصور سے غم فرقت کے اپنا جی دھلتا ہے  
خدا کی شان وہ میرا تر پنا دل لگی سمجھیں  
خیال زلف میں لے مل نہ ملے کہ منزل الفت  
وہ جوں جوں ہوتے ہیں ہشیار بڑھتی ہے مری حشر  
مری غم کیا کرتا ہے ضبط نالہ ہمت سے  
وصال یار کا وعدہ ہے کل اور آج موت آئی  
محبت ان سے کہ کسے پھنس گئے ہیں ہم تو رفت میں  
کیا کرتا ہوں موزوں وصف ان کے لئے روشن کا

شاعری رنگ طبیعت کا دکھا دیتی ہے  
سیر طرقت کوئی جگہ جو دکھا دیتی ہے  
بے خودی پردہ کثرت جو اٹھا دیتی ہے  
آمد یاس پہ جو قصہ خدا کا نازل  
ہو نہ رنگین طبیعت بھی کسی کی یاربت  
نگہ لطف تری باد ہمساری ہے مگر  
اچھی صورت میں بھی خالق نے بھرا ہے جادو  
پوچھتا ہوں میں جو عبرت سے مالک ہستی  
نظر آتا جو نہیں نزع ہیں ہالیں پہ کوئی  
کیا صفائی رخ جاناں کی ہے اللہ اللہ  
دشمن اہل نظر سے نگہ حسن پرست  
موت سے کوئی نہ گھبرائے اگر یہ سبھے  
پدر سلوکی تری لاتی ہے حسرت ابی مجھ پر  
نگہ شوق سے کیوں کہ نہ نگوں کو دیکھوں  
تیر ہستی ہے غبار رخ آتیش نہ روتا  
گشتہ ہوں مرگ حسینان کی میں بے دردی کا  
نکر اکبر گل مضمون کا دکھا کر حبسہ

زیر گیسو روئے روشن جلوہ گر دیکھا کیے  
گل کو خنداں، بلبلیوں کو زور گر دیکھا کیے  
جندش ابرو ہی کافی تھی ہمارے قتل کو  
صبر کر بیٹھے تھے پہلے ہی سے ہم تو جان زار  
دیکھتے اب کیا دکھائے قسمت بد بعد مرگ



جس کی گفت پر بڑا دھوئی تھا کل اکبر تھیں آج ہم جا کر اُسے دیکھ گئے ہر جانی تو ہے

(۲۰)

کیا ہی رہ رہ کے طبیعت بری گھبراتی ہے موت آتی ہے شب بھر نہ نیند آتی ہے  
وہ بھی چپ بیٹھے ہیں، اختیار بھی چپ، میں بھی خوش ایسی صحبت سے طبیعت بری گھبراتی ہے  
کیوں نہ ہو اپنی لگاؤ کی نظر پر نازاں جاتے ہو کہ دونوں کو یہ لگالاتی ہے  
ہر دم عشرت کہیں ہوتی ہے تو رو دیتا ہوں کوئی گزری ہوئی صحبت مجھے یاد آتی ہے

۲۱۸۶۶

## اکیس سال عمر کی غزلیں

[یہ پہلی غزل ہے جو مشاعرے میں پڑھی گئی اور پبلک نے حضرت اکبر کا فوٹس لیا]

(۲۱)

کچھ دیکھی اس کو جو ہو دیوانہ کسی کا کچھ دیکھتے ہیں بُت جلوہ مستانہ کسی کا  
دکھلاتے ہیں بُت جلوہ مستانہ کسی کا گر شیخ و برہمن سنیں افسانہ کسی کا  
اشد نے دی ہے جو تھیں پاندس صوت اس گور سے ہے گبر و مسلمان کو عقیدت  
اشک آنکھوں میں آہائیں خوش نیند کے صبا اشک آنکھوں میں آہائیں خوش نیند کے صبا  
جاں اپنی جو دی شمع کے شعلہ سے لپٹ کر شمع دُرخ روشن کا وہ حبسہ تو دکھائیں  
نیم دُرخ روشن کا وہ حبسہ تو دکھائیں کیا برق کی شوخی بری آنکھوں میں سائے  
انفت مجھے اُس ہے اُسے غیر سے ہے حشر عشرت نہیں آتی جو مرے دل میں نہ لگے  
حیراں ہوں اُسے تاپ جمال لگے گی کیوں کر پہنچی جو نگ عالم مستی میں غلک پر  
کرتے نہیں دیتے جو بیاں حالت دل کو سامان تکلف نظر آئیں گے جو ہر سو  
نالوں ہے اگر وہ تو یہ ہے چاک گریباں چشم و دل عاشق کا نہ کچھ پرچھے احوال  
تاثیر جو کی صحبت عارض نے دم خواب کوئی نہ ہوا رُوح کا ساتھی دم آسیر  
کچھ دُور نہیں ساتی کوثر کے کرم سے رکھتا ہے قدم کو پہ لگیسویں جو بلے خوف  
تاثیر حقیقت سے جو ہو جاتے ہیں بلے چہیں احباب نے پوچھا جو ہر حال تو بولے  
دیکھا ہے عجب رنگ کچھ اس دور ملک میں (۲۱) یاں شیشہ دل خون تناسل ہے ہرینہ  
سب مست مئے شوق ہیں ان آنکھوں کے زل بخشش ہے جس میں ساتی کی در پر جو اجازت  
اُسے حضرت قاضی نہ مئے گا یہ تمہاری

ایک دل بٹھا سودیا اور کہاں سے لاؤں ناز بے جا نہ کیا کیجئے ہم سے آسنا  
نغم فرقت میں بھی آتی نہیں لے چرخ جو موت کہو اس غیرت لیٹے سے یہ پیغام صبا  
جان دیتا جو ہو، لازم ہے اسے دم دینا میرے بھولنے کا احسان جتنا تو نہ بہت  
ان ردیفوں میں غزل کیوں نہ ہو دشوار اکبر جھوٹ کیجئے تو میں کہہ دوں کہ نہیں اور بھی ہے  
اسی انداز کا اک یا ر سبیں اور بھی ہے کیا کوئی صدمہ ہے جان حزیں اور بھی ہے  
پہلوئے قیس میں اک دشت نشیں اور بھی ہے تمہیں بتاؤ یہ دستور کہیں اور بھی ہے  
مہرباں ایک بُت پردہ نشیں اور بھی ہے مگر اشد کوئی ایسی زمیں اور بھی ہے؟

(۲۲)

اُسے خوب مرگ ل میں جواناں کے تو رہے فست نہ رہے، فدا رہے و گفتو رہے  
زلفیں ہٹانی چہرہ رنگیں سے کیا ضرور ہنگام نزع رُوح نے غالب سے یہ کہا (۲۲)  
اب تک تو سے سبب سے رہے ہم بلا نصیب یہ اشک انفعال نہ خالی اثر سے ہوں  
بُٹل رہا ہے طائر دل اس میں عمر بھر لے چشم عین بزم میں رونا نہیں ہے خوب  
پیر مغال کا سلسلہ دیکھے جو مختص بہر دم یہ انتظار کا ایسا ہے عجب میں  
اجاب کیا کریں گے ٹھہر کر مزار پر خاطر تو ہم نے آج بہت کی مگر حضور

(۲۳)

ہر چند دل سے یار کے جانا نہیں غبار ہوں بی تو زندہ کچھ کو تکلف سے کام کیا  
ہر چند میں غریب ہوں گو کچھ نہیں ہے پاس ہم خوش رہیں بھلا دل نالوں سے کس طرح  
زندہ جو تیرے ہجر میں ہوں میں تو کیا عجب مجھ کو تو دیکھ لینے سے مطلب ہے نا صبا

(۲۴)

جذبہ دل نے مرے تاثیر دکھلائی تو ہے عشق کے اظہار میں ہر چند رسوائی تو ہے  
آپ کے سر کی قسم میرے سوا کوئی نہیں سب کہا میں نے تڑپتا ہے بہت اب دل مرا  
دیکھنے جوتی ہے کب راہی مونسے ملک عدم دل دھڑکتا ہے مرا، توں بوسہ رُوح یا نہ توں  
دیکھنے کب تک نہیں آتی گل عارض کی یاد میں ملا میں کیوں پھنسلوں دیوانہ بن کر اس کے ساتھ  
خاک میں دل کو ملا با جلوہ رقت اسے یوں مر و مت سے تہا ہے ساتے چپ ہو رہیں  
بادہ گل رنگ کا سا غر غنایت کر مجھے گھنگر دوں کی جانب در کچھ صدا آتی تو ہے  
پر کر دل کیا اب طبیعت آپ پر آتی تو ہے بے تکلف آئیے کمرہ میں تنہائی تو ہے  
ہنس کے فرمایا تڑپتا ہو گا سودائی تو ہے خانہ تنی سے ہماری رُوح گھراتی تو ہے  
نیند میں اس نے دلائی منہ سے سرکائی تو ہے دل کو دشت ہو تو ہو، کم بخت سودائی تو ہے  
سیر گشتن سے طبیعت ہم نے بھلائی تو ہے کیوں نہ جو اُسے فوجاں اک نشان عنائی تو ہے  
کل کے جلسوں کی مگر ہم نے خبر پائی تو ہے ساقیا تاخیر کیا ہے اب گھٹا چھائی تو ہے



چمن میں خندہ زن گل ہے تو سے خاند میں پیانہ  
مستخر کر تا ہوں پریوں کو میں جاؤ بیانی سے  
ہوئی ہے اکفبت معبود میں دیوانگی مجھ کو

(۲۵)

آپ سے آتے ہو کب عشاقی مضطرب کی طرف  
پرچھتا ہے جب کوئی اُن سے کہے ہے تم حشر حق

(۲۶)

انہیں نگاہ ہے اپنے جال ہی کی طرف  
توہ اپنی جو کیا فن شاعری کی طرست  
بکھا ہوا ہے جو دنا بر سے معتد میں  
تمہارا سایہ میں جو لوگ دیکھ لیتے ہیں  
بلو میں چنتا ہے دل ہفت جان جاتی ہے  
کبھی جو ہوتی ہے تکرار غیر سے ہم سے  
نگاہ پڑتی ہے اُن پر تمام بھٹل کی  
نگاہ اُس بُت خود میں کی ہے مرے دل پر  
قبول کیجئے اللہ تحفہ دل کو !  
یہی نظر ہے جواب تامل زمانہ ہوتی  
غریب خانہ میں بند وہ گھسٹری بیٹھو (ق)  
ذرا سی دیر ہی ہو جائے گی تو کیا ہو گا  
جو گھر میں پوچھے کوئی، خوف کیلے، کہہ دینا  
ہزار جلوہ سخن جتان ہو اُسے اکبر

(۲۷)

یہ معرہ چاہیے بکھتا بیاض چشم وحدت میں  
بزرگ سخن جو ہے جلوہ فرما اُن کی صورت میں  
اگر میں ڈوب جاؤں ظلم اشک ندامت میں  
بحری گھمائے حسرت ہی سے دامن تنہا کو  
بکھا خون جگر سے صفحہ دل پر اسے اکبر

(۲۸)

گلے لگائیں کریں پیار تم کو عید کے دن  
غضب کا حق ہے آرائش قیامت کی  
سنبھل سکی نہ طبیعت کسی طسرح میری  
وہ سال میرے کہ مدت بحر حق دل میں  
لگا یا انہیں سینے سے بوسہ اشک افقت میں  
کہیں ہے قلمہ بیل کہیں ہے سندھ گل  
سویاں دودھ شکر میہ سب تہیا ہے  
بٹ اگر لب شیریں کا تیرے باک بوسہ

(۲۹)

مضمون سوز غم نہ ہو کیوں کر سپراغ میں  
ہو طعنت سخن و عشق نہ کیوں کر چراغ میں

ہوتا نہ گذر جانب سے حسرت نہ کسی کا  
یہ پنجرہ مرگاہ نہ بست شانہ کسی کا  
پابند نہ تھا یہ دل دیوانہ کسی کا  
جب سے دل بے تاب ہے دیوانہ کسی کا

(۳۲)

دعہ جو کیجئے تو بُت بے وقاسے کیا  
ز تیرے بشر کا دیکھتے ہوتا ہے کیا سے کیا  
اخبار اس کا کیجئے اس بے وقاسے کیا  
اب موسم بہار میں مانگوں خدا سے کیا  
اے یار اور ہو گا تہساری جفلے کیا  
فرمائیے تو لائے تھے خاک بقاسے کیا  
کچھ کہہ دیا ہے آکے قضا نے دلاسے کیا  
مضمون طعنت آئے ہیں منکر رسا سے کیا  
امید مسیح دیتی ہے ہم کو دلاسے کیا  
ہو گا بس اور آپ کی زلف دلاسے کیا  
جو گا حضور آپ کی شرم و حیا سے کیا  
ہنگام شمع کھنے لگے کبں اداسے کیا؟  
مضمون طعنت آئے ہیں برگ جنا سے کیا

(۳۳)

کس قدر جوش سترت میں ہے سر پر ہرا  
مصر غزل کا تو نواہ ہے سبیل طرست  
عاش و دناں کا تیرے ہے اُسے قرب غیب  
آج ہر گل کی تمنا ہے یہی گلشن میں  
بے سبب تو نے سنبھالا تھیں ہاتھوں سے لائے  
گھمست گئیوئے مشکیں نے دکھایا جو اثر  
روز روشن کا گماں کیوں شبِ عشرت پہ ہر  
گلشن سخن میں اللہ سے رسائی اس کی  
زینت سخن خدا داد جو شادی سے ہوتی  
جلوہ سخن کے نظارے کی لانا نہیں تاب  
یہ طراوت عربی ترش کی نہیں ہے اس میں  
کہہ دیا ہم نے یہ ایک دامت کی فراموش سے

۱۸۶۷

## بائیں سال عمر کی غزلیں

(یہ دوسری غزل ہے برصورت کبرے شاعرے میں پڑھی)

(۳۴)

مبارک نے کسو موسم پھر آیا بارہ خوار کی کا  
نہایت اجنبی آنکھیں سیاب شکل ہے  
ہمارا غنچہ خاطر شگفتہ کر نہیں سکتی

یہاں ہے فیض ساقی، دال کو م باد بہاری کا  
حیثوں میں فنا ہے مری ذی اعتباری کا  
مغر کیوں کر نہ ایک عالم ہو میری ہوشیاری کا

ہندپ دل یہ تم کو لایا ہے مرے گھر کی طرف  
دیکھتے ہیں پیار سے شرمائے اکبر کی طرف

نظر اٹھا کے نہیں دیکھتے کسی کی طرف  
نظر ہر ایک کی بات ہے عیب ہی کی طرف  
خیال تک نہیں جاتا کبھی ہنسی کی طرف  
وہ آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھتے پر ہی کی طرف  
خدا کسی کو نہ لے جائے اس گل کی طرف  
تو دل سے ہوتے ہو درد پر وہ تم اُسی کی طرف  
وہ آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھتے کسی کی طرف  
نہ آنکھ کی طرف ہے، نہ آدھی کی طرف  
نظر نہ کیجئے اس کی شکستگی کی طرف  
یہی نظر حق کو اُٹھتی نہ حق کسی کی طرف  
بہت دنوں میں تم آتے ہو اس گل کی طرف  
گھڑی گھڑی نہ اٹھاؤ نظر گھڑی کی طرف  
چلے گئے تھے ٹھٹھتے ہوئے کسی کی طرف  
تم اپنا دھیان لگاتے رہو اُسی کی طرف

خدا کا عشق ہے عشق مجازی ہی حقیقت میں  
غیر عشق ہی کر ہے وہی میری طبیعت میں  
گناہوں کا سفیدہ طرق ہو دریائے رحمت میں  
جو آنکھ میں ہر سیر گلزارِ محبت میں  
اثر سخن نہیں پیدا نہ ہو نقشِ محبت میں

ادھر تو آؤ مرے گلزارِ عید کے دن  
عیاں ہے قدرت پروردگار عید کے دن  
رہا نہ دل نہ مجھے اختیار عید کے دن  
دہ دور ہو گئی ہیں ایک بار عید کے دن  
غیر کہ آجی گیا مجھ کو پیار عید کے دن  
عماں ہے جوشِ شہا ہمار عید کے دن  
مگر یہ سب ہے مجھے ناچار عید کے دن  
تو طعنت ہے مجھے البتہ پیار عید کے دن

پردانوں کے پُر دل کا ہے دفتر چراغ میں  
ہے روشنی دسوز برابر سپراغ میں



وہ دھوئی کر رہے تھے، شکل انساں کا میں حاصل ہوں  
تنتنا ہے کہ میں بھی تیری ہی صورت میں تامل ہوں  
کمرے یار کی ایما کی، میں حد فاصل ہوں  
اُسی جام شراب تند کا ساقی سے سائل ہوں  
گھٹا بن محبت کا ہوں گل، گو صورت گل ہوں  
جو شعلہ باد و آتش سے تو آگ خاک سے گل ہوں  
کوئی پہلو نہیں بتا ہے دنیا میں دہہ دل ہوں  
خیال یار سے مل کر بنا ہے جو میں دہہ دل ہوں  
سرا پا چشم ہو کہ میں اُسی بھٹل میں داخل ہوں  
کہ میں بھی اک شراب شعلہ لے تائی دل ہوں  
کہ میں بلہ ساختہ اک نالہ متا نہ دل ہوں  
حجاب حسن اٹھ جا کہ جس سے میں مل گیا  
اجانت ہو اگر تیری نوچر سینہ میں داخل ہوں  
سخن دریا گچھے طبع رسا سے، میں بھی سال ہوں  
عروہ فکر عالی ہوں نشان عشق کامل ہوں

ثبوت اس کا مجھے بھی خود فراموشی سے یاد آیا  
اذل میں رہنے ہاناں سے اشارہ تھا یہ مصحف کا  
جو چھائیستی ہستی میں کیوں کہ فرق ظاہر ہو  
کرسے اک قطرہ جس کا بلہ خبر شود و د عالم سے  
عیاں ہے نگہ باغ عشق میری خاکساری سے  
عجب محبوب ہوں میں سرکشی اور خاکساری کا  
وہ داغ آرزو ہوں جس سے دل جان بچاتا ہے  
تصور وہ ہوں جو ہم دنگ ہے تصور جاناں کا  
جسے چشم تصور خواب میں بھی پا نہیں سکتی  
وہ الفت میں آتی ہے یہی آواز دوزخ سے  
صدائے صورت سے شود قیامت کا یہ ایسا ہے  
وہ مجنوں ہوں کہ جس کی ہر نظر تصویر میلی ہے  
اہل سے پوچھتا ہے ہر نفس جو باہر آتا ہے  
کہاں اس بھرت جائیں گے پچ کر گو ہر مضمون  
غزل ایسی پڑھوں جس سے برابر یہ صدا بھلے

(۳۲)

دور شوقِ قاتل سے شمار بہت دل ہوں  
ہجوم آہ سوزاں سے خیال دے جانوں سے  
حجاب دے قاتل سے غم ناکائی دل سے  
دور شوقِ نام سے صدائے نالہ غم سے  
بولے باغ عالم سے بھائے خیر غم سے  
بوتے یاد گیسو سے خیال تیغ ابرو سے  
خیال سخن صورت سے جو ہم درد الفت سے  
ہوائے شعلہ غم سے بھائے چہرہ ظلم سے  
نیرم صبحِ عشرت سے فزوغ شوقِ دولت سے  
لب پہانہ دل سے و فزوغ شوقِ کامل سے  
جھائے تیغِ فرقت سے خیالِ داز الفت سے  
علوئے جوشِ مستی سے بھائے طبع عالی سے  
در گنجینہ اسرار معنی کھول دو اکسیر

(۳۳)

کیوں مل ہوں، کیوں میں باعثِ بقیائی دل ہوں  
کیوں تکمیلِ خوبی ہوں، کیوں ہنگامہ الفت  
کیوں جلوہ ہوں صورت کا، کیوں ہوں شاہد معنی  
کیوں عاشق کا مطلب ہوں، کیوں عشق کی خوشی  
کیوں ہوں شوقِ آزادی، کیوں تدبیرِ پابندی  
کیوں عمرِ درود ہوں، کیوں ہوں آرزو دل کی  
کیوں جذبِ محبت ہوں، کیوں دردِ دل عاشق  
کیوں جوشِ اہل معنی کا، کیوں جوشِ اہل صورت کا  
کیوں ہوں حسن کا ایمان، کیوں ہوں درد کی لذت

کیوں اذرا بسل ہوں، کیوں میں نازِ قاتل ہوں  
کیوں رنگِ رخ گل ہوں، کیوں شود غدا دل ہوں  
کیوں ہوں غلِ ملی، کیوں سیلائے محمل ہوں  
کیوں مجبورِ مطلق ہوں، کیوں مختارِ کامل ہوں  
کیوں میں جوشِ سودا ہوں، کیوں طرقِ سلاسل ہوں  
کیوں گھٹنے کے رات ہوں، کیوں بڑھنے کے قابل ہوں  
کیوں مل تجھ میں داخل ہے، کیوں میں مل بیچ میں ہوں  
کیوں شود انا الحق ہوں، کیوں دعوئے باطل ہوں  
کیوں قاتل کی چتون ہوں، کیوں چتون کا بسل ہوں

گلی جل رہا ہے آج تو گھر گھر چہراں میں  
دیکھا نہ جس نے جو کبھی خیر چہراں میں  
کیا روشنی تھی صورتِ اختر چہراں میں  
سے سخن اتفاق سے پتھر چہراں میں  
بتی کی جار ہے تھی لاغر چہراں میں  
بتی پڑی جو شام سے گھر گھر چہراں میں  
ہے جلوہ ہیا بگل تر چہراں میں  
ہوتی میا ہی میں تو ہے اکبر چہراں میں

(۳۴)

"اذل سے گشتہ تیغ نگاہ نازِ قاتل ہوں"  
جسے خورشیدِ محشر دیکھ کر کتاب ہے "میں مل گیا"  
مجھے بھی ان دنوں سودا ہے دیوانہ میں غفلت  
مجھے واعظ سمجھتا ہے کہ میں کمنے سے غافل ہوں  
تو میری کیوں تڑپتا ہوں نہ زخمی ہوں بل نہیں  
یہ جب تک تم نہ کہہ لو گے وہاں تیری قاتل ہوں  
تدم دکھتا ہے دل اس میں، نثار بہت دل ہوں  
عجب کیا رفتہ رفتہ میں سرا پا صورت دل ہوں  
مسافر ہوں، پریشاں حال ہوں، گم کرد منزل ہوں  
اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہوں دو دنوں کا قاتل ہوں  
غرض باغِ جہاں میں خوبی قسمت کا قاتل ہوں  
میں اس آئینہ غازی میں ترا عکس مقابل ہوں  
معاذ اللہ اپنی صورت سے کس رعب غافل ہوں  
ہبازہ خوب ہاتھ آیا کہ پاسبانِ سلاسل ہوں  
مجھے کب پوچھتے ہیں، یہ تو کب تحصیل حاصل ہوں  
علوئے طبع سے ایسی غزل پڑھنے پر نال گس

(۳۵)

اہل جس کو قیامت کٹ گئی وہ بسل ہوں  
جسے صیاد نہ دیکھا نہیں وہ مرغِ بسل ہوں  
یہ عمارت دے قاتل ہوں کہ شکلِ چشمِ بسل ہوں  
میں اس تعریف سے گویا زبانِ تیغِ قاتل ہوں  
تڑپنے کی جگہ بتی نہیں جس کو وہ بسل ہوں  
دل بیتاب کے ہاتھوں سے میں تکمیل بسل ہوں  
پرٹ کر جس سے قاتل رہا ہے میں وہ بسل ہوں  
یہ عالم قتل کا میدان ہے میں غلِ بسل ہوں  
دیاں تیغِ نگاہ نازِ قاتل ہے میں بسل ہوں  
کہا تقریر نے خاموشی میں گم کرد منزل ہوں  
ہوایہ صاف روشن وہ صدمہ حق ہے میں بل ہوں  
عبادت میں بہت آسان ہوں معنی میں مشکل ہوں

دنگاہ جاتے والے ہیں غیروں کے ساتھ وہ  
مزمحل کا عکس عارضِ روشن میں دیکھ لے  
خورشیدِ رخ نے تیرے بولے نور کر دیا  
اُس بُت کے در کا اس دل روشن میں، خیال  
جان نصیب میں ہے تو ہو کچھ نہ رخ ہی  
پھیلی ہمارے سوزِ محبت کی دستار  
رنگینی اکس کے عارضِ چہ نور میں نہیں  
داغ گستاہ سے دل سون کو کیا نثر

خودی بھی مجھ سے جب الفت نہ تھی میں تیرے ہوں  
ولا کیوں کر میں اس رخسارِ روشن کے مقابل ہوں  
غم گیسو پر اک رشکِ پری کے دل سے مل گیا  
نہیں مسموم اس کو تیری چتون سے مقابل ہوں  
نگاہ ناز سے تم نے اگر دیکھا نہیں مجھ کو  
نقاں کیسی کہ صفتِ شکوہ بھی مہ پر نہ گئے گا  
وہ الفت وہ کوچہ ہے قضا بھی جس کو تھی ہے  
جہوں ہی لفظ لفظ داغِ حسرت کی توتی ہے  
مدلے رہنا ہے گمراہ، اس وقت غربت میں  
میرے سامنے شیخِ دہر میں کیا جھگڑتے ہیں  
گل مقصد جسے سمجھا، وہ نکلا داغِ ناکامی  
اگر دلتی یک گئی کروں، ناخوش نہ ہو جانا  
تو قریب رہتی ہے ہر دم کہ دم لینے کی ہمت ہے  
رسائی نہفت نے پائی قدمِ محک اب بے کیوں آئیں  
خبریتے ہیں اس کی جس کو بیگانہ سمجھتے ہیں  
زمینِ فخر جس سے آسمان بن جائے لے اکبر

جو لذت آشنائے درد الفت ہے، میں وہ دل ہوں  
نصیب ایسے کہاں جو زینتِ فزاں قاتل ہوں  
سپے نظارہ جبکہ عالمِ حسرت میں اُٹھ ہوں  
سنا کر وصفِ قاتل میں نے لاکھوں کو کیا بسل  
فضائے دہر جگہ جگہ اپنی بے تابی کی وسعت سے  
فلانے ہستیِ مہرِ میری بے تسداری میں  
خوشی میں سودا جا میں سے ہے گشتِ رنگِ باہر  
تو مل چاہتا ہوں جس سے وہ دامن بچاتا ہے  
قضا کا وہ ہم بھی جس جان پہنچے گا قیامت تک  
جو کی کچھ گفتگو پر خرد نے واہ الفت میں  
دکھا بے خودی نے آئینہ جب میری ہستی کو  
عجب مضمون میں پیدا ہوا ہوں بہت ہستی میں

لے معرہ طرح







پلے ہی چال آپ کی تھی فست زرا حضور گھونگھرو نے اور فست نہ محشر بنا دیا  
کھسی یہاں تک صفت اس فوہمال کی خامہ کو ہم نے شایخ گل تربت دیا

(۲۲)

نظارہ روز و شب ہے محف خاہ قالی کا یہی صورت رہی تو بس خدا مانتا مرے دل کا  
خراں میں کیا ادا سی چھائی ہے محن گلستاں پر نہ وہ بھولوں کی رنگینی نہ وہ نغمہ عنادل کا  
یزینت بندش الفاظ کی ہے حسن معنی سے نہ ہر جلوہ جو سیلی کا تو پھر کیا لطف محل کا

(۶۱۸۴۱)

## پچیس سال عمر کی غزلیں

(۲۳)

کوئی پہنچا نہیں اے یار تیرے قدر جتنا تک ہماری فکر حالی سرو سے ہو آئی طوبیٰ تک  
کبھی تشریف تو لائیں وہ مجھ کو جتنا تک دل مشتاق کیا، ان پر خدا ہے جان شیدا تک  
دہستان محبت میں ہوا حاصل نہ کچھ مجھ کو کتاب ہر آخر ہو گئی حرف محبت تک  
گلستاں میں جو بلبل رنگ گل پر جان دیتی ہے نہیں پہنچی نظر اس کی نور سے رخسار زیا تک  
تری فکر کمر سے ہو گیا ہے قدر ناز تک کہ مشکل سے پہنچتا ہے صورت نام مقام تک  
دل حد چمک آتا ہے نظر جو صورت شانہ رسائی اس کی ہے شاید تری زلف چلیا تک  
گماں ہے کاروان جذبہ دل کا مجھے اس پر کنوئیں سے کھینچ لایا تھا جو یوسف کو زینیا تک  
نقاب انیس اگر وہ عارض پر نور سے اپنے شب بیدا کو مجھے روز محشر چشم اعلیٰ تک  
جسے طوق گلو گرداب تو زنجیر پاؤں میں تری الفت میں انسان کیا کہ دلوں پر دیا تک  
نکار آب آئینہ کیا ہے اس نے پانی کو نگاہیں بے تکلف جاری ہیں قہر دیا تک  
زمین پر شمع روشن ہے انگ پر او تباہ ہے تہا کے نور سے ہیں فیضیاب دنی سے اہل تک  
میں ہوں وہ رشک مجنوں جس وحشت کو بھی نمودار وہ ویرانہ میرا جس سے گھبراتا ہے صہرا تک  
کیا ہے عاشق اک پر وہ نہیں کا مجھ کو قسمت نے میں وہ بیمار ہوں جو جا نہیں سکتا میسا تک  
وہ آئے بھی جو بالیں پر تو ایسے وقت میں آئے کہ فرط ضعف سے ہم کر نہیں سکتے اشار تک  
جو اس نے ناز سے پوچھا کہ تیری آرزو کیا ہے خوشی سے وہ ہوئے بخود کہ ہم بھولے تنہا تک  
نہ نکلا شک حسرت نزع میں اے بیکسی کیوں کہ وہ بیکسی ہوں نہیں ہے کوئی مجھ پر پڑنے والا تک  
جو وصف صاحب معراج ہے مد نظر اکسیر مری فکر رسا ہاتی ہے اب عرض معنی تک

(۲۴)

(۶۱۸۴۲)

## ستائیس سال عمر کی غزل

چیز ہے کہ بہ عشق آدمی رقص آدمی سوزد دل بہت کہ در پہلوی رقص آدمی سوزد  
در شمع چو لہر ہند نورے زریخ خوبست پریشانہ بگرد آدمی رقص آدمی سوزد  
ہر شمع بیاد آدمی گرد آدمی کا مد ہر شمع بر شوق آدمی رقص آدمی سوزد

(۶۱۸۴۳)

## اتھائیس سال عمر کی غزلیں

(۲۵)

کبھی کبھی وہ نگاہوں کی نظر کرتے ہیں دھوکے کھاتا ہے ہمارا دل ناواں کیا کیا  
لے ایک چٹا دلپ کے گرد ناز رہا تھا (۶۱۸۴۴)

(۳۸)

مے ہر اک سے محبت مگر انہیں سے رہی وہ عاشقاد جو تھی اک نظر انہیں سے رہی  
یہ کون بات پسند آگئی ہے غیروں کی نگاہوں ان کی جو آنکھوں پہ انہیں سے رہی  
چھٹو گے دام بد سے کبھی نہ اسے اکسیر طبیعت اچھی ہوتی یوں اگر انہیں سے رہی

(۳۹)

(۶۱۸۴۵)

## ۲۳ سال عمر کی غزل

جلوہ رخت سارہاں ہے نمود حشر کا حق بجا نہیں ہے جو ہے زاہد کو دھڑکا حشر کا  
بے تامل تیری قامت کے جو مضمون مل گئے شاید اب نزدیک آپہنچا زمانہ حشر کا  
جلوہ قامت لے کچھ ایسا ہیں گھبرا دیا جیتے ہی ہم کچھ آپہنچا زمانہ حشر کا  
میری آنکھیں نور کے طوفان کی دکھلائی تھیں سر ان کی چٹوں نے تو دکھلایا تماشا حشر کا  
یاد قامت نے کیا ہے واخلوں کا معتقد روز میں سننے کو ملتا ہوں فسانا حشر کا  
روح قسمت کے مطابق نامہ عصیاں ہے جب پھر بھلا ہونے لگا کیوں مجھ کو کھٹکا حشر کا  
ہے شب بھراں ورازی میں بساں زلف یار طول میں روز جدائی دن ہے گویا حشر کا  
یا و قامت سے جو اس دن مل گئی قسمت ہیں دیکھ لیں گے دور سے ہم بھی تماشا حشر کا  
بے خبر جو ایک کے احوال سے ہے دوسرا آپ کی محفل بھی گویا ہے نمود حشر کا  
جنس عصیاں نفع خاطر خواہ پہنچیں گے ہم اے ہم نقصان دور ہونے سے میل حشر کا  
فاتحہ پڑھنے مر کا تربت پر خوش قد آتے ہیں ہر شب آدینہ یاں ہوتا ہے میل حشر کا  
کیا قیامت نامہ پڑھ کر پڑھ کے سنا ہے مجھے حق خوف تو مجھ کو دلاتا ہے بھلا کیا حشر کا  
واظفا میں اس کا محو جلوہ رفتار ہوں جس کا ہر نقش قدم ہے اک رسالہ حشر کا  
انتہا کا حسن بخشا ہے اُسے اللہ نے حق کیوں دل جہاں سے دیں ہو جاؤں شیدا حشر کا  
نامہ اعمال میرا اس کی ہے زلف سیاہ فور رحمت ہائے حق ہے روتے زیبا حشر کا  
وحشت دل مجھ سے کتنی ہے چلی جی یاں سے اب حق طے ابھی برسوں نہ ہو گا یہ کھیسٹہ حشر کا  
خواہش خلہ بریں میں آرزو سے خود میں کون مدت تک اٹھائے ناز ہے ہا حشر کا  
حشر تک اب فاتحہ آنے کے نہیں مضمحل حشر تم نے اسے اکبر کوئی پہلو نہ چھوڑا حشر کا

(۴۰)

(۶۱۸۴۶)

## پچیس سال عمر کی غزلیں

لاکھ جرات کی کہ تنہائی میں لپٹا لیں انہیں دل میں رعب حسن سے خوف و خطر آج گیا  
میں بھی اب اچھی طرح غیروں سے کتا ہوں فساد رنج تو مجھ سے تجھے اے فتنہ گر آج گیا  
دھیان میں لایا سر مٹھکا اس کی نازکی کھل کے جوڑا خود سری سے تاکر آج گیا  
گو بہت کچھ رنج یاران وطن سے تھا، ہیں آنکھ میں آنسو مگر وقت سحر آج گیا  
میری آپس سن کے کان اپنے کہتے تھے تم نے بند رو دیئے آخر کو، دل میں کچھ اثر آج گیا  
آکے جب عشق میں مجھے دیکھا تو گھبرا کر کہا ہوش میں آ، اب تو میں اے بے خبر آج گیا  
بعد مدت کے نظر آئی جو صورت یار کی سو طرح دل کو سنبھالا عشق کرا آج گیا

(۴۱)

حسرت کو شہر عشق میں بھیجا خدا نے جب رہنے کو خاں دل مضطرب بنا دیا



خوب فرما گئے ہیں حضرت آتش اکبر۔ تیرے اشد نے مجھ پر کیے احسان کیا

(۳۶) ماہ نور امی کند در نور کامل آفتاب  
صورت من بہت ہوئے چہ منزل آفتاب  
شد مگر از غمزه حسن تو بسل آفتاب  
ناقد است گردوں اگر سازند محل آفتاب  
گر و دار و ملکہ بزم تو داخل آفتاب  
می کند تفسیر فصل از طے منزل آفتاب  
آخرے ستم کہ نہاں کردہ در دل آفتاب  
در آفتاب گشت قبل بوجہ ساحل آفتاب  
قطرہ قطرہ گشت در دامن ساحل آفتاب  
ی رہا نہ گشتی رہناں بساحل آفتاب  
برکت انجم دارم و پر شیدہ در دل آفتاب  
بگذرد زود از فراغ چاہ بابل آفتاب  
ارمغان آورد اکبر سوسے محفل آفتاب  
شرعی خوانی دی تا بد یہ محفل آفتاب

(۳۷) دلم فسرده شد عشق دآر زود باقی است  
لگان میر کہ ستم کردی و وقت نہ کم  
فغان کہ آتش غم زیر خاک ہم نگداشت  
بہر عشق فادیم دوست و پانہ زویم  
اہل بیاد و جانم بہر دولی بگذاشت  
فغانے صورت زیبا زنی کہ فانی نیست  
ز زشتی علم در لحد نمی پے بسند  
پس فنا بہ لحد ہم قرار نیست مرا  
بہ شبن فانی دنیا بسند دل اکبر

(۳۸) جاں نثاروں کے سوا کوئی نہ دیکھے رفتے دوست  
دیکھنے گئے تھے ہم شمع رخ نیکوئے دوست  
اہل دل کو ذکر تمیزی سے یہ آتی ہے صدا  
رفص کرتی ہے نیم صبح کیوں مستانہ وار  
کیسے کیسے گل بکھلے ہیں نقش پائے یار سے  
وہ گل رنگیں ہوں میں پیدا ہے جس سے رنگ یار  
دشمنوں کا سر نہ امت سے ہے جھکنے کے لئے  
میں وہ آئینہ ہوں اس حیرت سرائے دہر میں

(۳۹) زائل اے دل یہ مراد و جسگر ہو کیوں کر  
وصل جانان ہے دو اکس کی گھر ہو کیوں کر

ملہ صوفیوں کے ایک طریقہ ذکر کا نام ہے۔

محفل عشرت اخیار میں رہتے ہیں حضور۔ حال غم دیدہ ہجران کی خیمہ ہو کیوں کر

(۵۰) جلوہ شاد حسنی کی ہیں مشتاق آنکھیں  
سیم تن ہیں، انہیں رہتی ہے بہت خواہش زور  
حاضری کا جو بلا حکم تو یہ ہوا رشاد  
غیم ہجر تو چہ کردہ است بن بیچ میرس  
تالاب میں چہ توانی بر یاران برسان  
بشنو از مرگ من وفادار و غم بخشیں  
وقتے بہت بہ تشریح کمر، سپر گویا  
آخر فصل بہار است دم زخصت گل  
شوغم آمادہ و دل مائل و قاتل بہ گمیں  
وقت آنست کہ با شام غریباں سازم  
حسرت چند بہ دل دارم وای نکتہ بس است  
گوازل لعل یانی و بہ میں بخت و دم  
بکیسی معکف تربت او بود بہ شیت

(۵۱) بہار عمر خنداں ہو گئی ہزار افسوس  
بقائیں گئے اے موسم بہار افسوس  
چلے جہان سے آخر گناہ کار افسوس  
تو میرے حال پر کرنے لگا قراہ افسوس  
تمام رات رہی شمع اشک بار افسوس  
جو ایک دل میں ملا ہے وہ بیقرار افسوس

۱۸۷۵ ————— ۱۸۷۲

## انیس اور تیس سال کی عمر کی غزلیں

۱۸۷۲ء مقام آگرہ

(۵۲) ہجر میں دانتوں کے گریاں جو میں بیتاب ہوا  
سبزہ خط سے ستر بار دل بیتاب ہوا  
مرد و عطف بیگانہ و احباب ہوا  
ہو گیا غرق میں یاد رخ نورانی میں  
تو ہے وہ برقی تھیلی کہ ترا نقش قدم  
تیرے جو سے ہے ہوا حسن ظہور ایجاب  
گلی بہت کترے ونگ نے زینت بخش  
حسرت اسے عقل کہ پائی ترے لشکر شکست  
کسی حالت میں امیری سے رہائی نہ ہوتی تلق  
موجیں دریا کی سلاسل جو میں پادشہ کے لئے  
چشم حسنی سے جو کی میر علسات جہاں

اشک چہ کھکھ سے بھلا ڈر نایاب ہوا  
گشت اس کوئی سے آخر کو یہ سیلاب ہوا  
خوب ر سوا تر سے ہاتھوں دل بیتاب ہوا  
لڑ ماہ مجھے حلقہ گرو داب ہوا  
دو کس آئینہ مہر جہاں تاب ہوا  
نور تیرا سبب عالم اسباب ہوا  
چشم خلق ترے فیض سے شاداب ہوا  
مردہ اسے عشق جنوں آج ظفر یاب ہوا  
طوق گردن کے لئے حلقہ گرو داب ہوا  
پتہ تیرے مجھے اک گلشن شاداب ہوا







(۱۵)

دھل جانوں کی دل زار کو حسرت ہی رہی — پر میتر نہ ہوا  
 عمر بھر جان پر حسرت کی مصیبت ہی رہی — تھا یہ قسمت کا لکھا  
 تم نے جو بات کہی، میں نے دل دجاں سے وہ کی — نہ کیا عذر کہیں  
 تم کو اس پر بھی مگر مجھ سے شکایت ہی رہی — پھل یہ نعمت کھلا  
 چشمہ چشم سے اشکوں کی بھی موجیں نکلیں — ٹھنڈی سائیں بھی ہیں  
 آتش جسم کی مگر دل میں حرارت ہی رہی — نہ ہوا شوق ذرا  
 کھاتیں سو مرتبہ تھیں کہ ہوں عاشق تجھ پر ا — نہیں اور میں پر نظر  
 بدگمانی مگر اس شوق کی عادت ہی رہی — صاف مجھ سے نہ ہوا  
 ایک تم ہو کہ ہزاروں ہی کہنے مجھ پر سبتم — بل کے غیر میں عجبم  
 ایک میں ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہی رہی — کبھی شکوہ نہ کیا  
 دشمنوں نے تو بہت بات بنائی جا کر — کہ وہ بگڑیں مجھ پر  
 حال پر میرے مگر ان کی عنایت ہی رہی — کچھ کسی سے نہ ہوا  
 ہے تمہاری بھی عجب سخت طبیعت بخدا — دم دل میں نہ دوا  
 منتیں کرتے رہے ہم، تمہیں وحشت ہی رہی — پاس بیٹھے نہ ذرا  
 منزل گور میں تنہا مجھے سب چھوڑ چلے — اپنے پیگنے جرتے  
 ساتھ دینے کو نقطہ اس کی عنایت ہی رہی — اور کوئی نہ رہا  
 ہم نشیں اٹھ گئے اسن بزم سے اپنے اکبر — تم بھی بس بندھو کر  
 نہ وہ جیسے ہی رہے اب، نہ وہ صحبت ہی رہی — کیا ہے بے کامرا

(۱۶)

ماں دل وحشی ہے کبھی نہ نصیب دوتا کا سودا مرے دیوانے کو ہے دام بلا کا  
 انکار وصال ان کے لبوں پر یہ نہیں ہے پیغام میں سنتا ہوں سیما سے کھٹکا کا

(۱۷)

یار نے کچھ خبر نہ لی، دل نے، جگر نے کیا کیا  
 دو فلک کو پا کے بے خبر کر گئے کام سخن و عشق  
 صاحب تاج و تخت بھی موت سے یار نہ بچ سکے  
 کھل گیا سب پر حال دل بہنتے ہیں دوست بولا  
 اکبر خستہ دل کا حال قابل رحم ہو گیا!

(۱۸)

ہجوم غم سے ان روزوں سے دل زبرد زار اپنا  
 نصیحت و احتیاط کی اب کرے گی کیا اثر اپنا  
 نہ روؤں کس طرح غربت میں، میں دل کھول کر اپنا  
 وہ درم محبت ان حسینوں سے نہیں کیا دکھوں  
 رہے آدھوں میں اک عمر دنیا میں تو کیا حاصل  
 محل غیرت کا ہے، چہرہ پر یوں گاوار تاق کے  
 محبت کھل گئی، اپنے پرانے طعنے دیتے ہیں  
 محبت میں یہ ناصح اور بھی اک تہہ ڈھلتے ہیں

(۱۹)

بن مصائب بسکہ ہے تہہ نظر اپنا  
 گل تر سے لطافت میں فزوں ہے شر تر اپنا

ہوا ہے بے خودی کے کوچ میں جسے گذر اپنا  
 اٹھاتا تھا ہزاروں تختیاں دل میں اُسے رکھ کر  
 عروج ہستی غانی پر کیا سدا گم مشرت ہوں  
 جگہ دے آدھ آدھ ہے زبرد واصل ہماں کی  
 نہیں کچھ آج ہی سے میری قسمت میں پریشانی  
 لحد کی استکرا بھی لازم ہے منعم قصر عالی میں  
 امانت عشق کی بدل اپنے کیا جانے کس کو  
 غرض کیا ان کو ہے پاپوش ان کی پادشاهی ہے  
 نگاہ شوق پر دست ہوں کو کیوں نہ رشک آئے  
 کہیں دیکھا نہ ہستی و عدم کا اشتراک ایسا  
 نہایت جلد آکر باعث تسکین خاطر ہو  
 غزل ایسی پڑھو محلو جو ہو عالی مضامین سے

(۱۰)

سحاب آسا اٹھایا بحر ہستی میں جو سر اپنا  
 بسر تیرے درونوں میں ہو کیوں کر اہل سیش کی  
 پہنچ جاؤں گا سجدوں سے مقام قرب باری میں  
 خط و جوہم کو ہے نقطہ فرضی سے کس نسبت  
 تصور بھی کبھی مرتد کا آتا تھا نہ دنیا میں  
 وہ توحید میں کھٹکا نہیں ہے غیبر کا مجھ کو  
 نزاکت کے اثر سے شعر میں بھی بندہ نہیں سکتا  
 ہماری سرخی داہن جگر سے زرد و دہوں گے  
 تردد کچھ نہیں ایذا و حسدوں کو دہائی میں  
 نسیم پیش ہو یا مر مرشم، ہم نہیں ہٹتے

(۱۱)

جو پیش چشم معنی حبسہ سخن بشر آیا  
 رہا دم بھر فروغ اس کو، کبھی جو آدھ پر آیا  
 تصور حبسہ توحید کا ہے مثل آئینہ  
 تصور ان کے عارض کا زبس رنگین دنا زک تھا  
 ملا ہے ہم کو یہ مضمون روشن چشم بینا سے  
 گیا تھا ہو کے رخصت صورت تسکین دل تجھ سے  
 حیدوں کو تو سے جتنے کہنے آئے بت میں کیا کیوں  
 ہوا ہے باعث ایجاد عالم حشیں یہ کس کا  
 جگہ بھی میٹھے کی اب مجھے عتی نہیں صاحب  
 سوا افسانہ دل کے کہا بھی کچھ نہیں میں نے  
 ہوئے سر ہر بلا کھول نخل اس گلزار ہستی میں

(۱۲)

نہ حاصل ہوا صبر و آرام دل کا  
 محبت کا نشہ رہے کیوں نہ ہر دم  
 چھنایا تو آنکھوں نے دام جو میں

نگاہ شوق سے میں خود ہوں منظر نظر اپنا  
 مرے تنگ لب و سر پر آدھ چکے گی سراپا  
 فروغ چند ساعت ہے یہاں شش شر اپنا  
 اٹھالے سینہ سے بستر تو اسے درو جگر اپنا  
 ازل سے جتنے سودائے گیسو میں ہے سراپا  
 ماک کا بھی کچھ سوچ لے اسے بے غراپا  
 نہیں معلوم جائے کس کے سر پر درو سراپا  
 لئے پھر رہا ہے کیوں مہر فلک پر طشت دراپا  
 کہ یہ مجبور ہیں، وہ کام کرتی ہے ادھر اپنا  
 جہاں میں شل رکھتی ہی نہیں ان کی کمر اپنا  
 سراپا غنچہ مجھے ان کی خیر سراپا  
 کہ داب دوسرے کو ہے میں اسے اکبر گند اپنا

بنایا بس وہیں مروج فنا لے ہم سفر اپنا  
 اندھیرے میں نہیں کچھ کام کر سکتی نظر اپنا  
 قدم کے بدلے میں اس راہ میں رکھوں گا سراپا  
 تمہیں اپنے دہن سے کچھ کہ دو وصف کمر اپنا  
 یہ غفلت تھی کہ ہم بھولے ہوئے بیٹھے تھے گھر اپنا  
 خودی کا خوف ہے لیکن رہا کس سے ڈر اپنا  
 بچا جا تا ہے پہلو مجھ سے مضمون کمر اپنا  
 جمائیں گے دماں کیا رنگ الفت اہل زراپنا  
 تنہا بے تکلف دل میں کریتی ہے گھر اپنا  
 جاسے پاسے استقلال لب شل شجر اپنا

تماشا پر تو انوار حسن ان کا نظر آیا  
 مرے حصہ میں شاید، خیر بخت خرد آیا  
 کیا شوق تماشا جب کبھی میں خود نظر آیا  
 پری بن کر ہمارے شیشہ دل میں آکر آیا  
 کہ چھوڑی جس نے خود بینی اسے سب کچھ نظر آیا  
 رنگ ہوش و اس سے پھر کے اپنا نامہ بر آیا  
 مجھے تو حسن تیرا خود تماشا کی نظر آیا  
 یہ کس کے دیکھنے کو مجمع اہل نظر آیا  
 وہی اچھا رہا اس بزم میں جو پیشتر آیا  
 یہ غصہ آپ کو فرمائیے کس بات پر آیا؟  
 نہ لیکن رنگ پر اپنی تمت کا محبہ آیا

نہ نکلا کبھی تم سے کچھ کام دل کا  
 بھرا ہے مے عشق سے جام دل کا  
 مگر عشق میں ہو گیا نام دل کا



ناتوا ہے اُن کا، مطلب اُن کا، میں اُن کا  
بندہ ہے ہر اک شیخ، ہر اک برہمن اُن کا  
بت بن گیا منہ دیکھ کے ہر برہمن اُن کا  
ہم مر بھی گئے پر نہ چھٹا بائیں اُن کا  
اب ذکر ہی جانے دو پس لے جان میں اُن کا  
بات اُن کی، ادا اُن کی تدا اُن کا پل اُن کا

اس زلزلت و زلزلہ لب پر انہیں کیوں نہ ہو  
اشد سے فریب نظر چشم فوں ساز  
ہو جو نظر سخن حسدا واد کا بلوہ  
مرقد میں اتارا ہیں تیوری کو چہرہ حاکر  
گذری ہوئی باتیں نہ مجھے یاد دلاؤ  
و مجھپ ہے، اُفت ہے، قیامت ہے غصبت

(۱۷)

برسوں خیالی یا مرا میہماں رہا  
کیا مجھ سے پوچھتے ہو، تو کل شب کہاں رہا  
پیش نظر تمہیں تو رہے، میں جہاں رہا

پوشیدہ آنکھوں میں کبھی دل میں نہیں رہا  
فریاد کس کی تھی پس دیوار رات بھر  
بے جا مے سفر پر ہیں یہ بد گمانیں

(۱۸)

کی زمین کو عزیز معر وے تعبیر خواب  
خانہوں کے واسطے افسانہ ہے تدبیر خواب  
ہے عالم تازہ بیسٹری کے عوض زنجیر خواب  
گو رہیں خواب قنا سے مل گئی تعبیر خواب  
قرب اُن سے ہو گا، الٹی ہے اگر تعبیر خواب  
عاشقی میں الفرض ممکن نہیں تدبیر خواب  
اس اولے خواب کو کہا ہوں میں شیر خواب  
پڑ گئی ہو گے نہ پائے منکر میں زنجیر خواب

مصحف رشاد یوسف میں بوجہ تعبیر خواب  
انگلی، تین سس کے عبرت کے غرض غفلت ذکر  
کو پڑ باناں سے اٹھنا ہوں تو سو جاتے ہیں پاؤں  
خواب نہیں بیدار ہیں اس سہو مہر کی  
برق کا سہلوہ نظر آیا ہے مجھ کو خواب میں  
وصل میں شوق تماشا ہجر میں اشکوں کا ہوش  
قتل کرتا ہے تڑا بے ساختہ سونا مجھے  
اس زمیں میں اور بھی پڑھے غزل اکبر کوئی

(۱۹)

خواب میں بھی پھر نظر آتی نہ وہ تصویر خواب  
جتنی تعبیریں ہیں یں کی ہیں یہ سب تعبیر خواب  
حشر کے دن ہوں گے یا سب ہم گریباں گیر خواب  
اک ہیں محسوم ہیں اے فیض عالمگیر خواب  
آپ کے ملنے سے مجھ کو مل گئی تعبیر خواب  
سارے مضمون میں خیالی ہے یہ سب تقریر خواب

ہم جو تجھے تھے نہ وہ حاصل ہوئی تعبیر خواب  
عالم ایچ دہی اک عالم مہر مہر ہے  
خواب میں دیکھا کہ وہ دامن چھڑا کر چلے گئے  
کون ایسا ہے جو ہر شب چہیں سے سوتا نہیں  
حضرت یوسف کو لینا کر زمین نے کہا  
خواب میں شاید کسی ہے تم نے اکبر یہ غزل

(۲۰)

ناتوا کیا جو ہوئے اشک گہر کی صورت  
کیا سے کیا ہو گئی اشک کے گہر کی صورت  
دیکھتے روز بدلتی ہے تھر کی صورت  
دیکھ لی آئینہ میں آئینہ گہر کی صورت

نظر آتی نہیں جب اُن میں اثر کی صورت  
خانہ دل کو کب عشق بتاں نے برباد  
حُسن کے واسطے لازم ہے تلوں شاید  
ہم نے محسوس میں خالق کی تعبیر پائی

(۲۱)

خون جو جاتا ہے مصروفِ تمت ہو کر  
کام ہی کیا ہے، گردن کا جسے اچھا ہو کر  
حُسن حیرت میں ہے خود محو تماشا ہو کر

دل بگھیں بھی عجب دل ہے مگر قہر ہے یہ  
مرض عشق سے صحت نہیں ہوتی تو نہ ہو  
عالم اس کے رُخ زیبا کا بیان ہو کس سے ؟

(۲۲)

خرابی دل و جان و جب گہر نہیں منظور  
جواب صاف نہ دے دیں اگر نہیں منظور  
اسی سے حبزِ دل کا اثر نہیں منظور

توں کی مجھ کو یہ ترجمہ نظر نہیں منظور  
وہ ٹالتے ہیں عبت آج کل پر وعدہ وصل  
یہاں کے آنے میں تکلیف ہوگی ان کو کمال

خدا ہی ہے اب میرے بدنام دل کا  
یہی لے گئیں صبر و آرام دل کا  
ہو خاک اب یہ ہے انجام دل کا  
تو کیا خاک بتلوؤں انجام دل کا  
جو سرکار میں کچھ نہ ہو کام دل کا  
گئی لے کے روض اپنی پیغام دل کا  
کہوں کیا میں آغاز و انجام دل کا  
تو کچھ سوچ لو پہلے انجام دل کا

(۱۳)

مرد و بدر ہو کر نیستِ اعظم نہیں ہوتا  
دل ان کا سنگ ہے پر ہمہ مستحکم نہیں ہوتا  
یہ ذوق نشتر دل مرتے مرتے کم نہیں ہوتا  
دلیں یہ دل نہیں جوتے ہے یہ عالم نہیں ہوتا  
وہ سینہ آٹھائے دست نامحرم نہیں ہوتا  
اثر لیکن نگاہ ناز کا بھی کم نہیں ہوتا  
فراق آستیں و ویدہ پڑ نہ نہیں ہوتا  
دل عاشق سا دنیا میں کوئی بے غم نہیں ہوتا

(۱۴)

زمانہ کی دورگی کا اسے ہرگز نہ غم ہوتا  
نہیں تو چہیں سے گنتی نہ دل جوتا، نہ غم ہوتا  
وہی ہوتے جوتے ہیں، تو پچھلے و غم ہوتا  
کوئی شیریں سخن ہوتا، کوئی با دو ر قہر ہوتا  
جو وہ آتے تو غیر آتے جو غیر آتے تو غم ہوتا  
مجھ بھی اشتیاق دولت جاہ و خشم ہوتا  
نہیں تو شمع سے دشوار پلنا دو قدم ہوتا  
تھیں تو دل لگی جوتی، مغربوں پر خشم ہوتا

(۱۵)

مجھ سے جلسہ رنگین یا ران وطن چھوٹا  
نہے تابی گئی میسر کی نہ ان کا بائیں چھوٹا

(۱۶)

رنگیں ہے طبیعت کی طرح پیر بن اُن کا  
شرم آکے چسپا لیتی ہے سارا بدن اُن کا  
باہر ہے دو عالم سے مری جاں وطن اُن کا  
اُلفت نہ بھگے گی جو یہی ہے چہن اُن کا  
ہے کو چہ عشق ہمارا، چسپاں اُن کا  
آنکھوں سے سنبھلتا نہیں مسنا دین اُن کا  
آغوشِ تصور میں نہ آیا بدن اُن کا  
کیوں تیج میں لایا تھا مجھے بائیں اُن کا  
وہ اس کو نہ بھگیں تو یہ ہے سخن غن اُن کا

ہو انوب رسوا یہ عشق بست میں  
یہ بانگی ادائیں یہ تر بھی نگاہیں !  
رُکھوں پہلے اٹھنا تھا، آغاز تھا وہ  
جب آغاز اُلفت ہی میں مل رہا ہے  
خدا کے لئے پھیر دو مجھ کو صاحب  
پس مرگ ان پر کھل حال اُلفت  
ٹپتا ہوا یو نہیں پایا ہمیشہ  
دل اس بے وفا کو جو دیتے ہو اکبر

فرد بخ کم بھلاعت رو بنی عالم نہیں ہوتا  
توں کے قول سے شاداں دل پر غم نہیں ہوتا  
خدا محفوظ رکھے اُلفت خزانِ خباں سے  
مقام بے خودی میں آندو کی سبب مطلب کیا  
صفائے سیرت تک دست تصور کس طرح پہنچے  
تمہارے غم میں تاثیر تو ہے حضرت و غم  
تمہارے دصال یار میں ہر وقت روتا ہوں  
شکستہ سوغتہ، محسوس دج اس پر یہ فتنہ میں

اگر دل واقف نہ ہو گئی طبع صنف ہوتا  
یہ پابندِ طبیعت دل کے باطن جو توجہ ہیں  
انہیں کی بے وفائی کا یہ ہے آئینوں پر صدمہ  
سب و سیم حسرت گر دیکھنے پاتے کہیں شاعر  
ہرست چھا ہوا آنے نہ وہ میری عیادت کو  
اگر قبریں نظر آتیں نہ دارا و بسند و کی  
لئے جاتا ہے جوت شوق ہجر کو راہ اُلفت میں  
نہ رہتے پائے دیوار دل میں روغنِ شکر ہے دہ

نہ پروانے سے محفل اور نہ بلبل سے چمن چھوٹا  
وہ ترجمہ نظر دل سے دیکھا کئے اور میں رہا بلبل

روشن دل عادت سے فزوں ہے بدن اُن کا  
محسوم ہی رہ جاتی ہے آغوشِ تما  
جن لوگوں نے دل میں ترے گہرا پنا کیا ہے  
برسات میں وہ چال کیا کرتے ہیں مجھ سے  
عارض سے غرض ہم کو خدا دل کو ہے گل سے  
ہے صاف نگاہوں سے عیاں جوشِ جوانی  
یہ شرم کے معنی ہیں مہیا کتے ہیں اس کو  
غیروں ہی چپتا ہے جواب ناز کا خنجر  
غیروں نے کبھی پاک نظر سے نہیں دیکھا



قبر میں بعد فنا آئے تراب کچھ بھی نہیں  
کیوں بلایا ہے مجھے آپ نے جب کچھ بھی نہیں  
صبح دم وہ اثر جلسہ شب کچھ بھی نہیں  
پروں رونما ہے جو پوچھو تو سب کچھ بھی نہیں

تمام آگ لگی ہے، کہ ہر کہہ صردیکھیں!  
یہی کچھ ہے تو اچھا، بستم بھی کہ دیکھیں  
کہ ہم تو جاتے ہیں اب آپ اپنا گھر دیکھیں  
خدا کرے کہ مجھے بھی وہ آگ نظر دیکھیں  
نہال عیش کو آگ دن تو بارور دیکھیں

آنکھیں خدا نے دی ہیں مگر دیکھتے نہیں  
اُن کا یہ حال ہے کہ ادھر دیکھتے نہیں  
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر دیکھتے نہیں  
یہ شوخاں خدا کا بھی کھسک دیکھتے نہیں  
دیکھیں گے کس طرح وہ ادھر دیکھتے نہیں  
اتنا ہم اپنے دل کا جب گھر دیکھتے نہیں  
ان کا یہ حال ہے کہ ادھر دیکھتے نہیں  
دو دن بھی ایک شکل قسور دیکھتے نہیں  
عادل جو لوگ ہیں وہ ادھر دیکھتے نہیں

نہیں کچھ اور غیب اس کے سوا اہل ہاؤ کا لہی  
یہ وہ ہیں سو قیامت گہے انکے گوشہ دہلی  
ہست مجنوں مگر جلوہ تو ہو بیسے کا گل میں  
نگاہوں کو نہیں یار اگر اٹھیں تیری نظر میں  
ہست شکل ہے لیکن فرق کتنا حق و باطل میں

اس آئینہ خانہ میں جو حیراں ہیں تو ہم ہیں  
آوارہ معرے منیلاں ہیں تو ہم ہیں  
سوزِ سب گریہ بل تالاں ہیں تو ہم ہیں!  
مقصود دل گیسو مسماں ہیں تو ہم ہیں  
اے ابر ترے ساتھ جو گریاں ہیں تو ہم ہیں  
بس ایک غمِ حشر میں تالاں ہیں تو ہم ہیں

گردشِ چرخ میں ایسے مرے مقصوم نہیں  
جس کے مطلب نہیں، معنی نہیں، مفہوم نہیں  
مگر اتنا تو کون کا کہ وہ معدوم نہیں  
حوت کا وقت کسی شخص کو معلوم نہیں  
ہنس کے فرمایا کہ ہو گا، مجھے معلوم نہیں

زندگی میں تو رہا کرتے تھے کیا کیا سماں  
ذوقِ نکوت ہی عسر ہے، نہ کچھ لطیف کی بات  
نہ وہ احباب نہ وہ لوگ نہ وہ شمع نہ وہ بزم  
کوئی اکبر سا بھی دیدار نہ نظر آیا ہے کم

منجالیں دل لکھ ہم حالتِ حبس دیکھیں  
کریں نہ لطیف و کرم وہ تو کیا وفات نہ کروں  
یہ کہہ کے روح نے دل کہ کیا سپرداں کے  
تڑپ کے جان ابھی دوں کہ ہوں بخلِ اغیار  
کبھی تو برسِ سیبِ ذوقِ عسائیت ہو

زُلاؤ خشک سخنِ بتاں سے ہیں بل نصیب  
میں جن کے دیکھنے کو سمجھتا ہوں زندگی  
تا شیر انتظار نے یہ حال کر دیا  
بے غوث دل کو کرتے ہو پا مال لے بُتو  
دور سے تو ڈالنے دو ذرا چشمِ شوق کو  
زخمی تری نظر سے بھی ہو مضبوط بھی کرے  
میری بو پوچھتے ہو تو دیتا ہوں اُن پر جان  
سہ انقلابِ سخن کے عالم میں کس قدر  
اکبر نہ سینک شعلہ سخنِ بتاں پہ آنکھ

دُقب تیرہ باطن کو بگر دے رکھی ہے دل میں  
نہ پوچھو دستِ اندیشہ عشقِ قیامت کو  
ہست عاشقِ مگر صودت سے معنی بھی تو ہوں پیدا  
زباں کو نہیں کھلنے کی طاقت بزم میں تیری  
ہست آسمان ہے تشریحِ متفق کے میوے کی

سوجان سے مجبورِ رخ جانان ہیں تو ہم ہیں  
گلگشت کریں، بھول چنیں، ان کو ہے کیا غم  
بھڑک ہوئی ہے آتشِ گل اپنے ہی دم سے  
شور اپنے ہی جوسے کا ہے یہ دیرِ دہرم میں  
اسے برقِ تڑپنے میں ہیں ہیں تیرے ساتھی  
دن رات رقیبوں پہ ہے صاحب کی قناعت

آپکا پس مرے حصہ میں شب وصل لے دل  
بعدِ مدت کے جو تقریر بھی کی تم نے تو وہ  
کمرِ بار ہے باریکی سے غائب ہر پسند  
ترجی چوٹن سے خلا جاتے وہ دیکھیں مجھے کب  
میرا احوال جو یاروں نے کہا کچھ اُن سے

تو خیر کچھ کو بھی اب ان سے شرم نہیں منظور  
دوا میں لاکھ شفا ہو مگر نہیں منظور!  
فناں میں لاکھ اثر ہو مگر نہیں منظور  
یہ سرکشی تو لبانِ شہر نہیں منظور  
ہما کا سایہ مگر شرق پر نہیں منظور  
مگر یہ کاوشِ نیرِ نظر نہیں منظور  
تہارا روکنا کچھ رات بھر نہیں منظور  
ادھر چلا ہے کہ جانا یہ عسر نہیں منظور  
وہیں رہوں گا اب آنا ادھر نہیں منظور  
بغیر عشقِ لبس میں بشر نہیں منظور  
ہو لئے غم نہ ہو جس میں وہ عسر نہیں منظور  
کسی کے دل میں مجھے اپنا کھسک نہیں منظور  
تڑپنا روح کا آٹھوں پس نہیں منظور

(۲۲)

ارداع اسے حسرتِ دل لے لے فنا اور اداع  
لے لے سرورِ بادۂ امتداد اور اداع  
اسے شکوہ و نفعتِ قسورِ مسک اور اداع  
لے لے جویرِ داطلس و کم خواب و دیا اور اداع  
رفعت لے لے بخشِ جنوں لے لے میرِ صحر اور اداع  
لے خیالِ عارض و ذلتِ چلیا اور اداع  
اسے نگاہِ ویدۂ محوِ تماشا اور اداع  
اور اداع اسے عمر لے بزمِ جہا اور اداع

بلا میں ہو گیا پھر مُبتلا دل!  
ادھر اتنے ادھر تہا مرا دل!  
بگر جتنے لگا، جب جل چکا دل!  
انہیں باتوں سے تجھ سے پھر گیا دل!  
نہ توڑد عاشقِ رنجور کا دل!  
بجوں کو اب نہ در ہر حشرِ ابد دل!

ساتھ ساتھ اپنے بڑھائی ہے یہ بیانی دل  
میں ہیں اور آرزو سے مرگ و فنا دارِ دل  
اب کہاں چھوڑتے ہے تجھ کو فنا دارِ دل  
بغدا ہے میں انہیں کے لئے سردارِ دل

چاروں کیلئے یہ عیش و طرب کچھ بھی نہیں!  
دل کو اک جوش ہے زما ہوں سب کچھ بھی نہیں

وہ خود رقیبوں سے ملنا جو ترک کرتے ہیں  
مرضِ ہزار بلا خیرتر ہو پسند ہے وہ  
ہزار بے اثری ہو، رہے گا ضبط مجھے  
نہ ہو عروج نہ ہو بے فروغ ہوں تو وہیں  
قبول سایہ دیا ریا میں رہبت!  
ہزار لوگ سستاں سینہ پر گوارا ہے  
اُداس ہوتے ہو کیوں، میٹھو پھر چلے بانا  
جو گھر سے نکلا تو خطِ لم مرے دکھانے کو  
عدم کو جاتا ہوں، احباب دیکھ میں آکر  
ازل میں خالقِ برحق سے روح کا حق یہ قول  
وہ دل پسند نہیں جن میں باسے درد نہ ہو  
محفلِ امن یہی ہے کہ سب بھلا سے رہیں  
خیالِ وصلِ بتاں چھوڑ دو لیں اسے اکبر

(۲۳)

آگیا وقتِ اہل اسے شوقِ دنیا اور اداع  
اور اداع اسے ساقی سے خانہ سلوان اہل!  
لے لے غمِ محرابِ ایران خوش آئینِ التمام  
اور اداع اسے مسندِ فرشِ وقبا و پیرہن  
اور اداع لے لے رنگِ حشمتِ الوداع لے لے فرطِ شوق  
اور اداع اسے جلوہ نیرنگی سخنِ بتاں  
اور اداع اسے عالمِ نیرنگیِ باہجِ جہاں  
عازمِ ملکِ عدم ہے اکبر فوہیں جب گھر

ہوا پھر قیدی زلفِ دو کا دل!  
نگاہیں، چو تین، عشوے، کرشمے!  
نہ چھوڑا آتشِ الفت نے پیچھا  
لگاؤٹ خیر سے، ہم سے دکھائی  
یہ وقتِ توج ہے، دم بھر تو ٹھہرو  
بڑے صدمے اٹھائے تم نے اکبر

عبدِ طفلی سے ہے مذہب میں گرتا رہی دل  
نئے انجامِ بیمارک رہیں تو خیرِ دل کو  
ذلتِ اسلام میں الجھے ہوئے مدتِ گزری  
میں تو شیدائے رسولِ عربی ہوں اکبر

حاصلِ عمر سوا موت کے جب کچھ بھی نہیں  
وہ کیا تم سے کہوں، اس کی طبیعت ہی تھی



گمے میری نظروں سے خوبانِ عالم  
میں رونے لگا حالِ دل کتے کتے  
یہ غیروں نے اب ان کو برہم کیا ہے  
بسر کیوں نہ ہو عشقِ خواہاں میں اکبر

(۳۹)

یہ غزل بھی شاعرِ عینِ سچیں سالِ عمر کی ہے مگر دُورِ دُوم میں درج ہے۔  
حسینوں کے گھٹسے گتے سے زنجیر سونے کی  
نزدل آنا ہے قابو میں نہ نیند آتی ہے آنکھوں میں  
یہاں بیداریوں سے خونِ دل آنکھوں میں آگ ہے  
بہت بے چین ہوں، نیند آرہی ہے، لڑائی ہے  
یہ زردہ چیز ہے جو ہر جگہ ہے باعثِ شوکت  
خردت کیا ہے کُنسنے کی مرے دل سے نکلا ہے  
چھپر کھٹیاں جو سونے کی بنائی اس سے کیا حال

(۴۰)

نظرِ لطف و کرم یار کی اب وہ نہ رہی  
ناامیدی سی ہوئی دیکھ کے غیروں کا ہجوم  
وہ ٹکڑا تھی فقط دل کے گھمانے کے لئے

(۴۱)

یہ دردِ دل بھی نہ تھا، سو دشمنِ جگر بھی نہ تھی  
زمانہ سازی ہے اب یہ کہ منتظرِ عت میں  
فلک نے کیوں شبِ فرقت مجھے ہلاک کیا  
تمہارے دل کی نزاکت پر اس کو رحم آیا  
مجھ میں کچھ نہیں آتا طہسبِ سخنِ بہتان  
جو آپ ہوتے ہیں مشکِ توخیر میں جھوٹا  
پٹ گئے وہ گلے سے مرے تو حیرت کیا  
نگاہِ قہر سے دیکھا، یہی غیبت ہے  
شہیدِ جلولہ متا نہ ہو گیا شبِ وصل

(۴۲)

تیری نظروں سے ہماری جب نظر ملتی نہ تھی  
ہر گلی کو چہ میں سپردِ جا میری جاری کا تھا  
وہ بھی کیا دن تھے تیری شرمِ دیا کے لئے پری

(۴۳)

میں اپنی آہ کئے باذنِ واں اثر نہ سہی  
یہ بے حجابِ سرِ شامِ بام پر آنا!  
اثر وہی ہے محبت کا، گو ہے ضبطِ مجھے  
نکال لینے دے اسے چرخِ حوصلے دل کے  
خدا کے واسطے تشریفِ لائیں آج ضرور  
حسین جتنے ہیں خواہاں ہیں سب سے لے دل  
یہ سوچ کیا ہے تجھے، رنج کا ہے کون محل؟

دمِ نعت ہے بیمارِ خبرِ آن کو نہیں کچھ  
سب کہ میں تھے، مرے قصہ میں آگے کچھ  
خوب کرتا ہوں رقیبوں کی بُرائی ان سے

(۴۴)

مری دیرِ کدو لبِ یوں ہوتے جلتے ہیں  
اُنک سب سے، نظرِ نجی، خرامِ آہستہ آہستہ  
سواطعی سے بھی ہیں جدائی باتیں اب جونی میں  
کہاں سے ماوں کا خونِ جگر اُن کے صحنوں کو  
خزانیِ غارِ لہنے عیش کی ہے دُورِ گردوں میں  
یہاں میں کیا کروں دل کھول کر شوقِ شہادت کو  
غضب کی یہ دہلیزِ عیبِ بیاں و اللہ تم کو بھی  
ادھر ہم سے بھی باتیں آپ کرتے ہیں نکادٹ کی

(۴۵)

غم نہ اتنا کہ دل زار پر قابو بھی نہیں  
لیا سے عہد میں بدلی ہے گلستاں کی بُوا

(۴۶)

نہیں جیس کر تاثیرِ الفت کی دکھاتے ہیں  
نہ سو جان سے جوتا ہوں پروانوں کی بہت پر  
کھدیا، غم، پلدا خونِ دس، جہاں نوازی کی  
خودی و بے خودی دونوں میں عکسِ موتِ جاہل  
سحر کو در پہ جانا ہوں تو فراتے ہیں اندر سے

(۴۷)

چرخ نے برہم کیا جس کو، وہ صحبتِ خوب تھی  
صحبتِ باہم میں تو اب روزِ رہنما ہے فساد  
مارڈالا رنجِ تھائی نے غربت میں ہمیں  
ہاں دی شیریں نے اس پر اس پہیلے مر گئی

(۴۸)

غم نہیں اس کا جو شہرت ہو گئی  
اب کہاں اگلے سے وہ راڈ و نیاز  
ہائے کیا دکش ہے اس کی چشمِ مست  
چودھوں سال اُن کو ہے نامِ خدا  
نامہ سے اس نے جو دیکھا شیخ کو

(۴۹)

خدا کا گھر بنا ہے تو نقشہ لے کسی دل کا  
یہ کارِ عاشقی ہے، دلِ جدمرے جائے جا اکبر

(۵۰)

تمہیں سے ہوئی مجھ کو الفت کچھ ایسی!  
جہاں دل دکھا، بس بھل آئے افسو  
جیا کی نگاہوں نے مارا ہے مجھ کو



(۴۴)

برائے اور یعنی چھپیں سال عمر کی غزل ہے۔ مگر دور دوم میں درج ہے۔

نہ خود رہے نہ حکومت رہی مسلمان کی  
اسی کے سایہ میں ہوتی ہے میرے دل کی ہر  
خزاں میں بلبل و گل کا نشان تک نہ رہا  
جھاتی ہے لب نازک پہ ان کے رنگ اپنا  
نگاہ ناز بستال سے خدا بچائے ہے  
میں اپنی راست روی کہ کبھی نہ چھوڑوں گا  
طریق عشق میں سہلے خودی کو منصب شہر  
ذیب میں نبٹ کا فر کے ہر گیب ہوں میں  
عجب ہے مجھ کو وہ کیوں شرم سے نہیں جھکتی  
فذلے خون جگر عاشقوں کو کافی ہے  
ہیں نہیں ہیں ہوا خواہ اس جس میں ترسے  
نہیں ہے سبب کی خواہش پہ عطایہ دماغ  
عجیب رنگ نظر کیا کوئے قافل میں ! (ق)  
کوئی ہے سینہ سپر تیغ ناز کے آگے  
نہیں ہے خلعت اعمال کا کچھ اندیشہ  
وہ تو چھپیں آنسو مرے آگے اپنے دامن سے  
وہ چشم ہوں کہ جو ہے محو سب کو توحید  
وہ حال ہوں کہ بیاں جس کا دل دکھاتا ہے  
وہ ذرہ ہوں کہ بیاں ہے گرد جس کے تار  
وہ درد ہوں جو پیام اجل ہے دل کے تے  
سکوت کہوں نہ ہو تھر لپ سخی اکبر

(۴۵)

ہو گیا بدر ہلال، اس کا سبب روشن ہے  
منزل گور میں کیا خاک ملے گا آرام  
آپ کو خیر کی راحت کا مبارک ہو خیال

(۴۶)

طعم کا بد میں ہے مقید روح انسان کی  
اسے سودائے گیسو ہو گیا جس نے مجھے دیکھا  
نہیں کچھ رنج اس ظلمت کہ میں بے فروغی کا  
صلہ سے کیوں نہ دور و کرکوں میں حال لی اپنا  
وہ تھا اک وقت جب میری میں چوں مچھتے تھے  
پھر آئی فصل لگی پھر جوش سودا ہو گیا مجھ کو  
وہی میں ہوں کہ غیروں کو وہاں لے نہ دیتا تھا

(۴۷)

تمام حسرتیں پیری میں ہو گئیں رخصت !  
جو ذبح کرنا ہے پرکھوں دے مرے صیاد  
ہمارے شہر پر یا رب یہ کیا پڑی آفت

(۴۸)

پردانہ جل کے خاک ہوا، نوحہ رد چسکی  
دنیا میں کون خاندان کی کرے کا قدر  
بیگانہ وار رہتی ہے اب کیوں نگاہ یار  
اب جان ناتواں بھی طبیعت کی نذر ہے  
تھک تھک گئی زبان و ہم شہر درودن  
اکبر مرد کس دہر سے چشم و فانا نہ رکھ

(۴۹)

خفا جو ہے سبب مجھ سے، کمو میری خطا کا ہے  
قیامت ہے طبیعت آگنی اس آفت جاں پر  
انہیں بھی جوش الفت ہو تو لطف لٹے جنت کا  
مصیبت میں راحت ہے اگر ہو عاشق صادق  
کوئی دل کا ہول مہلا، آپ کی ہے جان پوٹوں پر  
لبیبوں سے میں کیا پوچھوں عطایہ درد دل اپنا  
سنبھالو دل کو اکبر ہجر میں رو کو طبیعت کو

(۵۰)

آج آرائش گیسو سے دوتا ہوتی ہے !  
شوق پاؤں میں جاتاں مجھے باقی ہے ہنوز  
پھر کسی کام کا باقی نہیں رہتا انسان  
جو زمین کو ہے قافل میں بھگتی ہے نئی  
بس نے دیکھی ہو وہ چون کوئی اس سے پوچھے  
نزع کا وقت بڑا وقت ہے خالق کی پناہ (ق)  
دور تر ایک طرف ہوتی ہے رخصت تن سے  
خود بھگتا ہوں کہ روئے سے بھلا کیا حاصل  
روندتے پھرتے ہیں وہ مجمع اغیار کے ساتھ  
میرا بس کی طسرت روٹ گیا دل میرا  
تار کر بیٹھے دیں، بند نہ پھیریں احباب  
جسم تو خاک میں مل جاتے ہوئے دیکھتے ہیں  
ہوں غریب بستم یار کا قافل اکبر

(۵۱)

اثر دکھانے پر یہ جذب دل جو آتا ہے !  
فلک جو رنڈ نیا داغ اک دکھاتا ہے  
کبھی جو دعویٰ منصور میں شک آتا ہے  
وہ بات ہوں کہ بولتی ہے جوش میں دل کر  
جولے خودی میں مجھے چھوڑ کر وہ ہاتھ ہیں  
الہی خیر ہو اس بُت کے ناز بے جا کی  
زیادہ جان سے کیونکر نہ رکھوں دل کو عزیز  
وہ دوہی لٹھ میں سمجھے کہ آرزو نکلی  
جہیں تو آٹھ ہر رہتی ہے تھساری یاد

تاثیر خشن و عشق جو جوتی تھی ہو چسکی  
آبادی اس کا ایسے خرابے میں ہو چسکی  
وہ نون جہان سے بھی تو یہ مجھ کو کھو چسکی  
ایمان دول تر پہلے ہی آفت میں کھو چسکی  
یہ داستان مگر نہ کبھی دوستو چسکی  
دارا و جم کی جب نہ ہوئی تیری ہو چسکی

پھو بھی زلف مشکیں کر تو آفت کیا، بلا کی ہے  
جسے اتنا نہیں معلوم آفت کیا، دن کیا ہے  
جہیں دن رات اگر تیرے توجہ اس میں مزا کیا ہے  
کوئی پردا لے سے پوچھے کہ جلنے میں مزا کیا ہے  
وہی خود دیکھ لیں آ کر کیا اب مجھ میں مزا کیا ہے  
مرض جب نہ ندگی خود ہو تو پھر اسکی دوا کیا ہے  
یہ رونا، یہ تڑپنا، خیر ہے، تم کو ہوا کیا ہے؟

پھر میری جان گرفت اربلہ ہوتی ہے  
گھاس جو آگنی ہے تربت پر مٹا ہوتی ہے  
پس تو یہ ہے کہ محبت بھی بد ہوتی ہے  
و نف وہ ہر مزار شہدا ہوتی ہے  
جان کیوں کہ بدب تیر قصا ہوتی ہے  
نزع کا وقت بڑا وقت ہے خالق کی پناہ (ق)  
دور تر ایک طرف ہوتی ہے رخصت تن سے  
خود بھگتا ہوں کہ روئے سے بھلا کیا حاصل  
روندتے پھرتے ہیں وہ مجمع اغیار کے ساتھ  
میرا بس کی طسرت روٹ گیا دل میرا  
تار کر بیٹھے دیں، بند نہ پھیریں احباب  
جسم تو خاک میں مل جاتے ہوئے دیکھتے ہیں  
ہوں غریب بستم یار کا قافل اکبر

کنوئیں سے حضرت یوسف کو کھینچ لاتا ہے  
ہمارے حوصلہ دل کو آزماتا ہے  
خیال یار مجھے آئینہ دکھاتا ہے  
وہ حال ہوں کہ جسے ٹس کے دھاتا ہے  
تو میرے حال پر روئے کو ہر شمس آتا ہے  
دل غریب کو میرے بہت سستا ہے  
یہ آئینہ تری صورت مجھے دکھاتا ہے  
وہان زحمت اسی پر تو مسکاتا ہے  
کبھی تمہیں بھی ہمارا خیال آتا ہے؟

وہ جو روئے بھی آسکے مزار پر اب مجھے خوابِ محض سے جگانے کے  
 یہ مرے ہی نہ آئے کاسببِ اثر کہ رقیبوں سے دیتے ہو آٹھ پر  
 مرے حال پر چشمِ کرم جو رہے، کوئی آپ سے آنکھ ملانے کے  
 کیا ہندو عشق نے میرے اثر، رہی غیرتِ حسنِ لہو کی نظر  
 پس پردہ صدا تو سنائی مجھے مگر اپنا جمال دکھانے کے  
 راشرہء عشق کا یاں مجھے ڈر، اتنی اپنے پرانے کا خوف و خطر  
 رہی دل ہی میں حسرتیں دونوں طرف، جو میں جان سکا تو وہ آنے کے  
 وہی دل کی تڑپ، وہی دردِ حسرت، ہوا تو یہ عشق کا کچھ نہ اثر  
 تری شکل جو آنکھوں میں پھرتی رہی، تری یاد بھی دل سے جلا نہ سکے  
 تری بانگی ادا ہے وہ ہو شر باگہ ہوں خضر و سیاح بھی جس پہ خدا  
 وہ فریب بھرا ہے نظر میں تری کہ فرشتہ بھی دل کو بچانے کے  
 ہے خدا کی جناب میں صبح و سہاویں اکبرِ حسرتہ جگر کی دُعا  
 کہ ہمارے سوا نہ ہو شر با کوئی بسینہ سے تھک کو نگاہ کے

(۵۶)

تری زلفوں میں دل الجھا ہوا ہے بلو کے بیچ میں کیا ہوا ہے  
 نہ کیونکر بڑے خوں نمے سے آئے اسی جلا د کا مکھا ہوا ہے  
 چلے دنیا سے جس کی یاد میں ہم غضب ہے، وہ ہیں مجھ کو لہا ہوا ہے  
 کہوں کیا حال اگلی عشق توں کا ! وہ تھا اک خواب جو ٹھوٹا ہوا ہے  
 جفا ہو یا دغا، ہم سب میں خوش ہیں کریں کیا اب تو دل الٹا ہوا ہے  
 بھٹی ہے عشق ہی سے حسن کی قدر ہیں سے آپ کا شہرہ ہوا ہے  
 بتوں پر رہتی ہے مائل ہمیشہ طبیعت کو خدایا کیا ہوا ہے؟  
 پریشاں رہتے ہو دن رات اکبر یہ کہیں کی زلف کا سودا ہوا ہے؟

(۵۷)

دل کو غفلت نے کمزورت میں پھپھا رکھا ہے بھٹی نے زر کو تھر خاک و ہار رکھا ہے  
 شور کیوں گبر و مسلمان نے مچا رکھا ہے دیر میں کچھ بھی نہیں، گمبہ میں کیا رکھا ہے  
 بے زری میں کوئی معشوق تو پہلو میں کہاں داغِ افلاکس کو سینہ سے لگا رکھا ہے  
 آپ کو پردہ نشینی ہی جو آئی ہے پسند مجھ کو کیوں مفت میں دیوانہ بنا رکھا ہے  
 وکشتشِ فصلِ بہاری ہے کہ ہنگامہِ شتر مگیوں نے تو غضبِ شور مچا رکھا ہے  
 دیکھتے صبح تک بدلے وہ کیا کیا پہلو فتنوں سے اسے یاں آج سلا رکھا ہے  
 آپ کے شہرہء رحمت نے تو ڈھالی ہے غضب ایک عالم کو گنگا و بسنا رکھا ہے  
 آرزو مرگ کی اکبر نہ کر اللہ سے ڈر تجھ سے عاصی کے لئے قبر میں کیا رکھا ہے

(۵۸)

کسی کی قسمت میں نہ ہر غم ہے، کسی کو حاصلِ شے طرب ہے  
 وہی بگاڑے، وہی بنائے، اسی کی قدرت کا کھیل سب ہے  
 نظر جو آئے وہ آفتِ جاں تو دل کو کیوں کر بچائے انسان  
 ادا ہے بانگی، نگاہ تر بھی بستم ہے عشوہ، عیا غضب ہے  
 جلا چکی آتشِ محبت تمام میرے دل و جسم کو  
 نہیں نہیں ہے یقین اب تک، یہی تو اسے میری جاں غضب ہے

نہ جانے کا تو نہیں جانتے ہسانہ کچھ  
 وہ سے کہہ ہے ہمارا کہ جس میں مستوں سے  
 خدا پناہ میں رکھے کشاکشِ غم سے  
 مصائبِ شبِ فرقت اٹھا چکا ہوں میں  
 نہ پوچھے بستمِ بوشِ حسرت ویدار  
 دوئی کا دخل نہیں بزمِ وصل میں منظور  
 فنا کا خوف کچھ اہلِ حیات ہی کو نہیں  
 مقامِ شکر ہے غافلِ مصیبتِ دُنیا  
 خدا کے واسطے یا وحشِ اکرامے اکبر

(۵۹)

اب تو نہیں ہے کچھ بھی، دل تھا، سو کھو گیا ہے  
 ہرزخمِ یاں ہے مرہم، ہر دردِ یاں دوا ہے  
 سختی دل تھساری ہم سنگِ بکر ہے  
 کہتے ہیں عسکر جس کو معشوق بے قلب ہے  
 داغِ جنوں کا سکہ سرمایہء دنا ہے  
 اب تک غبار اپنا خاکِ رہ و فنا ہے  
 جو گل ہے، داغِ دل سے، جو برگ ہے، جنا ہے  
 ہر بات میں اثر ہے، ہر رنگ میں مزا ہے  
 رنگِ مرغِ تستِ گرد و رہ و فنا ہے  
 کس لطف کی ہوا ہے، کیا باغِ خوشِ فنا ہے  
 افانہ و دوسرا عالم آغا نہ رہا ہے  
 ہے حوتِ آبِ روپ جو حوتِ دہا ہے  
 رہ آئے ہم بھی دو دن، اک میہاں سلا ہے  
 یہ رنگ ہی نیا ہے، کوچہ ہی دوسرا ہے

(۶۰)

بس گئی ہے دل میں وہ زلفِ دوتا کیا کیجئے  
 نزع میں پوچھا جو اکبر سے کہ کیوں دیتے جان

(۶۱)

یہ غزل مندرجہ بالا بحرِ اور ر و لیت و قافیہ میں بہت عرصے بعد لکھی گئی تھی۔  
 دم لہوں پر اُگی ہے، اب دوا کا ذکر کیجئے  
 جس کے صدمے سے شکل کل بھی تھی میری جان  
 اک بُتِ کافر کی افیت ہے، دُعا کیا کیجئے !  
 پھر وہی دردِ آج سینہ میں اٹھا، کیا کیجئے

(۶۲)

وہ اٹھے تو بہت گھر سے، اپنے مرے گھر میں مگر کبھی آنے کے  
 وہ نسیمِ مراد پلے بھی تو کیا کہ جو چمچہ دل کو کھلا نہ سکے  
 ترے عشق سے باز بھی آئے، ترے ظلم و ستم بھی اٹھانے کے  
 جو نصیب میں لکھی ہوئی تھی قصا، کسی طور سے جان بچانے کے  
 شبِ دردِ جو رہتے تھے پیشِ نظر، بڑے لطف سے ہوتی تھی جن میں میر  
 یہ خبر نہیں جا کے رہے وہ کہہ کر ہم ان کا نشان بھی نہ پاسکے !  
 کبھی جن کے خیال میں ہجر کی شب مجھے نیند نہ آتی تھی، ملنے غضب



گزر گیا ہے جو عہدِ حشرت نہ کھو تو ناداں پھر اس کی حسرت  
قیام اسی کا سمجھ غفلت جو وقت پیشیں نگاہ اب ہے  
یہ ان کی جتنی نگاہیں ہیں، یہ طن ہری سب سن دین ہیں  
یہ جی نبھانے کی اک اداس ہے، یہ دل کے لیے کا ایک ڈھب ہے  
دلاتے ہیں نزع میں جو یہ سس، خدا کی یاد آکے یارو ہمد  
بہل میں بھولوں گا اس کو کیونکر، وہ میرا ملک، میرا رب ہے  
یہاں بھی آرام پاتے گا، کہاں اب اس وقت جاتے گا  
اندھیرا چھایا ہے، ابرطاری ہے، دین پرست ہے وقت شب ہے  
دعا ہے اکبر یہ اپنی ہر دم، محسوس میں نیلے نیاں سے پیہم  
محمد اپنا رسول برحق، غلام ہے برتر مسما رب ہے

(۵۹)

سنتا ہوں کہ تاثیرِ محبت میں بھی کچھ ہے  
تغیر بیتاں ہوتی ہے گو نقشِ دم سے  
بے چین ہوتے سُن کے مرے شوق کا قدر  
جب کتا ہوں اُن سے کہ مرے دل میں ہے محبت  
واعظ میں غضب ہی کا سزاوار نہیں ہوں  
زندوں میں تو ہے لطف سے دساتی و مطرب  
وہ گوجہ جاناں کے مزے ایک نہ پائے  
گہڑے ہوتے تیور ہی سے ثابت نہیں ریش  
فرماتے ہیں وہ سن کے مرے مدنے کا احوال  
گورازہ محبت کا چھپانا ہے بہت خوب  
افسانہ حسرت مرا سُن کے وہ بولے  
خوش وصل سے کوئی، کوئی نقارہ سے دل شاد  
بالائے زمین پاس سکندر کے قاسب کچھ  
تم آکے نہ دو، یاد بھی کیا کہ نہ مدد گے

(۶۰)

قیدِ احساں سے تری اے ملک آزاد ہے  
مے لگوں سے چھکے مست ہوتے شاد ہے  
اجل آتی ہے غم بھر میں اللہ سے نصیب  
ہے یہ حسرت تری حسرت کے سوا سب ہونا  
حشر پیا جو ہوا بھول گیا ایک کو ایک  
گوشتِ خاطر عالی میں جو پائے نہ جبکہ  
نزع میں نا آیا قسب میں مذکور آیا۔

(۶۱)

ذبح کیا سید کو نظر ہے کہ غضب ہے  
وہ کہتے ہیں مے پینے کو تو پی نہیں سکتا  
گزی ہے شبِ دل کہ آئی ہے مری موت  
پڑا کے مجھے کیسے سے وہ آج بولے  
اکبر تری آجوں کا اثر ہے کہ غضب ہے

دل شکستہ ہوں گردل میں خدا کا نور ہے  
آپ کی پیاری ادا پر دل نہ دیتا میں کبھی  
کون ایسا ہے نہیں ہے موت کی جس کو خبر  
کوئچ سے بلے کی زلف لہجی میں عاشق ہو گیا  
شعر گوئی کی دکالت میں مجھے فرصت کہاں  
یہ وہ دیر انداز ہے روشنی جس میں شمع طور ہے  
بس ہی کیے، قضا سے آدمی مجبور ہے  
پھر جو غفلت ہے تو یہ دنیا کا اک دستور ہے  
یہ زخوف آیا کہ وہ افقی ہے یہ زبور ہے  
یہ بھی اکبر خاطر احباب گورکھ پور ہے

(۶۲)

کوں کس سے تھوڑا دردِ مسم، کوئی ہم نہیں ہے نہ یار ہے  
جو انیس ہے تری یاد ہے، ہوشیق ہے دل زار ہے  
تو ہزار کرتا نگاہیں، میں کبھی نہ کہا منسوب میں  
مجھے پہلے اس کی خبر نہ تھی ترا وہی دن کا یہ پیار ہے  
یہ نیر اوروں کو جاسنا، ہم اسیرِ دام ہیں اے مہا  
ہیں کیا چن ہے جو رنگ پر، ہمیں کیا جو فصل بہار ہے  
جسے دور چرخ میں ہو خوشی تو ضرور ہے اسے رنج بھی  
شبِ بھر میں ہے جو دردِ سروسے وصل کا یہ غما ہے  
وہ نظر جو مجھ سے ملا گئے تو یہ اور آنکھیں ڈھکا گئے  
کہ عیاس و ہوش و غرور ہے اب نہ ٹکیب و مبرور ہے  
مجھے ریم آتے دیکھ کر ترا حال اکسب زحمر گر  
مجھے وہ بھی چاہے خدا کرے کہ تو جس کا عاشق زار ہے  
(مندر جہر ذیل غزل ۳۵ سال بدد لکھی گئی)

مری چشم کیوں نہ ہو خونِ نقاش، نہ رہی وہ بزم نہ وہ سماں  
نہ وہ طرزِ گوشتیں چرخ ہے، نہ وہ رنگِ میل و نہار ہے  
جہاں کل تھا غلغلہ طرب، وہاں ہائے آج ہے یہ غضب  
کہیں اک مکان ہے گرا ہوا کہیں اک شکستہ مزار ہے  
غم و پاس و حسرت و بے کسی کی ہوا کچھ ایسی ہے چل رہی  
نہ دلوں میں اب وہ انگشت، نہ طبیعتوں میں ابھار ہے  
ہم نے مجھ پر جو ستم فلک، کہوں کس سے اس کو کہاں فلک  
نہ معیبتوں کی ہے کوئی حد، نہ مرے غموں کا شمار ہے  
مرا سینہ دالوں سے ہے بھرا مرے دل کو دیکھئے تو ذرا  
یہ شہیدِ عشق کی ہے لحد، پڑا جس پر پھولوں کا بار ہے  
میں سمجھ گیا وہ ہیں بے وفا مگر ان کی راہ میں ہوں وفا  
مجھے خاک میں وہ ملا چکے مگر اب بھی دل میں طبار ہے

(۶۳)

اب تو ہیں نامِ خدا آپ کے انداز سنئے  
ان سے ملنے کا نکل آتا ہے ہر شب اک طود  
کل جو باتیں تھیں وہی ہوں یہ تکلف کیسا  
آج کیا ہر گئے ہم اے بُتِ فنا زنتے؟

(۶۴)

یہ آج وجہ توقف ہے کیا اجل کے لیے  
یہ اضطراب، یہ بے چینیاں، یہ بے تابی  
مجھے ہمیشہ ہے بکلی کو ایک پل کے لیے

میں کہوں لاکھ لاکھ تیرے کس کام کا ہے  
 بس بھروسہ مرے اللہ تو ہے نام کا ہے

طالب وصل ہوتا یہ تو عجب کیا اس کا  
 حوصلہ ہی تو مری جاں دلِ ناکام کا ہے

دل مرا ہاتھ میں سے کر وہ یہ فرماتے ہیں  
 خبر اپنی نہ ہو جس کو کہ کسی کام کا ہے  
 خط حبش کہتے ہیں، انا ہے تو آئیں دجلہ  
 شوق سے آنکھیں دکھاؤ مجھے کچھ رنج نہیں  
 دل کیا نذر جو میں نے تو وہ ہنس کر بولے  
 اس کو پامال کروں اور یہ کس کام کا ہے  
 نزع میں ہوں یہ محل نامہ و پینا کا ہے  
 شعبہ یہ بھی تو اک گردشیں تو کام کا ہے  
 آپ رکھ چھوڑیے اس کو کس کس نام کا ہے  
 اس کو پامال کروں اور یہ کس کام کا ہے

لگا دھڑکی ادا سے اُن کا کنا، پان حاضر ہے  
قیامت ہے، کسم پے، بول خدا ہے، جان حاضر ہے  
کہو جو چاہو سُن لیں گے مگر مطلق نہ سمجھیں گے  
طبیعت تو خدا جانے کہاں ہے، کان حاضر ہے  
لگائیں دھندلتی ہیں جن کو، اُن کا بدنِ نشان یارو  
اسے میں کیا کر دل گا، یہ جو سب سامان حاضر ہے  
بٹھا کر حیز کی محفل میں مجھ کو، اُس نے مندرایا  
سُنا اکسبہ کی غزلیں دیکھو یہ مستان حاضر ہے

اک بوسہ دیجیے مرا ایمان لیجیے  
دل لے کے کہتے ہیں تری خاطر سے لے لیا  
غیروں کو اپنے ہاتھ سے ہنس کر کھلا دیا  
مرا ناقبول ہے مگر الفت نہیں مست قبول  
حاضر ہوا کہ دل کا میں اکثر حضور میں  
گوشت ہیں آپ بہرِ خدا مان لیجیے  
اٹا بھی پے رکھتے ہیں احسان لیجیے  
مجھ سے کب سیدہ ہو کے کہا، پان لیجیے  
دل تو نہ دوں گا آپ کو میں، جان لیجیے  
آج اچھی طرح سے مجھے پہچان لیجیے

اپنی ہستی جو حجابِ رُخ جاننا نہ ہے  
 داں رہیں ہم کہ حیاں چھڑ کوئی اداں نہ ہے  
 صورتِ یار جو سو پر دلوں میں پہناں نہ ہے  
 بحثِ چھڑم میں یہ اے گبر و مسلمان نہ ہے  
 سامنا حبلِ معشوق کا اللہ اللہ!

ہے یہی وقت کہ کہیں آپ میں انسان نہ ہے  
 مانگتا ہوں جو صبح کی کہتی ہے اجل  
 یہ بھی ممکن ہے وہ جو تم شب بجزاں نہ ہے

آپ ہی نے تو کیا ہے مجھے دیوارِ عشق  
آپ ہی کہتے ہیں اب آپ تو نساں نہ رہے  
میں تو عشقِ مبتذلِ ظالم سے نہ باز آؤں گا  
عقل چھٹ جائے، جگر ٹکڑے ہو، ایماں نہ رہے  
آئینہ کو ہے یہ حسرت کہ سکند جوئے خاک  
ہوش پر یوں کے اڑے جن کے سلیاں نہ رہے  
چشمِ زرگسی سے کوئی مالِ جن کا پوچھے  
دیچھتے دیچھتے کیا کیا گلِ خنداں نہ رہے  
صبح تک جبرِ صنم میں یہ دما تھی اپنی  
میں رہوں یا نہ رہوں یہ شبِ بھراں نہ رہے  
اُن کا یہ ناز کہ آجائیں گے، جلدی کیا ہے  
اپنا یہ حال کہ دم بھر کے بھی صماں نہ رہے  
منہ نہ موڑو ستم جو رہبتاں سے اکبر  
بندگی کیسی اگر تاجِ مندریاں نہ رہے

قابلیت تو بہت بڑھ گئی ماسٹ لاءنڈ مگر انفس میں ہے کہ مسلمان نہ ہے

مصیبت عشق کی تنہا بھی پر کیا گزرتی ہے  
 قصارے حسن عالمگیر پر اک خلق مرتی ہے  
 خبر ملتی نہیں کچھ عجب کو یارانِ گزشتہ کی  
 خدا جانے کہاں ہیں کس طرح ہیں، کیا گزرتی ہے  
 مری آنکھوں میں تو اس کا گزر بھی ہو نہیں سکتا  
 یہ آنکھیں آپ کی ہیں، نیند جن میں چین کرتی ہے  
 محبت کا اثر ہے عاشق و معشوق پر یکساں  
 جو مجنوں سر جھکتا ہے تو میل آہ کرتی ہے  
 اثر کچھ ہو چلا ہے سوزِ شبِ الفت کا سینہ میں  
 الٹی خمیر ہو، دل کا پتا ہے، اوجھ ڈرتی ہے  
 پریشاں رکھتی ہے دن و رات، آگ بے دفاؤں پر  
 طبیعت آدمی کو کس قدر بے چین کرتی ہے

کیا قہر ہے اجل مرے مر پر کھڑی رہے  
غیبوں کی تم کو فکر عیادت پڑی رہے  
اے شہرِ حشر: شہرِ غم و شاں کی نے خبر  
اب کب تلک اُجاڑیہ بستی پڑی رہے  
جہت ہو سنکر میں تو تار و کبھی نہ ہو  
مضمون کیوں لڑیں جو طبیعت لڑی رہے

بے عشق میں ہر لحظہ ترقی مرے دل کی  
کیا اور سے ممکن ہو سکتی مرے دل کی

ہر دماغ بڑھتا ہے جتنی مرے دل کی  
جب آپ ہی نے کچھ نہ خیال مرے دل کی



دعائے جو مسرت میں یہی دیدہ ترکا  
 حمان ہے جس روز سے سینہ میں تری یاد  
 آخر کو یہ جتنے بھی نکا شعبدہ غم سے  
 یا اس کی خبر بھی نہیں لیتے کبھی اب تم  
 نظروں سے تری گر کے ہوا عشق دہالا  
 دکھلا کے جھلک اور بھی تڑپا گئے اس کو  
 جب قول و فاعل چکا میں تو پھر اب کیا  
 باطن سے ہوں لفظ سار کی جلوہ جاناں  
 رنگینی میں، نرمی میں، صفائی میں، احسان میں  
 نابود ہوئے جل کے خیال است و دو عالم  
 سو جان سے کیوں کر نہ ہوں مستربان تیرا  
 ملتا ہے مزا اُن کے مرے جو شش جنوں کا  
 یا بھر تھا یا وصل میں اب جو گئے بے خود  
 وہ ترہی ٹکا ہوں سے مجھے دیکھ رہے ہیں  
 تسکین کے لیے رہتے تھے سینہ پر جو ہر دم  
 کیوں مکتبِ حسنم میں کب عشق نہ پڑھتا  
 کیا پرچیتے ہو عشق نے ڈھائی ہے صہبت  
 کہنا تو بہت کچھ ہے مگر کیا کہوں اکبر

طونان میں آجائے گی کشتی مرے دل کی  
 آباد ہے آبِ حویلی ہوئی بستی مرے دل کی  
 فکر آپ کو ہوتی نہیں اب بھی مرے دل کی  
 یا منکر تمہیں رہتی تھی کتنی مرے دل کی  
 ہوتی ہے منزل میں ترقی مرے دل کی  
 کی واہ دوا آپ نے اچھی مرے دل کی  
 جیتے ہوئے ہیں آپ تو بازاری مرے دل کی  
 آئینہ معنی ہے صفائی مرے دل کی  
 ہے ایک سی خلقت تیرے رخ کی مرے دل کی  
 اندر سے ترے عشق میں گری مرے دل کی  
 کرتی ہے بڑی قدر شناسی مرے دل کی  
 سرخوش اُن میں کہ دیکھتے تھے مرے دل کی  
 وہ خوبی قسمت تھی، یہ خوبی مرے دل کی  
 اس وقت ہی ہو خیر سدالٹی مرے دل کی  
 اب ہے اُن میں ہاتھوں سے خرابی مرے دل کی  
 تفت دیر میں لکھی تھی خرابی مرے دل کی  
 اب روح بھی دیتی سے دہائی مرے دل کی  
 افسوس کہ سنتا نہیں کوئی مرے دل کی

## دورِ سوم

### اندازِ چالیس سے پچاس سال عمر تک کی عنزلیں

کہو کرے گا حفاظت مری خدا میرا  
 خدا کے در سے اگر میں نہیں ہوں بیگناہ  
 مری حقیقت بستی یہ مشت خاک نہیں  
 اُن میں ہے عقل، جو محتاجِ غیر ہے ہر دم  
 غرور اُن میں ہے تو مجھ کو بھی ناز ہے اکبر

رہوں جو حق پر مخالف کریں گے کیا میرا  
 تو ذرہ ذرہ عالم ہے آشنا میرا  
 بھا ہے مجھ سے جو پوچھے کوئی پتا میرا  
 مجھے ہے عشق کہ جو خود ہے مدعا میرا  
 سوا خدا کے سب اُن کا ہے اور خدا میرا

(۲۱)

دل مرا جس سے بہلتا، کوئی ایسا نہ ملا  
 بزمِ یاراں سے پھری یاد بہاری مایوس  
 گل کے خواباں تو نظر آئے بہت عطر و خوش  
 واہ کیا راہ دکھائی ہے ہیں مُرشد نے  
 رنگِ چہرے کا تو کاج نے بھی رکھات اُم  
 سیدائشے جو گزشتے کے تو لاکھوں لاتے  
 ہر شیاؤں میں تو اک اک سے سوا ہیں اکبر

بُت کے بندے ملے، اللہ کا بندہ نہ ملا  
 ایک سر بھی اُسے آمادہ سودا نہ ملا  
 طالبِ زہر مہرِ بلبلِ سیدنا نہ ملا  
 کر دیا کسے کو گم اور کلیسا نہ ملا  
 رنگِ باطن میں نگر باپ سے بیٹا نہ ملا  
 شیخِ قرآن دکھاتے پھر سے پیا نہ ملا  
 مجھ کو دیوانوں میں لیکن کوئی تجھ سا نہ ملا

(۲۲)

عنایتِ تخیلے میں، بزم میں نا آشنا ہونا  
 جُڑ کے پہلے بندے تھے ہوس کی آبِ گندم  
 مرا محتاج ہونا تو جری حالتِ ظاہر ہے  
 جو دشتِ وہ یہ ہے دل نہیں ہے میرے کہنے میں  
 خدا جتنا تھا منصور اس لیے مشکل یہ پیش آئی  
 بچاتا ہے ہزاروں کفر سے اسے و اعظاؤں  
 مجھے جو ش طبیعت سے ہوا شوقِ گدِ آخر  
 صفاتِ حق تعالیٰ فہمِ منکر میں نہیں آتے  
 خدا اُن سے ملانے تو نہایت ہی خوش آئے گا  
 طریقِ مغرب کی کیا یہی روکشِ خمیری ہے

غضب ہیں یہ ادائیں، دم ہی بھر میں کیلے کیا ہونا  
 ہیں ہر خود میں مشکلِ دل ہے باحتِ دا ہونا  
 نگر ہاں دیکھتا ہے آپ کا حاجت روا ہونا  
 مجھے تسلیم ہے ارشادِ و اعظا کا بجا ہونا  
 نہ کھینچتا دار پر، نہ ثابت اگر کرتا خدا ہونا  
 بلاتے دامِ کیسوسے بُٹاں میں مبتلا ہونا  
 عجب کیا ناز سکھلاتے اگر اُن کو خدا ہونا  
 وہ کہتا ہے کہ گویا کچھ نہ ہونا ہے خدا ہونا  
 نیا عبدِ وفا بندھنا، گدِ شستہ کا بھلا ہونا  
 خدا کو بھول جانا اور محوِ ماسوا ہونا

(۲۳)

دل اس کے عاشق سے کہہ رہا ہے کہ اس کے پتے پائے ہو کیا  
 اگر وہ مانیں تو ہر بانی، اگر نہ مانیں تو پھر کلا کیا  
 خدا کے دیتا ہوں طے جب پوچھتا ہے وہ بت خدا کیا

جو اس سرود سے جدائی ہوئی ہے قیامت مرے سر پہ آئی ہوئی ہے  
 نے ہدفِ فنِ آخری، بطریقِ سفاذِ جیسا کہ زمیں سے زمیں

(۲۴)

جو اس سرود سے جدائی ہوئی ہے قیامت مرے سر پہ آئی ہوئی ہے  
 نے ہدفِ فنِ آخری، بطریقِ سفاذِ جیسا کہ زمیں سے زمیں

(۵)

جو تھکے لبِ جہاں بخش کا شہید ہوگا  
وہ تو موسیٰؑ ہوا جو طالعِ بدیدار ہوگا  
تیس کا ذکر مرے شانِ جنوں کے آگے  
آرزو ہے مجھے اک شخص سے ملنے کی بہت  
علی لب کا ترے برسر تو میں جیتا ہوں مگر

(۶)

غنیہ دل کو نسیمِ عشق نے وا کر دیا  
شانِ محبوبی صانع کا نشان رکھا ہے یہ  
دین سے اتنا الگ حد فنا سے یوں قریب  
موت سے محفلِ جوانی میں تو لذت سے گئی  
کیا مرے اک دل کو خوش کرنے پر وہ قادر نہیں  
بے تھکے دیکھے اب دم بھر بھی چین انا نہیں  
سب کے سب باہر ہوئے دم و خرد و خوش و غمز  
ہو طلب کا دل تو بس نعمت اسی کا نا ہے  
یوسف معنی کے جلووں کو دکھا کر عشق نے  
شاہد بزمِ ازل نے اک نگاہ ناز سے  
ظہورِ شیریں کا مزا رکھا سرسبز باد میں  
گردن پروانہ میں ڈالی کستِ شوقِ شمع  
ذوقِ لطیف سے جانوں کو ملایا خاک میں  
جس نے یہ سب کچھ کیا اکبر ہیں تم سے کیا کہوں  
بے غرض ہو کر مرے سے زندگی کتنے مکی  
رنگ انا نا اہلِ یورپ کا تو ہے اکبر محال

(۷)

دورِ فانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا  
خود نہ تھے جو راہ پر اور دس کے ہادی بند گئے

(۸)

ارسطو سے زبرد چھ اے ہمیشہ خاصیتِ الفت  
لقاب اُن کے شیخِ زکیں سے شاہینِ محفل میں  
ہٹایا زلف کو اُن کے رخِ زکیں سے گلشن میں  
ولا کر جھوٹی امیدیں، دلوں کو خون کرتے ہو  
نہ ملنے ہی سے اکثر رنج بھی ہو جلتے ہیں پیدا  
ابھی بیمار ہیں سب کر رہے ہیں تو انِ حیدر اکبر

(۹)

تصوف کے بیان کو ہوش نے رُوحِ آشنا پایا  
جوانی چھن گئی، حسرت رہی باقی سالنے کو

(۱۰)

یہ کام ترا ساقی اک جامِ پلا دینا  
مستوں کو حقیقت کا اک جلوہ دکھا دینا

(۱۱)

بجر میں خونِ سبگر آخر کو پینا ہی پڑا  
قلبِ انسان میں کبھی پڑ جاتی ہے اک نیک بات  
وضع ان کی دیکھ کر لازم ہوئی قطعِ امید  
تجربے کے بعد نسخے سے کٹا آخرِ کلاب  
دل بھی کا نپا، ہونٹ بھی تھکے شریا بھی خوب  
الفتِ احمدیہ تکمیلِ ایمان بھی ضرور

(۱۲)

تصور اس کا جب بندھا تو پھر نظر میں کیا رہا  
زبانِ خلق پر بس اک فسانہِ فنار رہا  
نستے بنائے سازِ عیش چرخ نے سدا، مگر

(۱۳)

پر دا توڑا آپ نے، اُس بت کو آیا کر دیا  
کر گئے تھے حضرت سیدِ عقیدوں کو درست  
کم ہوئی آخر بصارتِ روشنی میں لب کی

(۱۴)

ہم کو زیرِ آسمان ہو کر گزرتا ہی پڑا  
موت کے عشودوں کے آگے ناہِ نطق کچھ نہ تھا  
جہانِ حقِ قوت اپنی مدتِ عمرِ سرور دج

(۱۵)

خوانِ فلک پر جوئے، شک کے ساتھ کہ قبول  
ساغرِ شمع سے کد ہے یہ وہ  
اے دل باتمیز و ہر شجرِ جرم کا کام یاں نہیں

(۱۶)

بنائے کارِ جہاں کو خراب ہی دیکھا، ہمیشہ ہم نے یہاں انقلاب ہی دیکھا  
ہم انقلاب کے شائق نہیں زمانہ میں کہ انقلاب کو بھی انقلاب ہی دیکھا

(۱۷)

وفا میں ثابت قدم نہ کھنا، خدا کے عشقِ حبیب ہونا  
یہ کامیابی ہے عاشقی کی، یہی تو ہے خوش نصیب ہونا  
ادھر وہی طبع کی نزاکت، ادھر زمانہ کی آنکھ بدل  
بڑی مصیبتِ شریف کو ہے، امسیر ہو کر غریب ہونا  
عطا ہوئی ہے اگر بصیرت تو ہے یہ حالت مقامِ حبیب

(۱۸)

خدا سے اتنا بعید رہنا، خودی سے اتنا مسترب ہونا  
رسولِ اکرم کی ہسٹری کو پڑھو تو اول سے تا بہ آخر  
وہ آپ ثابت کرے گی اپنا عظیم ہونا، عجیب ہونا  
جو دل پر گزری کروں گذارشِ بغیرِ پیمبر کی و سازش

(۱۹)

فقیر ہونے کی ہے نہ خواہش، نہ چاہتا ہوں ادیب ہونا



وہ طلب میں ہے بس مقدم، مشککہ دل اور چشم ہر دم

نہیں ٹوڑ کچھ اس میں ہدم، افسوس ہونا غریب ہونا  
نظر کر ان کی طرف اس قبصر دیکھنے کی طرف  
عجب نہیں عاشقان رہے ظہور کار عجیب ہونا

(۱۸)

جو بل گیا وہ کھانا، دانا کا نام جبنا  
اس کے سوا بہت ازل کیا تم سے کام اپنا  
رونا تو ہے اسی کا کوئی نہیں کسی کا  
دنیا ہے اور مطلب، مطلب ہے اور اپنا  
اسے برہمن ہمارا سیرا ہے ایک عالم  
ہم خواب دیکھتے ہیں، تو دیکھنا ہے سچا  
یہ دھوم دھام کیسی، شوق نمود کیسا  
جسبل کو دل کی صورت آتا نہیں ٹرپنا  
بے عشق کے جوانی کتنی نہیں مناسب  
کیونکر کہوں کہ اچھا ہے جیٹھ کا نہ تپنا

(۱۹)

نفس کے تابع ہوئے، ایاں رخصت ہو گیا  
وہ زمانے میں گئے، وہاں رخصت ہو گیا  
سے انہوں نے دل، اب ان کے پاس کیونکر دل لگے  
جانور اک رہ گیا، انسان رخصت ہو گیا  
فرق ظاہر ہو گیا جب سے تسلیم اور تیغ کا  
دل میں انشا کا جو تھ، انسان رخصت ہو گیا  
کہہ دیا تھا میں نے کٹ جاتی ہر باتیں شعر میں  
یہ قہر تھا کہ کل دیوان رخصت ہو گیا

(۲۰)

عقل کو کچھ نہ ملا، علم میں حیرت کے سوا  
دل کو بھلا نہ کوئی رنگ محبت کے سوا  
آئے رنج کو نظر صانع عالم کی جھلک  
سلنے کچھ نہ دکھ آئینہ فطرت کے سوا  
تیرے الفاظ نے کہے ہیں پیدا دفتر  
ورنہ کچھ بجا نہ اند کی قدرت کے سوا

(۲۱)

جلوہ نظر آیا نہیں لے یا تمہارا  
تڑپا ہی کیا طالب دیدار تمہارا  
بڑھنے تو خدا دو اثر حبذ دل کو  
قائم نہیں رہنے کا یہ انکار تمہارا  
دم بھر کے لیے آگے اسے شکل دکھاؤ  
مہمان دم چست رہے بیمار تمہارا  
ہر دم میں رہتا ہوں گنگا گار تمہارا  
ہر وقت کا طالب ہے طلب گار تمہارا  
عازم ہو تم لے حضرت دل کو تے تباں کے  
اب موت کا طالب ہے طلب گار تمہارا  
کس ناز سے کتنا ہے شب و دل وہ ظالم  
اللہ رہے یار و مددگار تمہارا  
اکبر کی تمناؤں سے کتنا ہے یہ گردوں  
برہم نہ کرے گیسوؤں کو پیار تمہارا  
اس دور سے اٹھنے کا نہیں بار تمہارا

(۲۲)

بتکدے میں مطمئن رہنا مرا دشوار تھا  
بت تو اچھے تھے، برہمن درپے آزاد تھا  
اکبر مرحوم کتنا ہے خود و سرشار تھا  
برکش ساری عمر اس کی زندگی پر بار تھا  
زوج میں آئی تجلی روئے جانوں کی نظر  
زہر کچھ تھے جسے، وہ شربت دیدار تھا  
دل ہی دل میں ہو یہ مست سے منور ہم  
شرع میں رہنے کا خطو تھا نہ خوف واز تھا  
خاندان کی حسرتی کا میں کرتا رنج کیا  
گوہر جاں پر فقط اک گرد کا انہار تھا  
رنگ گلزار جاں کا قدر داں مجھ سا تھا کون  
جو گل رنگیں تھا، میرے ہی گلے کا بار تھا

(۲۳)

فسون بت سے بجا، بند باب دریا  
خدا نے فضل کیا، طعل دل بخیر رہا  
تعب آتا ہے ان کے مذاق پر چھو  
چمن خزاں میں بھی جی کا عمل سیر رہا  
فسانے رہ گئے اکبر کی بت پرستی کے  
دُبت رہے، دُبت رہے، دُبت رہے اندر رہا

(۲۴)

نہ کتابوں سے نہ کالج کے سے دور سے پیدا  
دین ہونا ہے بزرگوں کی نقطہ سے پیدا  
جو خردمند ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں یہ بات  
خیر خواہی وہ نہیں ہے جو ہو دور سے پیدا  
دنیا سے بہت مضطرب الحال تھا یہ  
دل میں تسکین ہوئی مذہب کے اثر سے پیدا

(۲۵)

یہ مبتدہ نہاں نہیں ہوتے، خدا ظاہر نہیں ہوتا  
غیبت وہ زمانہ ہے کہ میں کا فر نہیں ہوتا  
تراواک بھی اسے صیا دیا ہی روح پرورد ہے  
کہ تیرا صید بسمل رہتا ہے، احسن نہیں ہوتا  
علوم دنیوی کے بحر میں غلطے لگانے سے  
زہاں گوصاف ہو جاتی ہیں ظاہر نہیں ہوتا  
تری چشم نسوں گر کا اشارہ ہے یہ رنگس سے  
فقط نظارہ کرنے سے کوئی ساحر نہیں ہوتا  
نہ خلق اس کی خبر لیتی نہ عقل اس کی مدد کرتی  
خدا جب تک کسی کا حافظ و ناصر نہیں ہوتا  
حضور قلب اگر حاصل نہیں تھو کہ تعجب کیا  
خدا جب دل سے غائب ہو تو دل کا نہیں ہوتا  
یہ حق کوئی ہے اکبر کی کہ جس کا اثر اتنا  
فسوں کیسا، مسلمان آدمی ساحر نہیں ہوتا

(۲۶)

یہ سست ہے تو پھر کیا، وہ تیز ہے تو پھر کیا  
نیو جو ہے تو پھر کیا، انگریز ہے تو پھر کیا  
رہنا کسی سے دب کر ہے امن کو ضروری  
پھر کوئی فرقہ ہلیت انگیز ہے تو پھر کیا  
ربخ خوشی کی سب میں تقسیم ہے مناسب  
بابو جو ہے تو پھر کیا، چنگیز ہے تو پھر کیا  
ہر رنگ میں ہیں پالتے بندے خدا کے روزی  
ہے پزیر تو پھر کیا، رعیز ہے تو پھر کیا  
جیسی جے ضرورت، ویسی ہی اس کی چیزیں  
یاں تخت ہے تو پھر کیا، وال میر ہے تو پھر کیا  
حق سے اگر ہے غافل، ہرگز نہیں ہے عاقل  
ہنری جو ہے تو پھر کیا، پرویز ہے تو پھر کیا  
مفقود ہیں اب اس کے سننے سمجھنے والے  
میرا سخن نصیحت آمیز ہے تو پھر کیا  
کیسی ہی سلطنت ہو، سب خوش نہ رہیں گے  
گر ترک ہے تو پھر کیا، انگریز ہے تو پھر کیا  
منزل دی ہے جس کو نبیوں نے ہے بتایا  
اسٹیم ہے تو پھر کیا، مہمیز ہے تو پھر کیا  
گھر کا خیر راغ دیکھو یعنی کہ دل نہ جاو  
کوئی انار دم بھر گریز ہے تو پھر کیا  
اسلام و حق کے حامی ہرگز نہیں ہیں ہم تم  
عرض و غرور حسرت انگیز ہے تو پھر کیا  
دونوں ہی مر رہے ہیں، دونوں کا حشر ہوگا  
نیو جو ہے تو پھر کیا، انگریز ہے تو پھر کیا

(۲۷)

مے خاندان نام کی چپکئی زمین پر  
واعظ کا خاندان بھی آخر پھسل گیا  
کیسی نماز، اناج میں ناچو جناب شیخ  
تم کو خبر نہیں کہ زمانہ بدل گیا  
یہ پاس اور وہ پاس، نہ موجد نہ اجل نہ  
اخبار میں جو چھپ گئے ارمان گل گیا

(۲۸)

فطرت میں سلسلہ ہے کمال و زوال کا  
گھٹلے بدر کا تو ہے بڑھنا ہلال کا  
پر تو جو اس میں ہے تو ہے حسن و جمال کا  
عالم ہے شیفہ مرے رنگ خیال کا  
نقارہ کر رہا ہوں بہت بے مثال کا  
شان خدا ہے ساتھ شباب و جمال کا  
ہم لینے فقر میں بھی ہیں اک آن بان سے  
کلی ہماری رنگ دکھاتی ہے شال کا  
اس مس پر کون میرے سوا ہوسر رفتہ  
گاہک میں ہی ہوں ہند میں لندن کے مال کا  
رکھنا پر اسے اس بُت کا فر سے میل جول  
موقع نہیں ہے بحث حرام و حلال کا

الفت میں فرض ہے بت کا سر کا اتباع  
دور فلک میں چاند کی قسمت بھی خوب ہے  
اک عکس ناقص یہ عالم کو جب دے  
ماضی تو حتم ہو چکا، مستقبل آئے گا  
بلبل کی سٹان گل پہ د باقی رہے نظر

(۲۹)  
طریق عشق میں مجھ کو کوئی کامل نہیں ملتا  
بھری ہے انجمن لیکن کسی سے دل نہیں ملتا  
پرائی روکھنی میں اور نئی میں منورق اتنا ہے  
پہنچنا درد کو مظلوم کا مشکل ہی ہوتا ہے  
حریفوں پر غزائے ہیں کھلے، یاں بھر کیسو ہے  
یہ جس و عشق ہی کا کام ہے شبہ کی کسی پر  
چھلے سینہ و رخ رستاں ہاتھوں کوٹ میں  
حواس دہوش گم ہیں بھر سرخان اکھی میں  
کتاب دل مجھے کافی ہے اکبر در کس عمت کو

(۳۰)  
ہستی حق کے معانی جو مرا دل سمجھا  
وہ شناسا ہوں جو ہر مروج کو سا مل سمجھا  
حضرت دلی کو چڑھا آیا میں، بتخانہ میں  
ہوئی دنیا میں مرے جوش جنوں کی نگریم  
کافری سہل نہ تھی، عشق بتاں کھیل نہ تھا  
ان نگاہوں کے اشاروں سے طبیعت تڑپتی  
ضغیت میں جو گھٹا اور بڑھا اس کا تم  
آزاد دیا میں نے غسل جو وہ غیرت و گل  
کفر و اسلام کی تفریق نہیں فطرت میں  
شیخ نے چشم حقارت سے جو دیکھا مجھ کو  
وہ بھی نا فہم ہے جو حضرت کا طالب نہ ہوا  
نکلیا یار نے اکبر کے جسٹوں کو تسلیم

(۳۱)  
مہربانی ہے عیادت کو جو آتے ہیں مگر  
دفتر دنیا آٹ جلنے کا ہیکل یک مسلم  
آخیش اعمال نامہ کی نہ ہوگی کچھ سند  
کے رہے طاعون سے تو اہل غفلت بول اٹھے  
نہ کرو صاحب نسب نامے وہ وقت آیا ہے اب  
دیکھ قدم ثابت، نہ چھوڑا کتبہ صراط مستقیم  
خیر چل جانے دے ان کی چال، دیکھا جائے گا

(۳۲)  
میںہ کا زخم آہ کی سختی سے چھل گیا  
ایسے ستم کئے کہ مرا قلب جل گیا  
تیرا پتہ چمن کو صبا سے جو مل گیا  
تعلیم مذہبی کا خلا صد ہی تو ہے  
ہوتا ہے انبساط غزلتے لطیف سے  
کس نے نگاہ ناز سے دیکھا ہے اس طرف  
خوش قسمتی پر اپنی بجائے کر دل جو ناز  
کھٹا نہیں کہ شیخ سے اکبر نے کیا کہا

(۳۳)  
وہ شعلہ شوق کا سینہ میں شعلہ درہا  
تیری نظر نہ رہی وہ، مرا وہ دل نہ رہا  
علاج حادثہ خاک میں تو ملنے دو  
یہ رنج کیا ہے کہ زندانِ آب گل نہ رہا

(۳۴)  
چوہر ہی منزل میں وہ ماہ خوش اقبال آگیا  
الفت کیسو نے آخر دی مرے ل کو شکست  
عالمِ نظرت ہے میری نظر بھی لے حکیم  
دعویٰ علم و فرد میں جوش تھا اکبر کو رات

(۳۵)  
وہ مطرب اور وہ ساز، وہ گانا بدل گیا  
رنگِ رنج بہار کی زینت ہوئی تھی  
فطرت کے ہر اثر میں ہوا ایک انقلاب  
حدِ شہرِ حانیت کی نئی طرز پر بندھی

(۳۶)  
اس گویا نایاب سے واقف نہیں دنیا  
خوبی ہے صاحبِ خودا کی بات کا کلام  
آسان نہیں دل کا مرے دام لگانا  
اور بات پڑے جب تو مرا نام لگانا

(۳۷)  
زلف نے پر تو دیں نام کو رہنے نہ دیا  
دو مرادیں جو ملیں، چار تمنائیں کیں  
موت کو بھول گیا دیکھ کے جینے کی ہمد  
دل نے پیش نظر انجام کو رہنے نہ دیا

(۳۸)  
نورِ عرفان عقل کے پردے میں پنہاں ہو گیا  
بلکدے میں شہد ہے اکبر مسلمان ہو گیا  
انتشارِ اہل معنی، فیض سے خالی نہیں  
باعث تسکین نہ تھا باخ جہاں کا کوئی رنگ  
نوابِ راحت ہو گیا خوفِ حشر و بعد فنا  
ان کی صورت دیکھ کر آئے گی یاد خدا  
دولت کو تسمیہ دی تھی عارضِ محبوب سے  
تین کھینچی اس نے، جمنوں تو جو ہم ہوئے  
ترک دنیا سے ہوئی جمعیتِ خاطر نصیب  
حال میرا گو کہ ظاہر میں پریشان ہو گیا



وہاں کے جلوں کا پڑھنا کیا، کیوں ایسا، مہمان ایسا  
دل و جگر کو مستراقِ بخت میں حوالہ چشمِ ترکہوں کا  
کبھی کسی نے کیا نہ ہوگا کنارہ کنٹ دان ایسا  
(۴۲)

دنیا کے مباحث، پیری نظروں میں ہیں کیا اتنا تو کوئی پتے بتائے مجھے، میں کیا  
تو کھینے اگر وقعتِ عاشق نہیں دل میں یہ کوئی سیکھی ہے زباں اپنے، تیں کیا

(۴۳)  
زلف پہچاں کا تصور تجھے کرنا ہی نہ تھا ہو گئی مفت طبعیت میں اک الجھن پیدا  
شرم کی جا ہے نہ ہوں دل میں بوداؤں کی ہوا سیدہ خاک بھی کر لیتا ہے گلشن پیدا  
میری ہریات کا رخ ہے طرفِ عاجز یاد مسکے ہر شمع میں معنی روشن پیدا  
دیدہ دل سے کھٹکتے رہو ہر دم اکبر دوستوں ہی میں سے ہوتے ہیں دشمن پیدا

(۴۴)  
کوئی سے دہریہ خون جگر کیوں پیتا کوئی نالہ میں ہے شیر داگیں پیتا  
میں ان کی بزم سے اٹھ آیا قبلِ دو شرب محلِ شرم تھا کنکڑ میں نہیں پیتا  
مردِ روح ہے حاصلِ دلالتِ حیدر سے میں جامِ دو کو زو تسنیم ہوں میں پیتا  
ذمہ پتے کو ذنب میں قوت پرواز اگر یہ خون کسی کا براہ کیوں پیتا  
ہر ایک قطرے کے پتے میں دیتا اک دان تری طرح کوئی پانی جو اسے زمیں پیتا  
چھپکتے کیوں ہو، جو ہوتا ہے اعتراضِ اکبر جواب کیوں نہیں دیتے بہت نہیں پیتا

(۴۵)  
شکایتِ جوشِ الفت ہوئی تھی اے حسیں پیدا تعجب ہے اگر اس سے ہوئی چین جہیں پیدا  
فریبِ عقلِ ظاہر ہیں ہے یہ سب، ورنہ اے اکبر ہیں فانی، ہیں باقی، ہیں پنہاں، ہیں پیدا

(۴۶)  
مری تقریر کا اٹس میں پر کچھ جادو نہیں چلتا  
جہاں بسندِ دوق چلتی ہے، وہاں جادو نہیں چلتا  
کرنا دمی بھی یاروں نے جو داؤ حُبِ توی میں  
وہ بولے تو نہیں چلتا، وہ بولے، تو نہیں چلتا  
کما پیر طریقت نے اکڑ کر اپنی ٹٹم پر  
یہ منزل ہے جس میں شیخ کا ٹونین چلتا

(۴۷)  
لطیف الطبع ساتھی چاہیے فیاض طینت کا  
چمن سے بے ہوا کے کاروانِ بونہیں چلتا

(۴۸)  
ستم دورِ گردوں کے سرِ جاؤں گا جو گزرے گی دل پر وہ کہ جاؤں گا  
دعا ہے کہ مر کر بھی رہ جاؤں کچھ وگرنہ تو نہیں مر کے رہ جاؤں گا

(۴۹)  
ہمیشہ آپ کے آگے میں درست مست رہا مگر دل آپ کے قابو میں تھا، شکستہ رہا  
ذرا تو پختہ شریفوں کو باجِ دہریہ دیکھ انہیں کا حال ہر اک سے زیادہ خستہ رہا

(۵۰)  
جنابِ شیخ سے جا کر خدا لائے کہ دینا کہ تم راہی تھی مجھ سے نند کو گمراہ کہ دینا  
بہت مشکل ہے بچنا وہ گلوں سے خلوت میں بہت آسان ہے یاروں میں معاذ اللہ کہ دینا

طاقتِ فراہی مجھ میں نہ باقی رہ گئی ظلم کرنا آپ کو تجھ پر اب آسان ہو گیا  
خوابِ انوارِ فلک پر کیا سترت ہو سب مجھے گور کا نقہ ہوا جو اس کا وہاں ہو گیا  
وقتِ ماناں میں کیسی خوشی ملے ہنسیں انسا باطرح، نذرِ رنجِ جبریل ہو گیا  
صورتِ ظاہر میں دل اک قطرہ خونِ تحفظ آگیا جب جوش میں، معنی کا طوفان ہو گیا  
جس کتے ہیں وہ کتا ہے کہ یہ سب، ہم ہے اب ہمارا حال بھی خوابِ پریشاں ہو گیا  
بس یہی دولت مجھے دی تو نے اے عمرِ دراز سیدہ اک گنبدِ داغِ مستی میں ہو گیا  
اور عالم میں ہوں میں نے ناتواں بعدِ مرگ میں نہ تھا وہ ہم جو مٹی میں پنہاں ہو گیا  
بڑھ گئی سوزش جو تجھ بن گل کھلے گلزار میں زخمِ دل کے حق میں ہر خچہ نکلاں ہو گیا  
لو دیا اہل بصیرت فیضِ ساقی نے مجھے ساغر سے آفتابِ اوجِ عرفاں ہو گیا  
اک نظر کا ہے تعلق اس جہاں سے ہوش کر سب اک جنبشِ خزاں میں پنہاں ہو گیا  
دیکھنا مشروطِ دیں ہوتا تو ہزابت پرست کچھ دیکھا، اس کی برکت سے سماں ہو گیا

(۵۱)  
درد نے جا اس میں کی، اک سوز پنہاں ہو گیا اللہ اللہ اب مراد دل بھی مسماں ہو گیا  
جلوہ حسنِ بتاں آشوبِ دوراں ہو گیا اللہ اللہ آفتِ دین مسماں ہو گیا  
اشکِ خوں آلود آنکھوں میں نمایاں ہو گیا دیکھے دل بھی شریکِ چشمِ گریاں ہو گیا  
نگِ خوں اب صاف آنکھوں میں نمایاں ہو گیا دیکھے دل بھی شریکِ چشمِ گریاں ہو گیا  
اس نے پوچھا ہو گیا آسودہ بوسے کے تو میں نے ناحق کہہ دیا جلدی میں ہی بان ہو گیا  
مر بھی کھا جائے کاغذِ جامِ بھی کھا جائے سخت مشکل ہے کہ ناصح میرا مہماں ہو گیا  
انقلابِ دہر دیکھو بن گیا آقا حنّام قهر کا مالک جو تھا، اب اس کا وہاں ہو گیا  
دیکھنے سے شوق پیدا، شوق سے پیدا اللہ آفتِ دل آنکھ تھی، دل آفتِ جاں ہو گیا  
قبلِ سستی ان عوارض سے بری تھا دلِ مرا اس سفر میں مبتلا ہے دین و ایماں ہو گیا  
عظمتِ خالق نہ سمجھا، قدرِ دل اکنے کی جپے لذتِ طبعِ نفسِ شیطان ہو گیا  
پوچھتے کیا ہر اصولِ مذہبِ زندانِ عشق یار کا ارشاد ان کا دین و ایماں ہو گیا  
میری قسمت تھی کہ ہر پتا بنا ناگِ سس بختِ دشمن تھا کہ خوابِ چشمِ درباں ہو گیا  
اس توقع پر کہ تیرے پیر میں صرف ہو ماہِ نو بھی چسپس پر شکلِ گریاں ہو گیا  
اُس لبِ شیریں کے بوسوں نے کیا شریں سخن لی زباں ان کی جو منہ میں، میں زباں داں ہو گیا  
کی تھی چشمِ بدو راہی اپنے رنگ میں اکبر اب مستِ نشینِ بزمِ زنداں ہو گیا

(۵۲)  
کر گئی کامِ نگاہِ مس پُرفتن کیسا تج چلے دیرِ حرمِ شیخِ دہریہ کیسا  
اُس کو چمکے ہمارا اور یہ خدا ملک پہنچا دل پر سوز جو پتہ آئے تو انجن کیسا  
اصل سے ہر کے جدا نشو و نما کی امید مجھ کو حسیں ہے کہ بڑھوں میں نہیں کیسا

(۵۳)  
خدا کے ہوتے بتوں کو پوچھوں، نہیں تھا مطلق گمانِ اس  
مگر تمہیں دیکھ کر کوا لائے، آجپہاں تجھ کو دھیان ایسا  
وہ چھت پر بے پردہ سو رہے ہیں، فلکِ تر سے یہ پوچھتا ہے  
بتا تو تیری نظر سے گزر رہے کوئی خوشخس رو جوان ایسا  
جھلا ہی دیتی ہو جس کو دنیا، مٹا ہی دیتا ہو جس کو گردوں

عبث ہے انسان چاہتا ہے، جو نام ایسا، نشان ایسا  
بھرا ہوا دل جو ذوق سے ہو، خدا کی یاد اس میں شوق سے ہو

مرنے خط میں سلام اختیار کرو تا حدیہ کیا معنی نہایت رنج ہے اس کا مجھے واسطہ نہ دینا  
تمہاری مرحلت سے شعر کی جو جہلنے کی عزت دیکھنے والے دل سے تو زبان سے واہ کہہ دینا  
(۵۰)

اگر چہ سبکین طبع طبع ہے حُب قومی میں آہ کرنا  
مفید تر ہے مگر دلوں کو رجوع سوسے اکتہ کرنا

وفا کے وعدے سے چشم پوشی ہمیشہ شام و چکا کرنا  
حضور نے کیا ثواب سبھا ہے منتظر کو تباہ کرنا

یہ کس سے سیکھا ہے تیری آنکھوں میں ہلاک نگاہ کرنا  
بنائے دیں کو خراب کرنا، دلوں کو آتش تباہ کرنا

کیوں گے تعیل ذات پر ہر نشان دیا پتہ بتاؤ  
توں کے آگے ہے سخت شکل حسد کو اپنا گواہ کرنا

نئی ادا یہ نہیں فلک کی، سدا سے اس کا یہی ہے شیوہ  
کسی کو حد سے سوا بڑھانا، کسی کو بالکل تباہ کرنا

کہا جو میں نے نہ توڑ دل کو، تجھے مناسب ہے دوزاری  
تو جس کے بولا کہ سہل ہو گا دل شکستہ میں راہ کرنا

جان صورت کا ذرہ ذرہ جمال معنی کا آئینہ ہے  
مگر آنکھیں کو جو دیکھتے ہیں، جو جانتے ہیں نگاہ کرنا

کھے کوئی شیخ سے یہ جا کر کہ دیکھئے آگے بزم سید  
یہ رونق اور یہ چل پھل ہو تو کیا بڑا ہے گناہ کرنا

وہ دور چرخ آ رہا ہے اکبر کہ اہل تقویٰ ہیں زار و مضطر  
بزرگ بھی غصیل دل کو اپنے سکھار ہے یہ گناہ کرنا

(۵۱)

مجھ کو نہ کبھی اس بتو دل خواہ نے چاہا اب میں بھی نہ چاہوں گا جو اللہ نے چاہا  
ساتھ اُن کا نہ چھوڑے کسی حالت میں بھی اس نے شعروں کو مے خوب ہی اس داہ نے چاہا

(۵۲)

خوشی سے باخبر مٹنے پر راضی ہو نہیں سکتا خیال دین و موت امر یا مخی ہو نہیں سکتا  
عمل بیجا اگر ہو روکنا واجب ہے اکبر کو امیدوں پر مگر کچھ حکم قاضی ہو نہیں سکتا

(۵۳)

جس روشنی میں ٹوٹ ہی کی آپ کو سوچے تہذیب کی میں اُس کو تہذیبی نہ کہوں گا  
لاکھوں کو شاگرد ہو ہزاروں کو اُتھارے اُس کو تو میں دنیا کی ترقی نہ کہوں گا

(۵۴)

ہے غضب جہل و یرقانی کا پوچھنا کیا ہے اس کے بانی کا  
دیدہ ہے محو دیر سنائی کا دل ہے مشتاق اس کے بانی کا

جان مے دی غم حیناں میں حق ادا کر دیا جوانی کا  
خوب جی بھر کے ہو لیے بدنام حق ادا کر دیا جوانی کا

کرتے ہیں مجھ سے غم کی شکرہ شکر ہے اُن کی مہربانی کا  
دل میں سوزش ہے، آنکھ میں آنسو عشق ہے کھیل آگ پانی کا

غور کر کیا ہے زندگی کی بنا سوچ کیا حق ہے اس کے بانی کا  
نہ بلا خاک میں عمل اپنے شوق دکھ فیض آسمانی کا

ہوش بھی بار ہے طبیعت پر کیا کہوں حالی ناتوانی کا  
قتل سے پہلے ہی کلوراکٹ نام شکر ہے اُن کی مہربانی کا  
شیخ درگور و قوم در کا لُج رنگ ہے دور آسمانی کا  
انجن آیا، نکل گیا زن سے (۵۵) سُن لیا نام آگ پانی کا  
بات اتنی اور اس پر یہ طومار غل ہے یورپ پر ہانفشیانی کا  
علم پورا ہمیں سکھائیں اگر تب کریں شکر مہربانی کا

(۵۵)

یوں مری طبع سے ہرتے ہیں معانی پیدا جیسے سادوں کی گھٹاؤں سے ہو پانی پیدا  
کیا غضب ہے مگر مست میں بادہ فروش شیخ فانی میں ہوا رنگب جوانی پیدا

یہ جوانی ہے کہ پاتا ہے جنوں جس سے ظہور یہ دیکھو کہ جنوں سے ہے جوانی پیدا  
یہ خودی میں تو رہ جھگڑے نہیں رہتے اب ہوش تونے کر رکھا ہے اک عالم فانی پیدا

کوئی موقع بھی آئے کہ میں آنکھیں مل جائیں راہیں پھر آپ ہی کرے گی جوانی پیدا  
ہر تعلق مرا سرا یہ ہے اک ناول کا میری ہر رات سے ہے ایک کہانی پیدا

جنگ ہے جرم، محبت ہے خلاف تہذیب ہو چکا دلولہ محمد جوانی پیدا  
کھو گئی ہمت کی فردوس نشانی اکبر کا شس ہو جائے کوئی بلبل فانی پیدا

(۵۶)

جو نامح مے آگے بکنے لگا میں کیا کرتا، مے اس کا بکنے لگا  
محبت کا تم سے اثر کیا کہوں نظر مل گئی، دل دھڑکنے لگا

بدن چھو گیا، آگ سی لگ اٹھی نظر مل گئی، دل دھڑکنے لگا  
رقیبوں نے پہلو دیا تو چپ میں بیٹھا تو ظلم سمجھنے لگا

جو محفل میں اکبر نے کھولی زبان گلستاں میں بلبل چکنے لگا  
(۵۷)

نظام عالم بتا رہا ہے کہ ہے اک اس کا بنانے والا  
ظہور آدم دکھا رہا ہے کہ دل میں ہے کوئی آنے والا

نسیم مستانہ چل رہی ہے، چین میں پھریت بدل رہی ہے  
صدائے دل سے نکل رہی ہے، وہی ہے یہ گل کھلانے والا

(۵۸)

خودی گم کر چکا ہوں اب خوشی و غم سے کیا مطلب تعلق ہوش سے چھوڑا تو اب ہم سے کیا مطلب

تقاعد جس کو ہے وہ دنق باجگاہ پر غوش ہے سمجھ جس کو ہے اس کو بحث پیش و کم سے کیا مطلب

جسے مرنا نہ ہو وہ شتر تک کی منکر میں اُلجھے بدلتی ہے اگر دنیا تو بدلتے آہم سے کیا مطلب

مری نظرت میں ستمی ہے حقیقت میں ہے دل میرا مجھے ساتھی کی کیا حاجت ہے جاگ و بزم سے کیا مطلب

خود اپنی ریش میں سمجھ ہوئے ہیں حضرت واعظ بھلا ان کو توں کے گیسوئے پر غم سے کیا مطلب

نئی تعلیم کو کیا واسطہ ہے آدمیت سے جناب ڈاکٹرون کو حضرت آدم سے کیا مطلب

صدائے سروی سے مست رہتا ہوں سدا اکبرو مجھے نعموں کی کیا پروا، مجھے مرگ سے کیا مطلب

۱۔ CHLOROPHORM، بیوش کرنے کی دوا ۲۔ WILTON، ایک مشہور انگریزی شاعر  
۳۔ DARWIN، مشہور ماہر حیاتیات جس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان  
بندر کی اذیت سے پیدا ہوا ہے۔



(۵۹)

خدا کے شکر، نبی سے غافل، کمال کے پیر اور امام صاحب  
انہیں کے در پر جھکی ہے خلقت، سلام صاحب سلام صاحب  
کمال کی پوجا، غماز کیسی، کمال کی گنگا، کمال کا زم زم  
ڈنٹا ہے ہر مل کے در پر ہر اکا نہیں بھی دو ایک جام صاحب  
ہزار بھاتے ہیں وہ سب کو کہ سب نہیں نام دار ہوتے  
کہ وہ خوشی و نیک نیتی سے جہ کے تم گھر کا کام صاحب  
مگر نہیں مانتا ہے کوئی، ہر اک کی یہ التجا ہے ان سے  
مجھے بھی تم چھاپ دو کہیں پر مرا بھی ہو جائے نام صاحب  
مری تمہاری نہیں تھپے گی، مسدھارتا ہوں میں اب یہاں سے  
سلام صاحب، سلام صاحب، سلام صاحب، سلام صاحب

(۶۰)

اے جانِ جہاں خور نہ اچھی نہ پری خوب ہے میری نگاہوں میں تری جلو گری خوب  
تشریف میں دل کا اسے رنقا تر صم سے دائر تری چال ہے اے کبک بے بی خوب  
یوں تر چھی نگاہوں سے مجھے قتل بھی کرنا پھر صاف کنا کہ میں ہوں اس سے بڑی خوب  
کھلتا ہے مرا غنچہ دل آؤ محسوس عاشق کے لیے ہے نسیم سحری خوب  
منہ کھول کے سوا ہے وہ گل سخن چمن میں لطف آج اٹھائے گی نسیم سحری خوب  
سچ یہ ہے کہ واعظ مجھے جاتا ہے نہ اکبر  
وہ خط ہی اچھا، نہ یہ شوریدہ مری خوب

(۶۱)

کہتے ہیں فطرت جسے یہ ہے نقاب نئے دوست ہے اسی پرے میں پنہاں آفتاب نئے دوست  
پر وہ فطرت خرواں روز حکمت خیز ہے ہے جنوں انگیز نیکن آیت تیب نئے دوست  
دیجھل جس نے جھلک اس کی ادھ پہنچا دار پر زینت بنبر ہوا محو حجاب دوست دوست  
ذوق معنی ہو تو اسے اکسبہ نظر آگے بڑھا عالم بچر تو ہے لوح کتاب دوست دوست

(۶۲)

ماہ نو بھی نہیں چمکا ترے ابرو کی طرح نکست گل بھی نہ نکلی تری خوشبو کی طرح  
کوئی تین ہے تیغ حسنم ابرو کی طرح کہ اشاروں ہی میں چل جاتی ہے جادو کی طرح  
وہ ادا کی کہ قضا آگئی خود داری کی وہ نظنر کی کہ اڑ کر گئی جادو کی طرح  
گل میں وہ شونئی رنگ رخ محبوب کمال سرو میں لوج کمال اس قدر دلجو کی طرح  
مجھ کو دم بھر بھی زمانہ میں نہیں چن نصیب مضطرب شیشہ ساعیت میں ہوں بانو کی طرح  
حسن میں کب ہو قمر کو تر سے مانند شبات کبھی عارض کی طرح ہے، کبھی ابرو کی طرح  
نہ یہ چیش ہے نہ یہ نوک فلک ہے اس میں قطع میں گو ہے ہلال آپکے ابرو کی طرح  
کم بضاعت کو جو اک ذرہ بھی ہوتا ہے فروغ خود غائی کو وہ اڑ چلتا ہے جگنو کی طرح  
دل کا میلان یقینی ہے سخن میں جو ہو وزن طبع سنجیدہ سامع ہے ترازو کی طرح  
کیا کول شوق شہادت کو میں تجھ سے قائل روز افزوں ہے تری قوت بازو کی طرح  
خالی نہ لطف نہیں آنکھ چہ رانا ان کا فرحت افزائے نظنر ہے دم آہو کی طرح  
گلشن عشق میں ہے اشک اگر جوئے رواں خوشنما آہ بھی ہے سرو لب جو کی طرح  
ہر زین میں تا مضمون ہے مطلوب اسے دوست کہیں جو ہو کی طرح ہے، کہیں کو کو کی طرح  
نبی نظروں سے مرے دل کو وہ کہتے ہیں شہید غلم پوشیدہ کیا کرتے ہیں حب ادو کی طرح

فرحت انگیز تو ہے ولولہ انگیز نہیں فرحت انگیز تو ہے ولولہ انگیز نہیں  
رنگ گل سے بھی سوا شون ہے تو رنگ میں یار رنگ گل سے بھی سوا شون ہے تو رنگ میں یار  
ہمسرا اس طقس مشکیں کی نہیں کوئی بلا ہمسرا اس طقس مشکیں کی نہیں کوئی بلا  
مکڑے مسکے دل روشن کے جو دیکھے تو کہا مکڑے مسکے دل روشن کے جو دیکھے تو کہا  
جام سے غیر کو دو، میں ذکر دوں گلا شکوہ جام سے غیر کو دو، میں ذکر دوں گلا شکوہ  
سر جھکا، نگر میں بیٹھ، اپنی حقیقت کھل جائے سر جھکا، نگر میں بیٹھ، اپنی حقیقت کھل جائے  
رنگ آتے ہے جو تکبہ پر وہ سر رکھتے ہیں رنگ آتے ہے جو تکبہ پر وہ سر رکھتے ہیں  
نام کر جاتے ہیں دنیا میں جو خوش قسمت ہیں نام کر جاتے ہیں دنیا میں جو خوش قسمت ہیں  
واعظا تیری زباں پہ ہے نہ مست سے کی واعظا تیری زباں پہ ہے نہ مست سے کی  
ہو اشادوں کا اگر اہل نظنر کے تابع ہو اشادوں کا اگر اہل نظنر کے تابع  
گلشن دہری میں اکسبہ کا کلام رنگین گلشن دہری میں اکسبہ کا کلام رنگین

(۶۳)

اعظا مدعا میں کروں گا اسی طرح وہ پیش آئیں اچھی طرح یا بری طرح  
چاہوں گا تخلیہ نہ زیادہ بٹھاؤں گا تشریف لائے بھی تو حضرت کھی طرح

(۶۴)

دل ہو دنا پسند، نظر ہو حیا پسند جس حسن میں یہ وصف ہو، وہ ہے نہ پسند  
تڑوں پہ تھمے جھوٹے گنتی ہے شاخ گل بید ہے تیرا ناچ مجھے لے صبا پسند

(۶۵)

پھرتی ہے ارضی آفتاب کے گرد بندہ چکر میں ہے جناب کے گرد  
نہیں ملتا ہزار اسے ٹالو عشق رہتا ہی ہے شباب کے گرد  
شعلہ دہریں میں گھوٹیں سوختہ دل آنج لگتی رہے کباب کے گرد  
کون مستی مری سنبھالے گا میں تو جانا نہیں شراب کے گرد

(۶۶)

وقت بہار گل دلم از ہوشش دور بود موج نسیم دشمن شمع شعور بود  
می گفت دوش قصہ شوق زباں دل ہر حرف او حکایت موسیقی دور بود  
یک جہلہ کرد و صورت پروانہ سوختم آری، ہمیں عمل لاج دل ناہو بود  
خوش بوداں ناں خودی از خودی زداشت ہوشم بخواب بود و دلم در حضور بود  
یک ساعت صوری او این چنین گذشت من مجر بودم، او چہ ناز و عشق بود  
بیدل مشو بگفتہ منکر کہ او ز جہل و ہمیش بگفت آنچہ پیشم تو زور بود  
اکبر بہ پیشش پیر مغالی کہ و اعتراف غوغائے من بہ خلق چہ مکر و زور بود

(۶۷)

گذشتہاں قد ریاں ز حد سید لے اکبر کہ آں مرحوم اکنوں در شمار شیخ می آید

(۶۸)

خود کی ہوئی پیدا اس انتشار کے بعد ہزار حیف کہ خانج گرا بچار کے بعد  
کہا جو میں نے کہ دل چاہتا ہے پیار کروں تو مسکرا کے وہ کہنے لگے کہ پیار کے بعد  
بہت ہی بکڑے وہ گل مجھ سے پہلے بوسہ پر خوش ہو گئے آخر کو تین چار کے بعد  
گیا شہاب تو اب آئینہ میں کیا دیکھوں وہ لطف ہی نہ رہا باغ میں بہار کے بعد  
نہ بھول ان مع العصر لیسٹ لے اکبر خدا سکون بھی دے گا اس انتظار کے بعد

●

نظر آیا چاند پھیکا تو جھپک گئے ستارے شب ماہ بھی نہ چلکی جو تو نکلا جگمگا کر

(۷۳)

موقوف کچھ نہیں ہے فقط مے پرست پر زائد کو بھی ہے دہر تری چشم مست پر عزت ملی ہے شرکت کوئل کی شیخ کو غاذہ ملا گیا ہے رفیع دست و دست پر زندان پختہ کار کو موسم کی قید کیا بیل کی شاخ گل کی نو پر نگاہ ہو پھیکا ہے نگہ تے عارض کے سامنے مستی ہے خود نثار ترے حسن مست پر موقوف شاعری نہیں اس نیست بہت پر بند نقاب باندھتے ہیں مجھ کو دیکھ کر جل بھرنے اُن کی آنکھوں کی مجھ کو ٹھجایا اُس بادشاہ کو حشر کا دن ہو گا روز وصال ہے نشہ عشر درمی زائد خراب تر اکثر مرے عزیز نئی دوستی میں ہیں بجلی کو ہاتھ آگیا تیسری ہنسی کا طرز گو حافطے کو یاد نہ ہو قصہ ازل گری نہیں ہے عرش، تو پھر کیا یہ غنہ و ناز

(۷۵)

نظر ان کی رہی کالج میں بس مسلمی نوادر پر گرا کیس چپکے چپکے بجلیاں دینی عقاید پر مں اصل کار دیں تو صرف بیچ و فدا مکت

(۷۶)

جس نے اُجھار خلق کو طاعت کر دیا پر نقش اسی کارہ گیب صفحہ روزگار پر شاہ و وزیر کے تو نام ادب گتہ ہسٹری کے ساتھ سکھ نام انبیاء اب بھی ہے ہر دیار پر

(۷۷)

بہت ہی کم پائے اپنے عارف، کمال باری نے ہم میں اگر سر سے سے بڑا ہے سچ جو پوچھو، عریک ذہب مجسم میں اگر اثر یہ تھا عیسوی نفس کا کہ زندہ ہوتا تھا جسم بے جاں یہاں تو ہم مرد ہے یہ لیکن بتان ترس کے دم میں اگر جو ضعف پر شیدہ دین میں تھا، عیاں تھا وہ ترے عمل سے زبان و اعظ میں تھی جو طاقت، چچی وہ میرے قلم میں اگر جو شوق مستی جو دل کے اندر تو آپ مینے کلام اکبر اگر ہو ذوق شراب و ساغر تو بیجے بزم جسم میں اگر

(۷۸)

منوی تو ملیں گے تمہیں شیطان سے بہتر ہادی نہ ملے گا کوئی مستر آن سے بہتر ذی سلم مصنف ہو، مجھے جائی بہت ارمان نہیں کوئی اس ارمان سے بہتر انسان اگر معتبر حق سے ہو خافض کیا شک کہ بہائم ہیں اُس انسان سے بہتر مخلوق الٰہی میں عمل پر جو نطسہ کر انسان سے بدتر ہے، نہ انسان سے بہتر ہر حال میں ہے دل کے لیے حافظ و ناصر دولت کوئی ممکن نہیں ایمان سے بہتر یہ ہے کہ جھکاتا ہے مخالف کی بھی گردن سن لے جو تو جبر سے بزدلوں کی نصیحت پھر کان جو اہر نہیں اس کان سے بہتر

(۷۹)

مذاق درد سے، دل کو مرے ہے آہ پسند خدا کا شکر دیا اُس نے مجھ کو بوسہ لب محل طعن نہیں ہے ہماری سے خواری یہ ہے اصولی و لغزش، بڑی ہے سالک کو نہ حلقی سرک ہے سودا جھے، نہ تیر تھکا خدا پرست پائے گا کیا وہ لڑکچسپ گناہ سخت بتوں سے ہے مدرس طلبی فلاسفی کہ ہے مرغوب طبع لا اللہ رہا رسول کا درجہ، سودہ تو ہے دستاؤں اب اس کے آگے ہے جو کچھ گردہ بندی ہے محمدان را ہمد اوصاف ثنا خوانند غیبی بر دیں ہر دوشندہ بیک غزہ کفر روح خود را چوسیدہی بہ غلامی حریف پختہ وضعی کہ خدا عقل و تیزش داد دست وردہ اس نعمت حافط کن و خوش باش اگر اے گدایان خرابات خدا یا بر شماس

(۸۱)

دلا سے چل ہیں سوئے محمد شب عاشق ہیں گیسوئے محمد چمن قرآن ہے، ہر لفظ اس کا ہے گل مشام جاں معطر ہو رہا ہے محمد پھول ہیں، داعط صبا میں یہ مژدہ اہل علم کو سنا دو خدا کے گھر سے ہے الحاق اُس کو درود اُس پر پلٹک بھیجتے ہیں ہوئی زائل جہاں سے ظلمت کفر ہوئے دل دور، تیسیر اُلفتِ حق منور نور و وحدت سے ہوا دل خدا کا پیار ہے اُس دل پہ اکبر

(۸۲)

آتا ہے وحید مجھ کو ہر دین کی داپر مسجد میں ناچتا ہوں ناقوس کی صدا پر اسے برہمن کون گا بر عسکر میں فانی موقوف کچھ نہیں ہے گنگا و نر پدا پر پڑ جائے آتے جاتے شاید نگاہ سلطان جو راہ سے الگ ہے افسوس اُس گدا پر

(۸۳)

مجھے ہنشیں مل گیا، انھیں حال دل سنا کر وہ کہہ آئے ساری باتیں مرے دشمنوں سے جا کر مری زندگی ہو کر ہو جو تو بخیر ہو مجھ سے نہ ہو شوق اگر وفا کا تو میں خوش ہوں تو جفا کر مریا درج ہیں ہے خوش ادبے ناز میں ہے مگر اس کام یقین ہے کہ چوں گا اُس کو پا کر کسی اور کام کے پھر نہ رہ گئے دل نکا کر



بندی مراتب سے تلون ہو گیا پیدا  
اک سے آشکار ہے بندی تیرے ایوان کی  
میں پچایا تلاش پیر کی دے کر صلاح ان کو  
ہمارا آئی کھلے گل زیب بھی برستاں ہو کر  
بچا فرشتہ ز قبراہ تمام سبزو تر میں  
عروج نشہ نشو و نما سے ڈالیاں جھومیں  
جلائیں شاخ گل کی یس سیم صبح گاہی نے  
جوانان چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا  
کیا پھولوں نے شمع سے ذوق چمن گلستاں میں  
ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خاق کے بعدے کو  
زبان برگ گل نے کی دھارنگیں عبارت میں  
نگاہیں کاہلوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانہ کی

بدلتی ہیں ہزاروں رنگ، وہ آسمان ہو کر  
پڑا ہے آسمان بھی تیرے در پر آستان ہو کر  
ہوے وہ اور بھی طبع م مریہ آسمان ہو کر  
عناد نے چائی دھوم سرگرم فضاں ہو کر  
چلی متا ز دوشش باد صبا خبر نشان ہو کر  
ترانے گائے مرغاب چمن نے شادیاں ہو کر  
ہوئیں کلیاں شگفتہ روتے رنگین جہاں ہو کر  
کسی نے یا سمن ہو کر کسی نے ارغواں ہو کر  
مدائے نغمہ بسبب اٹھی بانگ اذان ہو کر  
ہوئی تبیح میں مصروف ہر دوشی زبان ہو کر  
خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مسربان ہو کر  
کہیں چھپتے اکبر پھول تپوں میں نہاں ہو کر

کیا افسردہ نافرمانوں نے مجھ کو ہمیشہ ہو کر  
بحریم یاس نے طلق چمکے باقی نہیں رکھی

ہر محظہ دیکھتا ہوں ناز کی شان اور  
دل اُس بہت فرنگ سے ملنے کی شکل کیا  
کیوں کہ زبان ملنے کی حسرت بیاں کروں

خدا نے عقل کی نعمت عطا کی مہرباں ہو کر  
کھلیں وہ شریکیں آنکھیں شب صلت نہاں ہو کر  
کمال اس دام گیسو میں تھا یا کچھ نقص تھا دل میں  
عطا کر قسمت تصنیف سعدی باب اہل گل کو  
ترا قدر دیکھ کر اے گل میں تجھ کو سر و سمجھا تھا  
مجھ سے سب یہ کہتے ہیں کچھ نظر اپنی  
جھکایا ہے جیس کو آستان یار پر میں نے  
کمال ان کی عنایت ہے نہایت مہربانی ہے  
اگر اللہ دیتا قوت گفتار شمعوں کو  
ہوائے نفس سے ہو کر انگ الفت میں مرجانا  
مجاں گفتگو کس کو ہے اُن کے حسن کے آگے  
قریب خستہ مٹی مجلس کہ آنکھ اُدھر وہ بھی  
یہ ارشاد آپ کا بالکل بجا ہے حضرت واعظ  
نگاہیں مل گئیں بھٹیں میری اُن کی رات محفل میں  
بہت مشکل ہو اسے خستہ کرنا مجھ کو تھے کا  
پھری قسمت ہر کی آپ کی زلفوں کے صدف میں

بنو گے خسرو مستلیم دل شیریں زباں ہو کر  
دلوں کا قرب حاصل کیجیے راحت زباں ہو کر  
غریبوں سے پٹ جاتی ہے دنیا نکرناں ہو کر  
بے ضبط محبت عقل مذہب میں ہوئی داخل  
مجاں گفتگو کس کو فنا کا جب پیام آیا  
کسی نے خوب فرمایا اک اسلامی ٹیٹی میں  
کرم تھا دوستوں پر علم ایام گذشتہ میں  
جودا نشہ میں، وہ لڑوں دعا دیتے ہیں لڑکوں کو  
جوانی کی دعا لڑکوں کو ناحق لوگ دیتے ہیں  
چھپایا جھوٹی باتوں سے مجھے دینا نے غفلت میں  
تمیں اور تعسفی کا مزہ، مجھ کو تو واضح کا  
بدی طینت کی چھپکتی نہیں شیریں زبانی سے  
زمین کی طرح جس نے عاجزی و خاکساری کی  
ضعیفی زور پر آئی، ہوئے بے دست پائاکر

روش ہو راست آزادانہ ہو ساتھ اس کے تواضع بھی  
چلو تم مثل تیرا کسب یہ جھک لیکن کہاں ہو کر

خیال عزت مجنوں نہ چھوڑا اے دامن مجنوں  
نیکین بے ہمتا دل، ضرورت تھی حفاظت کی  
مری زردی رخ کا ذکر ہے لب ہائے جانان پر

جوش گریہ ہے یہ کہوں مرگم پیری میں مجھے رگ جاڑوں میں تو کم جاتے ہیں دریا کی طرف

(۹۵)

گفتی میں زیادہ نہیں، ہے قول مرا ایک بے خوف میں کتابوں اسے، یعنی خدا ایک  
تخلیفات کے قائل نے بھی خالق کو کہا ایک تھی تین پہ صوفی، مری سب سے بجا ایک  
کہتے ہو مسلمان ہیں اللہ کے طالب دس پانچ نہیں، تجھ کو دکھا دو تو بھلا ایک  
اللہ کی جانب متوجہ رہیں احباب صف ہوگی شکستہ، جو کہیں رخ نہ رہا ایک  
یاد رہے جمعیت مسلم یونٹ قائم رخ ایک، رسول ایک کتاب ایک خدا ایک

(۹۶)

پہنچی نگاہ محفل رسا دور دور تک بیکن نہ جاسکی کبھی اور حضور تک  
جام سے الست سے ایسی تھی بے خوی ہستی کا اپنی حس نہ ہوا تلخ سوز تک

(۹۷)

کچھنی ہے ہم پر اس سفاک کی تیخ ستم اب تک  
یہ کیا جگہ ہے کہ ان زخموں پہ بھی زندہ ہیں اب تک

(۹۸)

بخت کو جو دیکھو تو نہیں حائی دیں ایک قوت کو جو پوچھو، کیوں مدد بھی نہیں ایک  
دل تم نے لپیٹا، دین یا مال نہ چھوڑا باقی ہے مرے پاس فقط جان حرم ایک  
ہر ایک کو در تم نے کیا تیخ ستم سے اب رہ گئے ہو عمر نہ ہستی میں نہیں ایک

(۹۹)

کیا جانئے سیدھے تھے حق آگاہ کہاں تک مجھے نہ کہ سیدھی ہے مری واہ کہاں تک  
منطق بھی تو اک چیز ہے اے قہر و کعبہ دے سکتی ہے کام آپ کی واہ کہاں تک  
افلاک تو اس حمد میں ثابت ہوئے معدوم اب کیا کہوں جاتی ہے مری واہ کہاں تک  
کچھ صنعت و حرفت پہ بھی لازم ہے توجہ آخر یہ گورنمنٹ سے تنخواہ کہاں تک  
مرا بھی ضرور دیا ہے، خدا بھی ہے کوئی چیز اے حرم کے بندہ! ہوس جاہ کہاں تک  
تحسین کے لائق ترا ہر شعر ہے اکبر احباب کریں بزم میں اب واہ کہاں تک

(۱۰۰)

مل گیا شرح سے شراب کا رنگ خوب بدلا غرض جناب کا رنگ  
چل دیے شیخ صبح سے پہلے اڑ چلا تھا ذرا خطاب کا رنگ  
پانی ہے تم نے چاند سی صورت آسانی رہے نقاب کا رنگ  
صبح کو آپ ہیں گلاب کا پھول دوپہر کو ہے آفتاب کا رنگ  
لاکھ جانیں نثار ہیں اس پر دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ  
ٹٹکی بندھ گئی ہے، ٹوڑھوں کی دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ  
جوشن آتا ہے، ہوشن آتا ہے دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ  
زہر عالی مست مہ ہے اکبر ٹوہ ہے تقویٰ کی، اور شراب کا رنگ

(۱۰۱)

عزیزان وطن سوچیں، سول مردوں سے کیا مل یگانوں میں رہو بیگانہ ہو کر اس سے کیا مل  
زہر چشم جانان ہے، زہر لطف غمزہ ساتی تو پھر صحن چین میں دیدنی زگیں سے کیا مل  
نہ ہو اور اک خالق کا نہ ابھرے شوق طاعت کا تو ایسے ذہن سے اکبر اور ایسے جس سے کیا مل

(۱۰۲)

گو چکا چونکہ کا عالم ہے نئی روشنی میں ہے مگر پیشِ نطفہ عرش کا تارا اسلام

(۸۶)

میں نطفہ ہے زلف مس کبکدہ پر سونا چسٹھا ہوا ہوں میں تار نگاہ پر  
اچھا بڑا محنت باز برقی حسن و مشق ان کو ہنسی جو آگئی عاشق کی آہ پر

(۸۷)

یا شہید جلوہ ساتی ہو یا مے خانہ چھوڑ جوش کی پردا نہ کر یا شہید و پلید چھوڑ  
دین نبھنے کا نہیں اسی صورتوں کے سامنے یا بہن زہر اکبر یا در بخت خدا چھوڑ

(۸۸)

جب مانتے ہو تم کہ خدا بھی ہے کوئی چیز ہیر کیوں نہیں کہتے کہ دعا بھی ہے کوئی چیز  
واعظ نے کہا خوف خدا بھی ہے کوئی چیز اس بخت نے کہا، میری ادا بھی ہے کوئی چیز  
کتاب ہے معانی کہ روا کا بس اثر دیکھ فریاد رہا ہے کہ مزا بھی ہے کوئی چیز  
پہناں میں خوشی و تصور میں کمال است لیکن اثر لفظ و صدا بھی ہے کوئی چیز  
کھلتے ہوئے حق سے نظر آتے ہیں ہزاروں معلوم ہوا ستم کی کٹا بھی ہے کوئی چیز  
بے ساختہ آتی ہے محبت میں یہ لب پر فطرت ہا کی جانب دعا بھی ہے کوئی چیز  
معنی کو ضرورت نہیں الفاظ کی اکسیر سب جانتے ہیں حق خدا بھی ہے کوئی چیز

(۸۹)

کم سن ہو ابھی، تجربہ بہ دنیا کا نہیں ہے تم خود ہی مجھ لو گے خدا بھی ہے کوئی چیز  
تدبیر سدا راست جو آتی نہیں اکسیر انسان کی طاقت کے سوا بھی ہے کوئی چیز  
ہم صحت و قوت کے منکر نہیں اکسیر لیکن یہ مجھ لو کہ وفا بھی ہے کوئی چیز  
میلنے کہا کیوں لاش پہ آتا کی سے مرثیہ، ہوش کی طرف جا کہ خدا بھی ہے کوئی چیز  
کتے نے کہا جو یہ حسالت کہ تعجب لیکن مرے نزدیک وفا بھی ہے کوئی چیز

(۹۰)

طبع کرتی ہے ترے عشق کی تائید ہنوز ان جفاؤں پہ بھی ٹوٹی نہیں امید ہنوز  
تھکے شوق کو چھیڑا ہے ازل سے دل نے خاتمے پر مگر آئی نہیں تمہید ہنوز  
ذخوشی ہوتی ہے دل کو، نہ طبیعت کو اُچار پھر بھی سالانہ کئے جاتے ہیں ہم حید ہنوز  
اور کچھ اس کے سوا کر نہیں سکتے واضح بس چلی جاتی ہے تسلیم کی تاکید ہنوز  
کس قدر حار تھے تیرے وہ اجڑائے زخام علماء دے رہے ہیں قوم کو تبہ ہنوز  
دل تو مدت سے ہے خاک و در ویر اکسیر ہاں زبان پتھر کھسکے کی تفرقہ ہنوز  
غم جاناں سے میں کرنے کا نہیں جاں عزیز ہے سوا جان سے بھی مجھ کو یہ وہاں عزیز

(۹۱)

نگاہ اُس بخت ہے دیں کی ہے شراب فروش عجب نہیں مجھے مستی کرے شباب فروش  
کہا جو اُس نے کہ اب میں چوڑی گلے پر وہ نہ اُس کا دیکھ کے بس رہ گئے نقاب فروش

(۹۲)

اہل مذہب میں زیادہ تر ہے بس لفظی نزاع ایک ہی ملک جہاں کا ہے تو پھر کسی نزاع  
ایک ہے پریوں کا قاتل، ایک کو انکار ہے سب نزاعوں میں جو ہے تو بس جو بھی ٹوٹ  
علم اگر ہوتا زیادہ اور ہوتی حسرت کم صلح رہتی بیشتر رنگوں میں کم ہوتی نزاع

(۹۳)

شیخ ماکل ہوئے ہیں ساغر و مینا کی طرف برکتیں نشہ کی لائیں گی کلیسا کی طرف  
میں پھنسانے لگا کیوں دام بلا میں دل کو خود کھینچا جاتا ہے اس زلف چلیا کی طرف  
دوستوں نے انہیں حضرت کو خضر سمجھا ہے ان کی چالیں تو رہے جاتی ہیں اعدا کی طرف



و رغبت کفر سے اللہ بچائے سب کو  
اُن کی خواہش مری نسبت ہو جو کچھ وہ جانیں  
اُن کے مضبوط جہازوں کی مددگار ہے آگ  
خوف حق، الفت احمد کو نہ چھوڑے اکبر

(۱۰۳)  
قرآن میں ذرا بھی جھجھے، یہ کسی حب کو تو منہم  
فراق کی شب ہوگی بھرا جمل سے کہو کہ آئے ادھر  
خوشی بھی ہوئی ام بھی ہوا مرنے بھی ملے ستم بھی سے

(۱۰۴)  
ہوتے ہیں سست نئے عاشق کے جام سے ہم  
نہیں کوئی شب تار و سراق میں دل سوز  
زماں جس کو ملے، بھلائے حسن ہے  
خوشی بہت ہے جہاں میں ہلکے گھر نہ سہی  
خوشامدی کو مبارک ہو راستہ دن چکر  
اغیر عمر میں آیا ہمیں خیال مال  
گناہ کیا جو کہیں ہم بھی اسلام علیک  
ہیں سہ ماہی و مدد است اسے غافل  
چلا ہے فلسفہ لے کر بہن سوئے ظلمات  
خیال یار میں اُٹھا ہوا ہے تارِ نفس  
جہیں کے عشق سے آہن زنجی نہ جان اپنی  
اگر وہ کہتے ہیں اعلیٰ تو ہم کہیں گے یہی  
طلانہ امن بھستان دہر میں دم بھس  
اب اور چاہئے نیٹو کے واسطے کیا بات  
نگاہ پیر مغال کستی ہے عنبر یوں سے  
فلک کے دور میں ہارے ہیں بازی اقبال  
ہماری کوہ نور دی نہیں ہے بے معنی  
ہیں خراب کر کے گاحیاں ابرو سے یاد  
شاہے جلت باد کا ہو گیا فتوے  
یہ ہے ہاتھ میں نامہ، کھڑا ہے جب قاصد  
اشارہ کرتی ہے ساتی کو چشم مست اکبر  
چھڑی اٹھائی خوشی سے چل دیئے اکبر

(۱۰۵)  
دل مایوس میں وہ شور میں برپا نہیں ہوتیں  
مری بیتا بیان بھی جڑو ہیں اک میری ہستی کی  
وہی پریاں ہیں اب بھی راجہ اندر کے کھائیں  
ہیاں کی عورتوں کو علم کی پروا نہیں بے شک  
تعلق دل کا کیا باقی میں رکھوں بزم دنیا سے  
ہوا ہوں اس قدر افسردہ رنگ بارخ ہستی سے  
فضل کے سامنے بیکار ہوتے ہیں حواس اکبر

(۱۰۶)  
سانس لیتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں  
اُن کا گھر چھوڑ کر کہاں جاؤں  
ہوں اسیر ظلم بحسبِ قدر  
بحر ہستی میں ہوں مثالی حباب  
اتنی کمزاری بھی غنیمت ہے  
شیخ صاحب خدا سے ڈرتے ہوں  
کئی شکاری نہیں ہے مانع عشق  
آپ کیا پوچھتے ہیں میرا مزاج  
یہ بڑا عیب مجھ میں ہے اکبر

(۱۰۷)  
فلسفی کو بحث کے اندر حائل نہیں  
معرفت خائن کی عالم میں بہت دشوار ہے  
غافلوں کے لطف کو کافی ہے دنیاوی خوشی  
کشتی دل کی الٹی بحسبِ ہستی میں ہو غیر  
عاقلوں کو کیا سناؤں داستانِ عشق یاد  
زندگانی کا مزہ ملتا تھا جن کی بزم میں  
صرف ظاہر ہو گیا سرمایہ زیب صفا  
پختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر  
شیخ صاحب مدہن سے لاکھ برتن دوستی

(۱۰۸)  
جس پل آیا ہے وہ شیریں ادا ملتا نہیں  
لوگ کہتے ہیں کہ بدنامی سے بچنا چاہیے  
اہل ظاہر جس قدر چاہیں کریں بحث و جدل  
چلے بے وہ دن کہ یاروں سے بھری تھی انجمن  
منزل عشق و توکل منزل اعزاز ہے  
بار کلیغوں کا مجھ پر بار احساں سے ہے سہل  
چاندنی راتیں ہمارا اپنی دکھاتی ہیں تو کیا  
معنی دل کا کرے اظہار اکبر کس طرح

(۱۰۹)  
کس قدر بے فیض اندرونوں ہوائے دہر ہے  
فیض باطن سے مددے عشق کا جو جاہرید  
ڈھونڈتے ہیں لوگ اس دنیا میں اطمینان دل  
نیشنل وقعت کے گم ہونے کا ہے اکبر کو غم  
دل کی بندوبستی سے کچھ تسکین ہوتی تھی مگر  
بیکس میری نہ پوچھ اسے جادہ وارو طلب  
اس کو اربابِ طریقت میں کردوں میں کیا شمار

جب کہ میں نے مرا دل مجھ کو واپس کیجئے  
نار و شونجی سے وہ بولے اکھو گیا، ملتا نہیں  
جب کہ میں مانتا ہے کرتا ہے نہ ملنے کا گلہ  
اور جو ملنے جاتا ہوں، مرد خدا ملتا نہیں  
یوں کہو، مل آؤں اُن سے لیکن اکبر سچ یہ ہے  
دل نہیں ملتا تو ملنے کا مزاج ملتا نہیں

(۱۱۰)

چہرہ و کون ہو کا جو آئے ہمارے کام  
جو گئے شریکِ حال ہمارے نہ جب تمہیں  
دنیا کے انتظام پہ مستحضر نہ ہو طول  
انصاف یہ نہیں ہے کہ پاجاؤ سب تمہیں

(۱۱۱)

یہ فقط نہیں ہے کافی کہ مرا مزاج پوچھیں  
مرے دردِ دل کو سمجھیں مری احتیاج پوچھیں  
فقا زانہ کل موافق، مجھے پوچھتا تھا ہر اک  
میں تو ان کو دوست سمجھوں کہ جو مجھ کو آج پوچھیں  
جنہیں تیری لو لگی ہے، وہ جہاں سے تجھ میں  
نہ وہ مال و جاہ و صونڈی نہ وہ تخت و تاج پوچھیں  
جو مرض ہے ہم کو لاحق، وہی شہرِ زندگانی ہے  
جو نہ چاہیں اپنا جینا تو کوئی علاج پوچھیں  
تو خود اُن کو کھد عریضہ، نہ کر انتظار اکبر  
انہیں کیا عرض ہے ایسی کہ ترا مزاج پوچھیں

(۱۱۲)

موسمِ گل میں صبا کو جو ہوئی تاج کی دھن  
لہجہِ مہربان سے بھی پیدا ہوئی کھانج کی دھن  
یہ کلاک اچھے سروں میں تو جھجھکتی ہے  
مفت پیدا ہوئی ہے آپ کو کیوں تاج کی دھن  
نغمہ سنجی سے بھی آتی تھی خواتین کو شہرِ م  
سازِ مغرب سے مگر ہو گئی اب تاج کی دھن

(۱۱۳)

کبھی دل کی تڑنگ کارنگ یہ ہے کہ میں سارے جہاں کو پیار کروں  
کبھی طبع میں موج ساقی ہے یہ کہ خود اپنی خودی سے بھی مار کروں  
مجھے پیاری اگرچہ ہے جانِ حریں، مگر ان سے سوا یہ عزیز نہیں  
وہ کھڑی بھی تھکے کہ پاؤں اُنہیں اور اُنہیں پہ میں اس کو تار کروں  
کبھی غمچہ ہے یہ، کبھی شعلہ ہے یہ، کبھی آئینہ ہے، کبھی قطرہِ خون  
یہ ہے صفحہِ دہر پہ دل کا جو رنگ اسے کون سی مدد میں شمار کروں

(۱۱۴)

نقد نہیں، فساد نہیں، شور و شہر نہیں  
یازن نہیں، زمین نہیں، اور زر نہیں  
مانا کہ ہر طرح سے میں بے اختیار ہوں  
پر یہ بتاؤ کہ تم کو حسد کا بھی ڈر نہیں

(۱۱۵)

دل زیست سے بیزاد ہے معلوم نہیں کیوں  
سننے میں نفس بار ہے معلوم نہیں کیوں  
استراہِ وفا پارے ہر اک سے کیا ہے  
مجھ سے ہی میں انکار ہے، معلوم نہیں کیوں  
سنگِ مہِ محشر کا تو مقصود ہے معلوم  
وہی میں یہ دربار ہے، معلوم نہیں کیوں  
جس سے دل رنجور کو پہنچی ہے اذیت  
پھر اس کا طلب گار ہے معلوم نہیں کیوں  
اُسے دل ترا نطقِ راہِ دل آویز ہے لیکن  
پہلو میں ترسے خار ہے، معلوم نہیں کیوں  
انداس میں مستی تو مجھے خوش نہیں آتی  
ساقی کو یہ امر ہے، معلوم نہیں کیوں  
اندازِ تو عشاق کے پائے نہیں جاتے  
اکبر جگر افکار ہے، معلوم نہیں کیوں  
جھینے پہ تو جہاں اہل جہاں دیتے ہیں اکبر  
پھر یہ تجھے دشوار ہے، معلوم نہیں کیوں

(۱۱۶)

بھولے پن سے پوچھتے ہیں تیری خاطر کیا کریں  
اس محل پر رازِ دل ہم اُن پر ظاہر کیا کریں  
میں کلکترِ نوزائیں، حملے کھڑے ہیں دم بخود  
جب خدا ہی ہو گیا حاضر تو ناظر کیا کریں  
ان کی آنکھوں کی خطا کیا، خود ہیں ہم الفت میں مست  
آپ ہم ایمان چھوڑیں تو یہ کاسر کیا کریں

مفتیں کیوں، ہاتھ جوڑے، سر قدم پر رکھ دیا  
پھر بھی ہے تیری چڑھی ہم پر اب آخر کیا کریں

(۱۱۷)

بختیں فضول تھیں، یہ کھلا حال دیر میں  
افسوس عمر کٹ گئی لفظوں کے پھر میں  
ہے ملک ادھر تو خطِ زندہ اُس طرف یہ وعظ  
لےتے وہ کھائے پیٹ بھرے پان سیر میں  
ہیں عش میں شیخ و دیکھ کے حسن میں خرننگ  
بچ بھی گئے تو ہوش انہیں آئے گا دیر میں  
چھوٹا اگر میں گردِ شبنم سیرج سے تو کیا  
اب پڑ گیا ہوں آپ کی باتوں کے پھر میں

(۱۱۸)

صبا نے دفترِ گل کے بہت ورق اُٹھے  
مگر وہ بڑے معافی روئے یار کہاں  
میں خاک میں بھی اگر مل گیا تو کیا اُمید  
وہ آستانہ کہاں اور مرا خیار کہاں  
خیال ایسا نہ منہ مایہ مری نسبت  
بھلا حضور کہاں اور یہ خاکسار کہاں

(۱۱۹)

بھری رات یوں ہوں میں حسرتِ قدیر میں  
جیسے محراب میں ہو کوئی حشر کے انتظار میں  
دل پہ طولِ فرقتِ قامتِ روئے یار میں  
بھاڑ میں جائیں سر و گل، آگ لگے بہار میں  
سوڑ نہاں ہے فرقتِ شمعِ جمالِ یار میں  
آگ سی ہے لگی ہوئی رشتہ جان زار میں  
کیا میں خوشی سے ہوں، بسا کو چہ زلفِ یار میں  
کوئی بلا میں کیوں چھٹے دل ہو جو اختیار میں  
ہونے دے انقلابِ چرخ، کوہِ الم کوئے اٹھا  
وزنِ مگر شک نہ ہو دیدہ امتِ ہار میں  
پایا ہو اُسے دہر کو دشمنِ انبساطِ دل  
کھلتے ہیں کب گل مراد گلشنِ روزگار میں  
کو دیا ایسا زار و خشک منزلِ عشق نے مجھے  
خارِ جیسے کا گھیر میں کیا، میں ہی چھپا ہوں خار میں  
آئی نسیمِ باغ میں، میرے یہاں نہ آئے تم  
لالہ و گل بہت کھلے، دل نہ کھلا بہار میں  
مستیِ عشق کا مزہ، ہمدِ شباب ہی میں ہے  
بادہ کشی کا لطف اگر ہے تو فقط بہار میں  
حسدِ کرم نے آپ کے ذمہ نوازیں یہ کیں  
بات تو درد نہ کچھ نہ تھی بندہ خاکسار میں  
تم تو بھلا کے وعدے کو شام سے پڑ کے سوئے  
جا کا کیا میں صبحِ تنگِ حسرت و انتظار میں  
سینے سے تیرے متصل شاید اسے مترا ہو  
گوندھنے میرے دل کو بھی اپنے گلے کے ہار میں  
دنگِ جہاں کے ساتھ کاش تیری بھی ہو تو نہیں سبر  
جیسے گل و نسیم کی فہم گئی چاہ پیار میں  
و تعبتِ دیش شیخ کو دیکھ کے یہ ہوا یعتیں  
خرمنِ خس بھی شہرِ طے گلشنِ اعتبار میں  
کھلنے پہ آتی ہے کلی گیسوں کو ہے بیکلی  
حسنِ تو ہے ابھار پر، عشق ہے انتظار میں  
ذکرِ راسِ گو گو، بھیلی ہے بات چارو  
آتی ہے کچھ جنوں کی بڑ، بیٹھا ہوں گئے یار میں  
سینے میں کیوں شمس ہے یہ جان میں کیوں شمس ہے  
عقل کی سرنش ہے یہ دل کو رکھا اختیار میں  
الفتِ زلفِ تیرے حق میں ہمارے نہ سہرے  
بھر بلا کی لہر ہے، روج ہے انتشار میں  
بھونرے ہیں مستِ بے گل تیریاں ہیں بے گل  
سب کو ہے جستجوئے گل موسمِ خوش گوار میں  
سُنبُلِ تر پہ خوب ہے، جلوہ شبنم لطیف  
زلفِ پری کے تار میں گو ہر آب دار میں

(۱۲۰)

دورِ شرابِ لالہ نام کیوں نہ ہو لالہ زار میں  
کچھ تو مزہ جو زیست کا، کچھ تو کھلیں بہار میں  
مادِ صبا کا تاج ہو فہمِ سرا ہوں مہلبلیں  
شائو کی گود میں ہوں گل وہ ہوں مے کنار میں  
ہوا اثرِ سرور ہے کیفیت میں ہو ہر ایک شے  
دل میں ہونہروں کی لے بول جیں ستار میں  
آنکھ کی ناوانیاں، حسن کی لہن ترانسیاں  
پھر بھی ہیں جانفشانیوں، کو چہ انتظار میں  
عشق میں نفع ہے ضرور، اشک گریں تو ہیں گھر  
یاں تو ہیں پارہِ حسبِ گرجل کے اعتبار میں  
عشق ہو کس طرح نہاں، لب پہ ہے ہم کی داستان  
کہتے ہیں اب نہیں زبیاں، دل نہیں اختیار میں



ضروری چیز ہے ایک تجربہ بھی زندگی میں  
طلب کر دیں سے لئے غور و فکر جو کچھ باطنی  
جہاں کی زمینیں راحت سناں میں چشمِ مائل کو

(۱۲۷)

کچھ نہ چھپائے ہمیشہ میرا نشیمن تھا کہاں  
سانے وہ تھے تو کتنا حالت دل کس طرح  
دل جوانی میں ہماری حباں کا خواہاں ہوا  
کر لیا ہم نے ازل میں شوق سے عداست  
دہر میں خار تعلق سے اُجھٹا کس طرح  
اب تو یہ کہنا بھی مشکل ہے وہ گلشن تھا کہاں  
ہوش میں اُس وقت میں لئے مشق من تھا کہاں  
آج تک سینے میں پوشیدہ یہ دشمن تھا کہاں  
پیش چشم اس وقت یہ دیر پرہن تھا کہاں  
کر چکا تھا میں جنوں کو نذر دامن تھا کہاں

(۱۲۸)

سچ ہے کسی کی شان یہ اسے ناز میں نہیں  
میں نے دُور شوق میں شاید سنا نہ ہو  
ان تیوروں کا میں تو ہوں کشتہ شبِ حال  
دستِ جنوں سے قطع ہوا پسیر ہوا  
کیا زور طبع ہو کہ نہیں کوئی معترض  
میں تم سے کیا بتاؤں کہ اس وقت ہوں کہاں  
میسری نگاہ شوق کا اللہ سے اثر  
جستے گناہ چھوڑ دیئے سب کھسک گئے  
ہے جس کو شوق اپنی خودی کی نمود کا  
طالب خدا کی راہ میں سر رکھنے مثل ماہ  
اکبر ہمارے خدا کا اللہ سے انقلاب

(۱۲۹)

یہ تماشے ہیں میں، زیرِ زمین تو کچھ نہیں  
وہ یہ کہتے ہیں کہ دنیا ہی میں ہے سب کچھ حضور  
کارِ دنیا شوق سے کرتے رہو اسے دوستو  
اُن کا گھر اور اُن کی باتیں دیکھ کر کہتے پڑا  
زندگی جب تک ہے سب کچھ ہے نہیں تو کچھ نہیں  
میں یہ کہتا ہوں کہ لے حضرت ہیں تو کچھ نہیں  
لیکن اس کے ساتھ بگڑا کار دیں تو کچھ نہیں  
قصرِ عالی شان ہے مسکن میں تو کچھ نہیں

(۱۳۰)

ہوائے نفس کا طوفان ہے بحیرہ زندگانی میں  
نہیں جتا کسی کا نقش اس دنیا سے فانی میں  
حبابِ آساری و قنوت جو ابھرا زندگانی میں  
سکونِ قلب کی دولت کہاں دنیا نے فانی میں  
تری پاکیزہ صورت کر رہی ہے حُسنِ ظن پیدا  
اجل کی فیند آجاتی ہے آسنور سے دل سے کو  
نیمِ مہکائی تھکتے گل سے ہے بے پروا  
حبابِ اپنی خودی سے بس یہی کہتا ہوا گدرا  
دروپہائے ہمیشہ وہ قصہ حشر و طرب ہم سے  
مکر کا کیا ہوں عاشق بھل گئی زلفِ دراز اُن کی  
ای صورت میں دلکش خوبی الفاظ ہوتی ہے  
زبانِ حال سے پروا نہ بسمل یہ کہتا ہے  
خدا محفوظ رکھے کشتیِ دل کو جوانی میں  
حبابِ آساریا، ابھرا جو بحیرہ زندگانی میں  
عبث ہے خود نمائی کی ہوا اس بحرِ فانی میں  
بس اک غفلت کی ہو جاتی ہے اور وہ بھی جوانی میں  
مگر آنکھوں کی مستی ڈالتی ہے بزمِ گمانی میں  
قیامت کا اثر پاتا ہوں دنیا کی کسانِ میں  
مگر گیسو ترے مصروف ہیں غبر نشانی میں  
تماشا تھا، جوانی نے اک گرہ دے دی تھی پانی میں  
کے اب یاد ہے اک خواب دیکھا تھا جوانی میں  
مگر خود پڑ گئی ہے اک بلبلے آسمانی میں  
کو حُسن یا کلا پیدا کرے حسبِ موعالی میں  
حضور ہی ہوا اگر حاصلِ مزا ہے نیم جانی میں

(۱۲۱)

بے بہرہ ہیں نور سے وہ آنکھیں جو تیرے لیے غناک نہیں  
سرمد وہ بھرا فروز نہیں جس میں ترے در کی خاک نہیں  
بیگانہ سرور سے ہے وہ دل جو تیرے لیے غناک نہیں  
سرمد وہ بھرا فروز نہیں جس میں تیرے در کی خاک نہیں

(۱۲۲)

اُس رخِ پتھر شوق جو ہر آنکھوں کو تو اپنی اشک سے دھو  
بے اس کے طہارتِ دل کی نہیں ہے اس کے نگاہیں پاک نہیں  
رشتہ تو بتوں سے الفت کا قائم ہی ہے دل میں قدرت سے  
زنا رہتی باقی ہے اس میں بھی مجھے کچھ پاک نہیں  
ہے سخی عشقِ نصیب مجھے مشغول میں رہتا ہوں دل سے  
حاجت نہیں نے کی میرے لیے، انگور کی مجھ کو تاک نہیں  
صورت کی ہے اُن میں جلوہ گری، معنی سے ہے بالکل بخبری  
ہیں کام تو اُن کے صاف بہت، نیت کے مگر یہ پاک نہیں  
پلیں یہ نگاہیں لکھ طرح، خود اپنی مشاہدہ نہ سکیں  
کیا اصل و حقیقت ہے میری، اور اک کو یہ اور اک نہیں  
ان مدھموں کا طرزِ عمل اکستریہ شہادت دیتا ہے  
پڑھنے کو کتابیں پڑھ لی ہیں کچھ یہ کچھ خاک نہیں

(۱۲۳)

مشرق تو سر دشمن کو کھل دیتے ہیں مغرب اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں  
ناز کیا اس پر جو بدلا ہے زلزلے نے نہیں مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں  
حضرت ہوش ہیں گودل کے دنا دار رفیق آپ کی یاد جو آتی ہے تو چل دیتے ہیں

(۱۲۴)

پیش کر دینا شکایت کا تو کچھ مشکل نہیں لیکن ان کو رنج ہو گا، مجھ کو کچھ حاصل نہیں  
عاشقوں کی زیست پر کینہ نہ رکھ اے مجھے زندگی کے بھی مزے، پھر موت سے غافل نہیں  
کیا طریقِ طالبِ دنیا کی جانب رُخ کروں ولی کو جو جبر میں سکوں، ایسی کوئی منزل نہیں  
قوم میں گو مسلم چھوٹے بھی ہوائے زندگی جان کیا پیدا ہو جب دو شخص بھی یک دل نہیں

(۱۲۵)

تخت کے قابض دی، وہیم اُن کے ہاتھ میں ملک اُن کا، رزق کی تقسیم اُن کے ہاتھ میں  
برق کی صورت پہنچتا ہے طبائع پر اثر آگیا تا رہ امید و بیم اُن کے ہاتھ میں  
ہم کو سارے پر جنوں وہ دھوپ میں مصروف کار بس یہ ہے اپنی نظر اور رسم اُن کے ہاتھ میں  
صبرِ باقی ہے نہ ہم میں باہمی استنزاز ہے سب کی ہے تدبیر اور تعظیم اُن کے ہاتھ میں  
شیخ کی جانب کوئی ہاتا نہیں مکتے ہیں سب ہے فقط اب کوڑ و تسخیم اُن کے ہاتھ میں  
مغربی رنگ دروش پر کیوں نہ آئیں اب قلوب قوم اُن کے ہاتھ میں، تعلیم اُن کے ہاتھ میں  
خوب تر ہم سے ہیں ان کے دل میں اخلاقِ اصول گو نہیں ہے وہیں ابراہیم اُن کے ہاتھ میں  
جج بنا کر اچھے چھوٹے کا لہجہ لیتے ہیں دل میں نہایت خوش نما و جیم اُن کے ہاتھ میں  
مغرب ایسا ہی رہا اور ہے اگر مشرق یہی ایک دن دیکھیں گے ہفتِ تعلیم اُن کے ہاتھ میں

(۱۲۶)

دلیلیں فلسفہ کو نورِ باطن کر نہیں سکتیں کواکب کی شعاعیں رات کو دن کر نہیں سکتیں

جو کو چھپا جائے ان آنکھوں میں مستی کی طرح  
قیمت دل میں کتنے ہو کہ سودا ہے تجھے  
فقہ و دہراں کو، ساقی کو، ساسر کو  
خیر سودا ہی سہی، تم بھی تو کچھ آحسار کو

(۱۳۹)

خوش دلی، عشق میں دستور میں ہے کہ نہ ہو  
مرض عشق بھی کیا چیز ہے جس سے صحت  
ہاں اور اُن کو بھی تو منظور یہی ہے کہ نہ ہو  
آرزوئے دل، رنجور یہی ہے کہ نہ ہو

(۱۴۰)

جلایا دل کو، تڑپایا حشر کو  
دل سوزاں کی گرمی بڑھتی ہے اور  
خدا رکھے سلامت اس نظر کو  
سنبھالو دل کو، یار کو نظر کو

(۱۴۱)

آبرو چاہو اگر انگریز سے ڈرتے رہو  
ہو مصیبت تو نہیں کچھ خوف سیلِ اشک سے  
ناک رکھتے ہو تو تیغ تیز سے ڈرتے رہو  
بیش ہو تو نفس طوفانِ خیز سے ڈرتے رہو  
دیدِ زکس سے چمن میں لطف اٹھاؤ بے خطر  
لیکن اس چشم جنوں انگیز سے ڈرتے رہو

(۱۴۲)

تا بہ سینہ گردنیں جھکنے لگیں تسلیم کو  
گر دینِ عراب مسجد خم ہوئی تسلیم کو  
درِ دل اٹھا خیالِ یار کی تعظیم کو  
اُٹھی آواز اذالِ اسلام کی تعظیم کو  
عشق پر یہ اکر دیا اللہ نے تعظیم کو  
طفلِ دل نے کتب اور اک میں دکھا جو پاؤں

(۱۴۳)

فہم دادِ راکم میں ہو عقل میں ہو، جان میں ہو  
باقہ ہو کام میں اور دل تر سے ارمان میں ہو  
حق تو یہ ہے کہ تمہیں جلوہ گر انسان میں ہو  
ہے یہی طرزِ عمل خوب جو امکان میں ہو  
تم مری جان بچپاؤ اگر امکان میں ہو  
صحن میں بیٹیوں میں کیوں بادِ جو دالان میں ہو  
دل کو روکیں کوئی صاحب اگر امکان میں ہو  
بند کر لے لگا آنکھیں اگر انسان میں ہو  
ہو نہ کچھ اور، پر اتنا تو مسلمان میں ہو  
خواہ انریقی میں ہو خواہ پرستان میں ہو  
کہ وہ ہندی سے کہ آباد پرستان میں ہو  
اس کا ایما ہے کہ مغز میں مرے ایمان میں ہو  
اٹھو کوشش کرو، بیٹھے ہوئے کس خیال میں ہو  
سُرب آواز ہو اکسب تو مرزا تان میں ہو

(۱۴۴)

ملک نہیں کہ عشق ہو اور دلِ حسری نہ ہو  
میرا ہی حال دیکھ لے جس کو یقین نہ ہو

(۱۴۵)

گرم نظارہ ہر اک صحت سیرِ راہ نہ ہو  
شارحِ معنی حُسنِ بستِ دل خواہ نہ ہو  
رہزنِ عقل کوئی صورتِ دل خواہ نہ ہو  
فہمیں قاصر نہ ہوں خلقت کی گمراہ نہ ہو  
اس کی پروا نہیں، محفل میں اگر داہ نہ ہو  
تم جو پہلو میں نہ ہو، لطفِ شبِ ماہ نہ ہو  
دیکھتے تو کہیں اس قل میں ہو اشد نہ ہو  
یہ دھما ہے کہ مری عمر سے کوتاہ نہ ہو  
جانتا ہوں میں شبِ وصل کی کوتاہی کو

خاک نے مضمحل کر کے ہیں شمس کو دیا آحسار  
ادائے شکر کر کے احسارِ اولیٰ ہے لے اکبر  
بہے جاتے ہیں بے مقصود بحسبِ زندگانی میں  
ہزاروں آفتیں شامل ہیں اُن کی ہر بانی میں

(۱۴۱)

پریشان ہوئیں کو کرتے ہیں بکھٹے دل کے کرتے ہیں  
خزینوں سے لگاؤ کرتے ہیں، آپس میں لڑتے ہیں  
خوشامد کرتے ہیں غیروں کی اور آپس میں لڑتے ہیں  
بزرگوں سے حدوت، دوستی، مادہ فروشوں سے  
اُچھا زلفِ مغرب میں دکھائے وہ اک دنیا  
تعبِ نجات، اہل زمین پر مجھ کو آتا ہے  
ہمارا جوش میں آنا دکھا ہی دے گا رنگ اپنا  
تجیز آپ کی غزلوں پر آتا ہے مجھے اکسب

(۱۴۲)

ضرورت جب نہیں پھر طبع کا کیوں رنہ بدلتے ہیں  
عوضِ قرآن کے، اسبِ ڈارون کا ذکر یاد دل میں  
ہمارا داغِ دل کتنا ہے روشن بزمِ مہسنی کو  
چمن جوتے ہوئے بے فائدہ کانٹوں میں پتے ہیں  
جہاں تھے حضرت آدم، وہاں بندہ راہچلتے ہیں  
تو کیا شکوہ اگر ہم عربی غزلوں سے جتے ہیں

(۱۴۳)

واعظ ہیں یہ واعظ کا دفتر سنائے کیوں  
موسیقی و شراب و جوانی و حسنِ دناز  
ہم پوچھتے ہیں عالمِ ہستی میں آئے کیوں  
بچتا ہے کون، اور حسد بھی بچائے کیوں

(۱۴۴)

حاصل انہیں کیا، ایک ایک سے جو افسانہِ حسرت کہتے ہیں  
عاطل تو وہی ہیں لے اکبر، جو سستے ہیں اور چپ رہتے ہیں  
بے شاکِ جدائی آپ کی اب، دن رات پریشان رہتے ہیں  
ہم آپ کو بے حد چاہتے ہیں، دل سے یہ خدا، سچ کہتے ہیں  
بے یاس شریعت بھی ہم کو، ہیں عشق کی لہریں بھی دلیں  
پابند ہیں ساحلِ مذہب کے دریا کی طسرح سے بتتے ہیں  
اکسب کی بُرائی اچھائی تو پوچھتے تھے دالوں سے  
نظم اُن کی سنی ہے البتہ، ہاں شعر تو اچھے کہتے ہیں

(۱۴۵)

وزن اب اُن کا معین نہیں ہو سکتا کچھ  
داغ اب اُن کی نظر میں ہیں شرافت کے نشان  
علم نے، دم نے، مذہب نے جو کی تھی بندش  
شیخ کو وجد میں لائی ہیں سپاؤں کی گتیں  
برف کی طسرح مسلمان گھٹا جاتے ہیں  
نئی تہذیب کی موتوں سے ڈھلے جاتے ہیں  
ٹوٹی جاتی ہے وہ، سب بند کھاتے ہیں  
بیچ و ست اور فضیلت کے ٹھٹھے جاتے ہیں

(۱۴۶)

تمہیں جو دیکھ لے، پھر کیا وہ جو جو جنت ہو  
میں کنگوں کی جانب دل بہت کھینچتا ہے لے اکبر  
قیامت کو کہ بوقت ہے عمر تم بھی قیامت ہو  
گوشل ہی ہے، شیخ جی سُن میں تو آنت ہو

(۱۴۷)

میں کو سارا قصہِ حسدِ جوانی یاد ہو  
کیا عجب ہے، عہدِ پیری میں جو وہ ناشاد ہو

(۱۴۸)

شوخی ایسا ہے کہ اُس جُبت کو اگر کافر کو  
جنس کے کتا ہے کہ پیارا لفظ ہے پھر کو



یہ ادائیں، یہ نگاہوں، یہ بلا کی چستوں  
اک زمانہ ہے مرے عقدِ مستحکم واقف  
بے رخی ماسبت کس کی نہیں باعثِ یاس  
کیوں گلابی کے عوض پہنا ہے جوڑا کاری  
شیخ کتاب ہے برائی بخت خوش زوکی کرو  
چشمِ کافر کا اشارہ ہے کہ ایماں کیسا  
اک نوحہ کی نظریار نے کی ہے آئینہ  
اپنے ہاتھوں سے جوہرِ تھیلے میں جامِ شراب (ق)  
اور سوا اس کے وہ اک شخص ہیں معقول پسند  
جو شمشیرِ گریہ بہیم کا ہے باعثِ رنج یار  
ہو غمور اور حسینوں کی، چلے جائیں جو آپ  
میں بھٹتا ہوں کہ تو رہیں جو نہ ہوں جنت میں  
دوست کا دوست نہ ہو جو وہ مراد دشمن ہے  
سالک راہِ محبت کو حسرت دے کیا کام  
خرج کیا، ہیں فقط جمع کے شائق احباب  
گل پہ ٹبل بھی فدا، بارِ صبا بھی صدر سے  
زکس مست تری، ست ایلِ عالم بھی  
مفتوں کی ادھر اندر اٹھ، ادھر کھٹکوں کی  
زلفِ ابجد کی کہیں نفی نہ کر دے ہندی  
مرد آزاد ہوں مجھ سے یہ تکلف کیسا  
دسترس صید پر حاصل تجھے ہو، خواہ نہ ہو  
ذوقِ آرام بحب، شوقِ فعلی بے جا  
دل کو بے عشق حقیقی نہیں ہوتی حرکت  
خیر خواہ آج زمانہ میں کہاں ملتے ہیں  
عمر تکیں رہے، نفرت ہو سبک دھند سے  
شرک ہے، اپنی خودی کا اگر آتا ہے خیال  
یا قدم منزلِ یوسف میں نہ رکھ لے طالب  
بند کر بیٹھا ہو آنکھیں جو تمہاری دھن میں  
ہے اگر منزلِ راحت کی تلاش اسے اکبر  
تم اگر چاہو بڑائی نہ کسی کی اکبر

میں تو کیا، ضبطِ فرشتوں سے بھی والہ نہ ہو  
اس کا باعث جو ہے، شاید وہی آگاہ نہ ہو  
نظرِ شوق سے شاید ابھی آگاہ نہ ہو  
عینِ دل کی پری جان کہیں گاہ نہ ہو  
دل دھڑکتا ہے کہ ناخوش کہیں اللہ نہ ہو  
چہرہ ہنستا ہے کہ دیکھو کوئی گمراہ نہ ہو  
دل سے نکلتے تو کہاں تک اڑاؤ نہ ہو  
شیخ صاحب کو ذرا عذر بھی واللہ نہ ہو  
غالباً جاٹوں میں یوں بھی انہیں آگاہ نہ ہو  
جزر و مد ہو نہ سمندر میں، اگر ماہ نہ ہو  
دوئی آجائے کو اکب میں اگر ماہ نہ ہو  
تو غواہیل پھر انساں کا بدخواہ نہ ہو  
نہ ملے مجھ سے وہ اس کا جو بھی خواہ نہ ہو  
وہ تو چاہے گا کہ خود ہو شمس بھی ہوا نہ ہو  
میں تو خوش ہوں، اگر افزائشِ تنخواہ نہ ہو  
صورت اچھی ہو تو پھر کون ہوا خواہ نہ ہو  
کہیں متیادِ احبیل کی یہ کہیں گاہ نہ ہو  
ڈھونڈھوں وہ شہر کہ جس میں کوئی دکان نہ ہو  
لام کی ہا کہیں لا، اے مرے اللہ نہ ہو  
بس مرے ساتھ یہ واللہ واللہ نہ ہو  
شیر ہی بن کے نکل، صورت دوبارہ نہ ہو  
طلبِ رزق ہو سیکن ہو سب جگہ نہ ہو  
دیں چلتی ہے یہ کشتی کہ جہاں تھا نہ ہو  
سے ہی لاکھ قیمت، کوئی بدخواہ نہ ہو  
صورت کہ ہو، انسان صفت گاہ نہ ہو  
گھر ہے، جان سے پیارا اگر اللہ نہ ہو  
یا نہ کہ شہر طرک داں گرگ نہ ہو چاہ نہ ہو  
کیا عجب شور قیامت سے بھی آگاہ نہ ہو  
وہ جگہ ڈھونڈ، تمنا کی جہاں راہ نہ ہو  
پھر تمہارا بھی جہاں میں کوئی بدخواہ نہ ہو

(۱۴۶)

فکر ہے راہِ ترقی میں اگر بڑھتے ہو  
شیخ صاحب کا تعصب نہ ہو فرماتے ہیں  
یہ سوال، ان کا ہے ابدت بہت باعینی  
دین کو سیکھ کے، دنیا کے کوشے دیکھو

(۱۴۷)

بہت دیکھتے ہیں ان دیکھ کر گرتی قدرت کو  
بہت خوش ہے کہ قدِ تعبت ہیں کے مطابق ہے

(۱۴۸)

سب جو چلے ہیں اس بت کا فراد کے ساتھ  
جادو کیا یہ کس بخت کا سرنگاہ نے  
خواب اجل ہی ٹیند کے بدے اب آئے گا  
واعظ کے اعتراض سے تنگ آگیا ہوں  
اکبر دعا کا ذوق ہو کیونکر نصیب دل

(۱۴۹)

کرتے ہر دم خوشامد دنیا بڑھلکے ہاتھ  
اللہ کی طرف نہیں اٹھتے دعا کے ہاتھ

(۱۵۰)

اچھی نہیں شے کوئی محبت سے زیادہ  
اے سن کے مانگ، یہ نصیحت مری سن لے  
سید سے علی گڑھ میں یہ جا کہ کوئی کہہ دے  
مخبرند سے اس درجہ نہ ہو عمرت سے اسے شیخ  
اک برس پہ وہ مال گئے، ہم بھی رہے چپ

(۱۵۱)

عشق بُتیاں میں اکبر ناداں، تیری یہ حالت، تو بہ تو بہ!  
ایسے مسلم فخرِ حرم کی دیر میں ذلت تو بہ تو بہ!  
دیواروں سے ٹھٹھٹ پٹھٹ، سب کا خلاصہ مجھ سے ٹپنے  
آپ کی صورت سبحان اللہ، میری نیت تو بہ، تو بہ  
مذہب چھوڑو، ملت چھوڑو، صورت بدلو، عمر گنواؤ  
صرف کلر کی کی امید اور اتنی معیبت تو بہ تو بہ!  
سڑکے کھنی ہے دستِ بخش سے، بولتے بدلی آتی ہے اس سے  
ایسی چیز سے جانی صاحب آپ کو رخصت تو بہ تو بہ!

(۱۵۲)

غرمی نگ کی خزاں سے جلے گی اک بادشاہ  
اے مسلمان سجدے لے لے برہمن زنا بادشاہ  
سر میں سودا آخرت کا ہو، یہی مقصود ہے  
خلق تجھ سے بے خبر ہے، خبر خالق کو تو

(۱۵۳)

بیکار شب کو یوں سرِ بستر پڑاؤ  
اکبر جو تجھ کو نیند نہ آئے تو شعر کہہ

(۱۵۴)

بچنا فضول گوئی سے ہے مقصدِ سکوت  
نامِ خدا بڑھے ہیں کہیں آپ بدر سے  
یہ عمر یہ جمال، یہ جادو بھری نگہ

(۱۵۵)

نقو پہ جس طرح سے ہوتا دی کا ساز بوجھ  
کپتان اپنی مولا میں ہے ہم ہیں ڈوبتے  
منصور سرگم کے سبکدوش ہو گیا  
اکبر کے واسطے بھی وہی شہرِ پاس کی

(۱۵۶)

جو کہ دے حسن کو مشتاق و مقیاب غضب ہے وہ اداسے عاشقان  
سناخون جگر کھانا ہے اکسیر مبارک یہ عزت داسے عاشقان

(۱۵۷)

آئندہ دکھ دے، بہا و غفلت افزا ہو چکی دل سوار اپنا جوانی تو خود آرا ہو چکی  
خاندان کی خرابی پر بھی لازم ہے نظر زینت و آرائش قصر معیشت ہو چکی  
بے خودی کی دیکھ لذت کر کے ترک آرزو ہو چکی حد بوس، مشتق تیرا ہو چکی  
حسن مطلق کے قصوت سے بھی بے دو ایک جام رونے زیبا ہو چکا، زلف چلیپا ہو چکی  
چل بے یار و بہرام، اٹھ گئے پیارے عزیز آخرت کی اب کہ اکبر فکر دنیا ہو چکی

(۱۵۸)

نکمت گل سے شمیم زلف یاد آ رہی گئی آج تو مجھ کو نسیم صبح تڑپا رہی گئی  
بادۂ عرفان کی مستی روح کو بھیا رہی گئی عقل سر میں رہ گئی، دل میں کچھ اور آ رہی گئی  
اس جفا پر بھی طبیعت اس پر بس آ رہی گئی اک اداسی تم نے ایسی کی کہ وہ بھیا رہی گئی  
عاشقوں میں رسم عیش و تیوی رائج نہیں تیس کب دو لہا بنا، میلے کہاں بیا رہی گئی  
اک لطافت قلب میں تھی عقل و حکمت کے سوا رہ گئے سب وہ مگر پر تو تڑپا رہی گئی  
مختلف شکلوں میں آکر ہو گئی آئینہ ہوا ابر کی پھٹی مری امید پر چھا رہی گئی  
عشوہ وائے دشمن ایماں کا اک طوفان تھا دیکھ کر بت کو گر یا وحشا آ رہی گئی  
خوش نصیبی زائل دنیا کی تعجب خیز ہے چاہے جانے کے نہ تھی رات، مگر چاہی گئی  
مستی سے سے نظر ان کی تھی تیغ بے نیام نقد عشق و جنوں سے پھر بھی شریا رہی گئی  
سیکھ لو بدلی سے تم طرز عمل اے عالم جو سمندر سے لیا تھا، ہم پر برسا رہی گئی  
اپنے تمکین و تحمل پر بہت نازاں تھیں اک بت کا سر کی چشم مست تڑپا رہی گئی

(۱۵۹)

قص کرتی ہے مبارک لغہ سرا ہے بیل شاہد گل کے لیے ناچ بھی ہے گانا بھی  
ہرگز کاوش کی وہ صبح ہے کہ ٹپ جاتا ہے دل کسی استاد سے تم سیکھے ہر شہر ناچ بھی

(۱۶۰)

کچھ طرز ستم بھی ہے، کچھ اندازِ وفا بھی کھٹا نہیں حال ان کی طبیعت کا ذرا بھی  
عشوہ بھی ہے، شونہ بھی، تبستم بھی، حیا بھی ظالم میں اور اک بات ہے ان سب کے سوا بھی  
ایمان بھی تھا، علم بھی تھا، عقل رسا بھی وہ سے گئے دل اور کوئی بولا نہ ذرا بھی  
الفت ہی میں کرتے ہیں شکایت بھی، گلہ بھی اب اس کو جھلا دو کچھ اگر میں نے کہا بھی  
بیچ بات کا انکار میں کیونکر کروں اے بت بیشک مجھے آتی ہے سبھی یا وحشا بھی  
ساک کو دم تیغ سے قطع رہ تو حید دو ہو گیا اک آن میں، چوکا جو ذرا بھی  
کچھ قدر نہ کی حمد جو ان کی صدا فکوس ہم رہ گئے غفلت میں یہ آیا بھی، گیا بھی  
تصدیق ہوئی دیکھ کے وہ قامت زیبا سنا تھا کہنتے ہیں قیامت کے سوا بھی  
دیکھیں گے حاصل ہوتے ہوئی جاناں اپنے کو ہے موجود مراد دل بھی، حنا بھی  
ڈاڑھی پر بھی واعظ کے بے توں بھی ان کے چالاک مرے ہاتھوں کی صورت ہے حنا بھی  
باقی نہ رہا خون بھی اب میرے جگر میں افسوس، ہوا چاہتی ہے ترک عذاب بھی  
کیونکر کموں رنگیں باطن سے ہے عزت پامال نظر آتی ہے مجھ کو تو حنا بھی  
چپ رہتا ہوں تو کہتے ہیں الفت نہیں مجھ کو کرتا ہوں خوشامد تو یہ فرماتے ہیں، جا بھی  
سننے ہیں کہ اکسیر نے کیا عشق بتاں ترک اس بات سے تو خوش نہ ہوا ہو گا حنا بھی

(۱۶۱)

نظر لطف سے بس اک میں محسوم رہے اور کیا عرض کریں، آپ کو محسوم رہے

(۱۶۲)

چمن کی یہ کیسی ہوا ہو گئی کہ صرصر سے بدتر بھا ہو گئی  
حیات کو آتے، شمع ہو گئی علات ہماری دوا ہو گئی  
وہ اٹھے تو لاکھوں ہی تھنے اٹھے چلے تو قیامت بھا ہو گئی  
پڑھی یاد رنج میں جو میں نے نماز عجب حسن کے ساتھ ادا ہو گئی  
تماشا لے مقل کو آئے جو وہ تڑپنے کی لذت سوا ہو گئی  
محبت کی گرمی بھی کیا چسپڑ ہے طبیعت مری کیا سے کیا ہو گئی  
لگاؤ بہت ہے تری آنکھ میں اسی سے تو یہ منتہ زرا ہو گئی  
میں ممنون ہوں وعدہ یاد کا قتل تو خمیر اک ذرا ہو گئی  
موتوں نے بھلایا جو دل سے مجھے مرے ساتھ یا وحشا ہو گئی  
انہیں نے عطا کی تھی جان حسنین ہوا خوب، انہیں پرستار ہو گئی

(۱۶۳)

مری روح تن سے جدا ہو گئی کسی نے نہ جانا کہ کیا ہو گئی  
بہت و خیر و زحمتی رنگیں مزاج نظر ملتے ہی آشنا ہو گئی  
مری محبت ترا مر گیا خدا کی طرف سے دوا ہو گئی  
نہیں تھی تو نام کمر کیوں ہوا جو پیدا ہوئی تھی تو کیا ہو گئی  
نہ تھا منہ دل عافیت کا پتہ قناعت مری رہنا ہو گئی  
ملا میں بھی اک رات دنیا سے خوب مرے گھر بھی یہ بیسوا ہو گئی  
ستایا بہت عاصدوں نے مجھے تری مہربانی جفا ہو گئی  
گھٹی گو کہ زندگی سے وقعت مری طبیعت گھر سے ریا ہو گئی  
گوارا نہ تھا ذکر خون جگر گمراہ تو میری خدا ہو گئی  
موتوں کو محبت نہ ہوتی مری خدا کا کرم ہو گیا، ہو گئی  
اشارہ کیا بیٹھنے کا مجھے عنایت کی آج اتنا ہو گئی  
رہ معرفت میں جو رکھا تدم خودی بھی بس اک نقش پا ہو گئی  
کتاب حقیقت کرے کون خستم کہ ہر اک خمیر مبتدا ہو گئی  
وہ ساری امیدیں لی خاک میں جو بدلی اٹھی تھی ہوا ہو گئی  
فلک سے مٹا دل کا سارا اجمار جو بدلی اٹھی تھی ہوا ہو گئی  
یہ تھی قیمت مذاق ٹوٹے جو دانت غرض کوڑی کوڑی ادا ہو گئی  
پھنسی جسم خاکی میں روبرو لطیف اسیر کمند ہوا ہو گئی  
دوا کیا کہ وقت دعا بھی نہیں تری حالت اکسیر یہ کیا ہو گئی

(۱۶۴)

عاشق جو آستانہ مشکل کشا کی ہے تابش مری جبین پہ نور خدا کی ہے  
حُب علی شمس ہو گی نذر کی شکفتگی کلیوں کو احتیاج نسیم و صبا کی ہے  
رو بہ مزاجیاں سگ و نمیا کی دیکھ لیں حسرت بس اب زیارت شیر خدا کی ہے  
صورت شکفتہ ہر گل رنگیں تب کی ہے (ق) مستان چال باغ میں باد صبا کی ہے  
آزار ہی نہیں ہے کہ پیدا ہو اشک و آہ دنیا میں دھوم خوبی آب و ہوا کی ہے  
پھولوں سے لو لگائے ہے باد صبا کی ہے دمساز تان بلبلی شیریں نوا کی ہے



سبزہ لہک رہا ہے یصد انبساط طبع  
مُرفانِ باغ و حب میں ہیں فرط شوق سے  
آراستہ ہے ایک طرف بزمِ مومنین  
پوچھا جو اس سماں کا سبب بول اٹھے ملک  
(۱۶۵)

سنبلی میں تاب یار کی زلفِ دوتا کی ہے  
ڈوبی ہوئی مڑے میں طبیعتِ ہوا کی ہے  
کثرتِ لبوں پہ حمد، درود و دعا کی ہے  
پیدائش آج حضرتِ مشکل کشا کی ہے

دل مرا اُن پہ جو آیا تو قصا بھی آئی  
آئے کھولے ہوئے بالوں کو تو شوق سے کہا  
دائے قسمت کہ مرے کفر کی وقعت نہ ہوئی  
ہوئی آغازِ جوانی میں نگاہیں مسچی  
دس لیا افعی شامِ شبِ فرقت نے مجھے

درد کے ساتھ ہی ساتھ اس کی دوا بھی آئی  
میں بھی آیا ترے گھر، مسیری بلا بھی آئی  
بُت کو دیکھا تو مجھے یادِ حسنِ دلی بھی آئی  
نقشہ آنکھوں میں جو آیا تو حیا بھی آئی  
پھر نہ جاگوں گا اگر نسیبِ خدا بھی آئی

فارسی اٹھ گئی، اردو کی وہ عزت نہ رہی  
بند کر اپنی نہ ہاں، ترکِ سخن کر اکسیر  
(۱۶۶)

سے زباں مُند میں مگر اُس کی وہ قوت نہ رہی  
اب تری بات کی دنیا کو ضرورت نہ رہی

روز افزوں ہو محبت، وہ ملاقات اچھی  
وہ عمل کیا جو دیری کو گھٹاتے دومت  
موقعِ بحث نہیں، صاحبِ اقبال ہیں آپ  
شبِ برات اچھی ہے اے جان نہ اچھی شبِ قدر  
ہم بغلِ شاہدِ دلجو ہو تو حسبِ آڑا اچھا  
مائل ضبط بھی ہوں شایقِ فریاد بھی ہوں  
فقدِ اُن آنکھوں سے اٹھا تو چھی واہ کی دھوم  
ہو نمود اپنی تو اندھ صیر کی پروا کس کو  
آپ کے جو رو کسم بھی ہیں دل آویز مجھے  
بارِ خاطر ہو تو واعظ کا بھی ارشاد بُرا

شوق ملنے کا بڑھاتی رہے، وہ بات اچھی  
قوتِ دل کو بڑھاتی رہے، وہ بات اچھی  
میری ہر بات بڑی، آپ کی ہر بات اچھی  
آپ جتن میں مرے آئیں، وہی رات اچھی  
ہم نشیں ساتی، مہوش ہو تو ہر سات اچھی  
جو پسند آپ کو آجائے وہی بات اچھی  
سیج یہ ہے، صاحبِ اقبال کی ہر بات اچھی  
کوئی تاروں سے جو پوچھے تو کہیں رات اچھی  
چشمِ عاشق میں ہے عشق کی ہر بات اچھی  
دل کو بھا جائے تو اکبر کی خرافات اچھی

آپ کا خیر طلب لائقِ عزت نہ سہی  
ہو رہو خاکِ دیرِ سپیدِ مغال اے اکبر  
کر دیا کجِ خناعت میں ہر اکبر نے

رسم ہی کیجئے بلند، محبت نہ سہی  
زندگی نطف سے کٹ جائے گی، عزت نہ سہی  
عزتِ دل تو سلامت رہی، دولت نہ سہی

شکدہ پائے طبیعت جس سے تو رکھ نکل اپنا دن رات وہی  
جو دل میں سمائے، من جھائے، ہے تیرے لیے حق بات وہی  
کیا روتا ہے اگلے وقتوں کو، کہہ کر دے تو اپنے فوجوں کو  
بھٹکاتے ہیں جو، اُن سے ہر ملک پھرن ہیں وہی اور رات وہی  
دھرتی نے جو بدلا رنگ تو کیا، تو اپنی نطشہ اوپر کو اٹھا  
دانا کے کرم میں کیا ہے کئی، بدلی ہے وہی، ہر سات وہی

میری ناکامیابی کی کوئی حسد ہو نہیں سکتی  
مری، ستم ہے خود شاہدِ وجود ذاتِ باری کی  
نہیں ہاتھ آتی دولت نامِ رٹنے سے بڑگول کے

صدِ وقت چل نہیں سکتی، خوشامد ہو نہیں سکتی  
ویل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رو ہو نہیں سکتی  
ہجاست جلد کے ترکیبِ زبرد ہو نہیں سکتی

نہایت خوشنما پتھر پڑے جس عقل پر اُن کی  
ترجم سادہ سستی کا تجھے کیا نطف دے غافل  
بہاد آئی ہے اُن واعظ، ابھی سفور و رکھ مجھ کو  
بڑی تعلیم سے پیدا ہوں کہ را میں غلط سیکھ  
لیکھ کو، پچھ کر اکبر میں جبکتا ہوں کسی در پر  
مسلمانوں کو فیض اس بزم سے ممکن نہیں اکبر

شکستہ تم نے مرے درد کی کچھ داد تو دی  
کیا بڑا شمعِ محرم تو نے، بجھا دی اسے دوست

بہ رفتار میں جب کرتا ہوں تدبیر نئی  
قرعہ شام کا ہے عواد میں قناعت کا ٹہر  
پالشی تیرے ہے، میرے لیے صبر و رضا  
کھولنے دیتے جو جو تم مذہب و ملتِ پیار

انفیت سے تری قطعِ نظر ہو نہیں سکتی  
انفوس کہ دل شوقِ حضوری میں ہے بیتاب  
اغیار کی، کی آمد و شد آپ نے جاری

ختم کیا صبا نے قص، محل پہ نشاد ہو چکی  
نیک و بد زمانہ کو دیکھ کے محل نے راہ لی  
رنگِ بنفشہ مت گیا، سنبلی نہیں رہا  
مستی لالہ اب کہاں، اس کا پیالہ اب کہاں  
رتہ جو تھی، بدل گئی، آئی بس اور نکل گئی  
اب تک اسی رہنمائی ہے اکبر سے نہ بھر

بہت رہا ہے کبھی نطفِ یار ہم پر بھی  
حردس دہر کو آیا تھا پیار ہم پر بھی  
بٹھا چکا ہے زمانہ ہمیں بھی مسند پر  
عدو کو بھی جو بنایا ہے تم نے عسکر لڑ  
خطا کسی کی ہو، لیکن کھلی جو اُن کی زباں  
ہم ایسے دند گھر یہ زمانہ ہے وہ غضب  
ہیں بھی آتشِ اُلفت جلا چکی اکبر

اُن کی نگاہ دشمنِ اسلام ہی رہی  
یاروں نے سو طرح کے مشاغل کئے ہم

قلمیں دل اس بزم میں دالند نہ پائی  
چاہا تھا نکل جائیں، مگر راہ نہ پائی

ہم نشیں بک کے اپنا سر نہ پھرا رنج میں ہوں ، ہنسی نہیں آتی  
عشق کو دل میں دے جگہ اکبر علم سے شاعری نہیں آتی

(۱۸۵)

دشتِ غربت، علالت بھی ہے تنہائی بھی اور ان سب پر مسزوں باغیہ پیاٹی بھی  
خوابِ راحت کماں، نیند بھی آتی نہیں اب بس اچٹ جانے کو آتی جو کبھی آتی بھی  
یاد ہے مجھ کو وہ بے فکر و آغازِ شباب (ن) سخن آراتی بھی تھی، افسوس آراتی بھی  
صحنِ گلزار بھی تھا، ساقی گلغام بھی تھا سنے گل رنگ بھی تھے، اے بھی تھی اور نانی بھی  
نگہِ شوق و تمنا کی وہ دلکش تھی کسند جس سے ہوجلتے تھے رام آہوئے محروانی بھی  
ہم منم خانہ جہاں کرتے تھے اپنا نام ہم پھر کھڑے ہوتے تھے واں خود کے شیدائی بھی  
اب وہ عمر، زوہ لوگ، زوہ میل و نہار بچہ کئی طبع، کبھی جوشش پر گزرتی بھی  
اب تو شبہ بھی مجھے دیو نظر آتے ہیں اس زمانہ میں پری زاد تھی رُسوائی بھی  
میں تو آنکھوں میں جگہ دینے کو حاضر تھا اے نیند قلم سے یہ پڑھو کہ کبھی آتی بھی  
اب تلک گونڈ سے امید رہائی نہیں کچھ لیجئے ہر گئی حسرت آج تو جوانی بھی  
کام کی بات جو کتنی ہر وہ کہہ لو اکبر دم میں چھن جانے گی یہ طاقت گویائی بھی

(۱۸۶)

عشق و مذہب میں دو رنگی ہو گئی دین و دل میں خانہ جنگی ہو گئی  
سختی ایام کا دیکھو اثر گلبدن کی جا یہ سنگی ہو گئی  
دُختِ رز شیشہ سے نکلی بے جواب سامنے رندوں کے سنگی ہو گئی  
علم یورپ کا ہوا میدان وسیع رزق میں ہسندی کے سنگی ہو گئی

(۱۸۷)

کر دیا نزع نے واقف کر یہ ہستی کیا تھی ہر شس آیا تو کھلا حال کسستی کیا تھی  
رنگِ حافظ پر بہک جاتے ہیں اب مجاز یہ سمجھتے نہیں وہ بادہ پرستی کیا تھی  
فرقتِ یار میں بدلی کا مزہ کچھ نہ ملا میری نظروں میں تو ردی تھی، ہستی کیا تھی  
میں تو بت خانہ میں گاؤں نہ ہوا عزت کا دین کے بدلے میں ملتی تھی تو کسستی کیا تھی

(۱۸۸)

ادو العز می جسے کبھی تھے ہم وہ خود کتنی نکلی گمان ہوشیاری جس پر تھا، وہ بے ہوشی نکلی  
غضب یہ ہے کہ فریاد و فغاں بھی کر نہیں سکتے جو دیکھی خالی تو بس اس میں پندِ غاشی نکلی

(۱۸۹)

وقتِ پیری آگیا اکبر جوانی ہو چکی سانس لیسا رہ گیا اب، زندگانی ہو چکی  
بھر میں دل کی سزا اے میرے جانی ہو چکی طے اب ہر حسد انا مہربانی ہو چکی  
ایڑیوں تک پہنچی زلف اُن کی تو مجھ کو کیا امید راحتِ جاں یہ بلائے آسمانی ہو چکی  
وقتِ لطفِ مہر ہے اے جانِ احسن چھوڑ دے کیجئے دلِ ادبیاں اب، دلِ ستانی ہو چکی  
ضعف ایسا ہے تو قصہ کوئے جانِ کیا کر دل ہمتِ عالی تو نذرِ نا توانی ہو چکی  
رنگِ گلزارِ جہاں ہے ہائے کتنا بے ثبات دو ہی دن میں لالہ و گل کی جوانی ہو چکی  
ایک عالم منتظر ہے مِس اُلیٹے اب نقاب کیجئے برہا قیامت، کُن تکرانی ہو چکی  
عاشقیِ شاہدِ کالج ہے برباد کا علم پاس تک پہنچے نہیں ہم اور جوانی ہو چکی  
حضرتِ دل ہو گئے اس عہد میں مجز و شکم کیجئے عزمیٰ تو یسی، شعرِ خوانی ہو چکی

(۱۹۰)

رفیقِ حرم و مکاری دلیبری ہو نہیں سکتی جو میں رو بہ طینت، اُن میں شیری ہو نہیں سکتی

آنکھوں نے کوئی صورتِ دل خواہ نہ پائی غواص رہی بحیرِ حقیقت کی ہمیشہ  
سکرِ حکمانے بھی مگر تھا نہ پائی دیکھی نہ کوئی بات سوا نام کے اس میں  
کچھ لذتِ شان و چشم و جاہ نہ پائی بارِ دل پر حسرت میں کمی ہوتی کچھ اس سے  
فریاد کی طاقت بھی مگر آہ نہ پائی ملت کا ادب اٹھ گیا جس قوم کے دل سے  
اقبال کی سمت اس نے کبھی راہ نہ پائی

(۱۹۱)

گھر کی رغبت بھی پل میں، بول کی جاہ بھی کفر کی رغبت بھی پل میں، بول کی جاہ بھی  
اتنے قدری سے کوئی صاحبِ دل خوش کریں اتنے قدری سے کوئی صاحبِ دل خوش کریں  
واہ کیا جلوہ ہے پیش چشمِ ادراکِ بشر واہ کیا جلوہ ہے پیش چشمِ ادراکِ بشر

(۱۹۲)

حالت تو یہ پہنچی ہے کہ دیکھی نہیں جاتی اور دل سے محبت ہے کہ اب بھی نہیں جاتی  
کیا کام چلے، اُن کی توجہ نہیں اکبر اب کیے خوش آمدی، تو وہ کی نہیں جاتی

(۱۹۳)

مئی تہذیبِ ساقی نے ایسی گرم جوشی کی کہ آخر مسکوں میں رُوح چھوٹکی بادہ نوشی کی  
تھاری پانی کا حال کچھ کھلتا نہیں صاحب ہماری پانی تو صاف ہے ایماں فروش کی  
پھپھانے کے عوض چھپو رہے ہیں خود وہ عیب اپنے نصیحت کیا کر دیں تو اب عیب پوشی کی  
پننے کو تو کپڑے ہی دھتے، کیا نرم میں جاتے خوشی کھڑے کر لی ہم نے جتن تا جوشی کی  
شکستِ رنگِ زہرِ بیک اثر دیکھیں سنے مرشد مسلمانوں میں کثرتِ ہور ہے ہے بادہ نوشی کی  
رعایا کو مناسب کہ با ہم دوستی رکھیں حماقت، حاکموں سے ہے توقع گرم جوشی کی  
ہائے قافیے تو ہو گئے سب ختم اے اکبر لقب اپنا جو دے دیں مہربانی ہے یہ جوشی کی

(۱۹۴)

حسن ہے بے وفا بھی، مانی بھی کاشش مجھے اسے جوانی بھی  
بڑھتا ہے تپا ہے جن تو مگر ساتھ ہی اس کے نا توانی بھی  
سب پر عادی ہیں ثعبانِ فرنگ چپ ہیں ہیگم بھی، بُت ہیں رانی بھی

(۱۹۵)

دل مبتلائے غفلت تو ہے خود دیرِ نانی جو خدا کی یاد آئے تو اُسی کی مہربانی  
جو گزر گیا خودی سے تو وہ مل گیا اُسی سے نہ ہوائے ریتِ ادبی نہ جانے کُن تکرانی  
میں نہاں پر راؤں کیونکہ وہ حدیثِ حسنِ مطلق کو نہ بار لفظ اٹھائے گی نزاکتِ معانی  
میں سمجھ گیا وہی ہے مرے پردہ نفس میں مجھے اب تو سانس لینا ہی ہے لطفِ زندگانی

(۱۹۶)

شیخ کی بات بگڑنے سے بھی مطلق نہ بنی بادہ خوری پر بھی اس شونخ سے گاڑھی زچھی  
گم ہوتے جوش، جو دیکھا بُتِ ترسا کا جمال اس قدر کبر و عتو ہے، یہ درج، اللہ غنی!  
آپ کے ہر نہیں سکتے ہیں یہ غریبِ ریزے دل نہ ٹھہرے تو تھکی جاتے ہیرے کی کئی  
پاؤں کا نپا ہا کئے خوف سے اُن کے در پر چشتِ پستکون پہننے پر بھی پندلہ د تھی  
دل ہی دیتا تھا یہ، وہ دین بھی کرتے تھے طلب یہی باعث تھا کہ اکبر کی بول سے نہ بنی

(۱۹۷)

آئی ہوگی کسی کو حیر میں موت مجھ کو تو نیند بھی نہیں آتی  
عاقبت میں بشر سے ہے یہ ہوا جانور کو ہنسی نہیں آتی  
حال وہ پرچھتے ہیں، میں ہوں خوش کیا کموں شاعری نہیں آتی



مجھ گئے کہ یہ اپنے حواس ہی میں نہیں  
یہ خاکسار بھی کچھ عسرسخ حال کر لیتا  
یہ جس نے آنکھیں دی ہے وہ قابل دید  
تجربا یہ زندگی سے رکھتے ضرور ہی الفت  
دلوں کو الفت دنیا نے سخت ہی دکھا  
گناہ گاروں نے دیکھا جمال رحمت کو  
سب زبہوں کو جو وحشت جمال انساں سے  
وہ ظلم تم میں ہے میرے سوا کوئی بندہ  
جناب حضرت نامح کا واہ کب کتنا  
مذاق عشق نہیں شیخ میں یہ ہے انوس  
یہ ان کی بے خبری ظلم سے بھی ہے افزوں  
کبھی یہ میں نے نہ پایا کہ ہوں وہ دوست کے  
دخو سے ہو گئی جائزہ ساز یاروں کو  
تھارے سن کے بھی تذکرے میں شہروں میں  
محلی شکر ہیں اکبر یہ درخشاں نظلیں

(۱۹۷)

ضروری کام نیچر کا جو ہے، مگرنا ہی پڑتا ہے  
نہیں جی چاہتا مطلق، مگر مرنا ہی پڑتا ہے  
خدا کو مانتا ہی پڑتا ہے، دنیا کو جب برتر  
خیال مرگ سے انسان کو ڈرنا ہی پڑتا ہے

(۱۹۸)

آپ کے قصر دل آدینہ کا کنا کیا ہے  
سائنس میں کو ذرا تھہرا ہوں میں دنیا میں  
کیسا سامان اقامت مجھے رہنا کیا ہے  
کہ چکا اس قدر اور پھر وہی الجھن دل کی  
شکر اگر وہ لگے کہ زلت، زلت!

(۱۹۹)

امید و بیم کے جھگڑوں سے آگاہ ہی نہیں رکھتے  
سبب یہ ہے کہ ہم کوئی قسمت ہی نہیں رکھتے  
تجھے اسے چرخ کیا مشکل ہے ہم کو مطلق رکھنا  
فقیر بے نوا میں، شوکت سٹا ہی نہیں رکھتے

(۲۰۰)

لب آشنائے دعا ہوں نہ ماسوا کے لیے  
مقام شوق میں اسے دل وہ رنگ پیدا کر  
سوائے مرگ نہیں کچھ علاج درد منہ راق  
جو ہر کے تو انہیں لاؤ بس میں اچھا ہوں  
جو آرزوئے اجل جو تو دل کسی سے لگا  
شب فراق میں آیا خیال زلف سیاہ  
پکارے جو خدا کو تو بس خدا کے لیے  
نظر زبان بنے عسرسخ دعا کے لیے  
اجل کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں دوا کے لیے  
یہ اہتمام جہت ہے مری دوا کے لیے  
بہانہ چاہیے آخر کوئی قضا کے لیے  
یہ اور عسرسخ ہوا گیسوئے بلا کے لیے

کسی کے ساتھ، نیانے وفا کی ہی نہیں اپنا ک  
کوں جھگڑ کے ہوتے کیوں شہتے ان کی زلفوں کو  
خدا ہی جلتے کھتے قابو میں مشترک ہوگی  
محبت اپنی ہی پرلوں سے رکھیں حضرت اندر  
فروں ہے دلکشی مشرق کی مغرب کی طافت  
خدا لگے جو کچھ ہے آپ ہم دودن کے سماں ہیں  
غزل میں حالت دل نظم کر سکتا ہوں اے اکبر  
تو میں کیوں ہوں اس کا جو مری ہو نہیں سکتی  
جب اتنے چاند ہوں تو رات اندھیری ہو نہیں سکتی  
یہ خاک جسم بھی دنیا میں تیسری ہو نہیں سکتی  
سرسخ درد دل ان کی چسپری ہو نہیں سکتی  
حریف بلبل کاشش کندی تیری ہو نہیں سکتی  
خرد مندوں میں باہم میری تیری ہو نہیں سکتی  
مگر ان سے کوں، اتنی دوسری ہو نہیں سکتی

(۱۹۱)

پیش دل مجھے ہوتی ہے کہیں اس سے سوا  
بیٹھے تو رہے، ابھی آپ نے دیکھا کیا ہے

(۱۹۲)

پسند آئی ہے غولت میں ہوں اب اور گھر کا گوشہ ہے  
طبیعت اور پسند رزق مایحتاج ہے ملتا  
خدا کی یاد منزل ہے قناعت اپنا گوشہ ہے  
بہیں اک گوشہ گندم یہاں، پردیں کا گوشہ ہے

(۱۹۳)

مدد جہذیل غزل رسالہ پیام یاز کی دی ہوئی طسرح پر لکھی گئی تھی

اپنا رنگ ان سے ملانا چاہیے  
خوب وہ دکھلا رہے ہیں سب زباں  
چال میں تلوار ہے دل کی گھڑی  
قول بالو ہے کہ جب بل پیش ہو  
کچھ نہ ہاتھ آئے مگر عزت تو ہے

(۱۹۴)

دو عالم کی بنا کیا جانے کیا ہے  
مری نظروں میں ہے اللہ ہی اللہ  
حقیقت پر چھ گلی کی بسلوں سے  
ہوا ہوں ان کا عاشق ہے یہ اک جسم  
مرے مقصود دل تو بس نہیں ہو  
لگاؤٹ بھی ہے ساتھ اس کے جفا بھی  
نہ اکبر سا کوئی ناداں، مذہبی ہوش

(۱۹۵)

ہم ان کی خوشی کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے  
وہ کہتے ہیں یہ ٹھیک ہے، ہم کہتے ہیں جی ہاں  
بت خانے سے کچھ نہیں نہ ہو گا تمہیں اکبر  
لیکن وہ جفاؤں کے سوا کچھ نہیں کرتے  
بالفضل تو ہم اس کے سوا کچھ نہیں کرتے  
تم یاں بھی بجز یاد خدا کچھ نہیں کرتے

(۱۹۶)

نہ بہتے اشک تو تاشیر میں سوا ہوتے  
جنوں عشق میں ہم کاشش مبتلا ہوتے  
لیا نہ تھکیے میں ان کا بوسہ، چوک ہوئی  
ستم کا جس ہے کئے سب میں تیرے جو جمال  
نہ ہوتی گر یہ حسینان چیں کی پاسبندی  
صدف میں رہتے یہ موتی تو بے بہا ہوتے  
خدا نے عقل جو دی تھی تو باعند ہوتے  
بلا سے مجھ پہ وہ ہوتے اگر خفا، ہوتے  
کبھی سنا نہیں میں تے ترا گلا ہوتے  
تو ان کی چال سے فتنے بہت بپا ہوتے

سین ہونا ہی کافی ہے مسلم کرنے کو تلاشِ عذریہ کیوں ہے تمہیں خدا کے لیے  
توں کے واسطے جانا ہوں میں تو جانبِ دیر سدھاریں شیخ ہی جی کعبہ کو خدا کے لیے

(۲۰۱)

جہاں جہاں صفت اس خضرِ انبیاء کے لیے کو عالم اس کے لیے اور وہ خدا کے لیے  
طریقِ عشق میں دل خضر بن سکے پختِ یاسا سمجھ گیا کو مصیبت ہے رہنا کے لیے  
زبان و چشمِ بُستان کا نہ پوچھے عالم وہ شوقیوں کے لیے ہے یہ ہے حیا کے لیے  
خراب دل کو جو اس نے کیا تو خوب کیا بنا بھی تھا یہ اسی چشمِ فتنہ را کے لیے

(۲۰۲)

مذہب کبھی سائنس کو سجدہ نہ کرے گا  
انسان اڑیں بھی تو خدا ہونیں سکتے  
از راو تعسّق کوئی جوڑا کسے رشتہ  
انگریز تو فیٹو کے چچا ہونیں سکتے  
نیٹو نہیں ہو سکتے جو گورے تو ہے کیا مسلم  
گورے بھی تو بندے سے خدا ہونیں سکتے  
ہم ہوں جو کلکٹر تو وہ ہو جائیں کمشنر  
ہم ان سے کبھی ٹکدہ برا ہونیں سکتے

(۲۰۳)

دو ہی دن میں رُخ گلِ زرد ہوا جاتا ہے  
چمن دہرے دل سرد ہوا جاتا ہے  
علم و تقویٰ پہ بڑا ناز تھا مجھ کو سیکھن  
آپ کے سامنے سب گرد ہوا جاتا ہے  
ہو رہی ہے مری مسرِ یاد کی الٹی تاثیر  
وہ تو کچھ اور بھی بے درد ہوا جاتا ہے

(۲۰۴)

یہ بُت جو دکش ہیں آج اتنے، یہ روح پر کلِ عذاب ہوں گے  
نہیں سمجھتے جو حضرتِ دل، تو آپ اک دن خراب ہوں گے  
ہمارے حالات کی حقیقت کسی پہ بھی منکشف نہ ہوگی  
جو کوئی سوچے گا، وہ ہم ہوں گے جو کوئی دیکھے گا، خواب ہوں گے  
ڈر کا مجھ کو نہیں ہے چمکا، دگر نہ سے کارڈ میں تو لکھا  
شراب ہوگی، کباب ہوں گے، حضورِ عالی جناب ہوں گے  
بگاڑ میں بھی بنے رہیں گے، جو مستند طرز پر ہیں قائم  
جو بے اصولی کے ہیں منقذ، وہ ہوں گے ابتر خراب ہوں گے

(۲۰۵)

خدا ہر ذر میں نئی تہذیب کے پیرو بنے وہ نہ ہاتھ آیا مگر گنجِ معائب ہو گئے  
لوے ہر تک ہم تو پہنچے تھے وہ تہذیب میں کھائی وہ منہ کی کہ اب اس سے بھی تائب ہو گئے

(۲۰۶)

ہاں ہاں عدد بھی آپ کا طالب ضرور ہے لیکن حضورِ منرقی مراتب ضرور ہے  
بغضِ ہومیری حبان تو آبیٹھو گور میں تم جانتے ہو زورِ روح کو قالبِ ضرور ہے

(۲۰۷)

دل کا ہے قصور آپ کا طالب تو یہی ہے میری نہ ہو تعزیر، مناسب تو یہی ہے

(۲۰۸)

راتوں کو بتوں سے وہ نگاہ بھی چلی جائے  
اور صبح کو وہ نعرۂ یارب بھی نہ چھوٹے  
کرتا ہے حقارت کی فطرت پر مغال بھی  
افسوس اگر اُن سے شراب اب بھی نہ چھوٹے  
قلبی بھی بیاکار کی کھلتی رہے اکسیر  
طعنوں سے مگر طرزِ مہذب بھی نہ چھوٹے

(۲۰۹)

معنی کو بخلا دیتی ہے، صورت ہے تو یہ ہے نیچر بھی سبق سیکھ لے، ذہنیت ہے تو یہ ہے  
کمرے میں جو ہشتی ہوئی آئی مسِ رحمت ٹیچر نے کیا، علم کی آفت ہے تو یہ ہے  
یہ بات تو اچھی ہے کہ اُلفت ہو مسوں سے خور اُن کو سمجھتے ہیں، قیامت ہے تو یہ ہے  
پچویدہ مسائل کے لیے جلتے ہیں انگینڈ زلفوں میں الجھتے ہیں، شامت ہے تو یہ ہے  
پبلک میں ذرا ہاتھ دلا بیچے مجھ سے صاحبِ مرے ایمان کی قیمت ہے تو یہ ہے

(۲۱۰)

جسٹ ہر طاقت و دولت پہ تجھ کو رشک و حسرت ہے  
نہ ہر طاقت میں نیکی ہے نہ ہر دولت میں راحت ہے  
تعجب ہے مجھے ان شاعرِ دُور کے شور و غوغا پر  
کوئی پوچھے کہ تم کو کیا جو کوئی خوبصورت ہے  
مجھے بے چین کرتا ہے نظرِ اسٹیل و گل کا  
ادھر ہے بیچ گیسو کا، ادھر عارض کی رنگت ہے  
فنا کا دور جاری ہے مگر مرتے ہیں بیچنے پر  
طسمِ زندگانی بھی مجب اک رازِ فطرت ہے

(۲۱۱)

کون ایسا ہے جو یوں مجھ پر خایت رکھے صدوسی سالِ خدا تم کو سلامت رکھے  
بچ تو یہ ہے کہ سلیقہ بھی ہے ہر کام میں شوق بُت کو چاہے تو برہن کی طبیعت رکھے  
نہ شریعت، نہ طریقت، نہ محبت، نہ حیا جس پہ جو چاہے وہ اس ہمدیں نہمت رکھے  
آدمی کے لیے دنیا میں مصائب ہیں بہت خوش نصیبی ہے جو وہ صبر کی عادت رکھے  
کیا بتاؤں تمہیں اچھائی کی پہچان اکسیر بس وہی خوب ہے جو تم سے محبت رکھے

(۲۱۲)

میرے حواسِ عشق میں کیا کم ہیں منتشر مجنوں کا نام ہو گیا، قسمت کی بات ہے  
دل جس کے ہاتھ میں ہو، نہ جو اُس پہ دسترس بے شک یہ اہلِ دل پر مصیبت کی بات ہے  
پروانہ رنگتا ہے اور شمع جل نہ بجھے اس سے زیادہ کون سی ذلت کی بات ہے  
مطلق نہیں عملِ عجبِ موت و دہر میں مجھ کو تو یہ حیاتِ جا حیرت کی بات ہے  
ترجیِ نظر سے آپ مجھے دیکھتے ہیں کیوں دل کو یہ پھیڑنا ہی شرارت کی بات ہے  
راحتی تو ہو گئے ہیں وہ تاثیرِ عشق سے موقعِ تکان، سو یہ حکمت کی بات ہے



(۲۱۳)

تخلیہ بھی ہے، ہوا سرد ہے اور رات بھی ہے  
پھر بھی انکار مری جاں، یہ کوئی بات بھی ہے!  
نطف ساقی ہو تو یہ وقت ہے مے نوشی کا  
رحمت حق ہے، لکھا چھائی ہے ہر سات بھی ہے

(۲۱۴)

وہ بے خبر ہے غفلت و ناسات سے  
جس کی کہ لو لگی ہے فقط تیری ذات سے

(۲۱۵)

میں چکے آپ کے کہ پیش آئے تھے حالات ایسے  
یہی باعث تھا کہ بے چین تھے ہم رات ایسے  
میری غیبت کوئی کرتا تھا تو مجھ سے نہ کہو  
تذکرے خوب نہیں وقت ملاقات ایسے  
اُن کو واپس کیا یہ کہ کہ تائب ہوئے وہ

ہوتے بہتے ہیں ملازم مرے بد ذات ایسے  
دشمن دیں سے تمہیں ہوئی کچھ امید فلاح  
ہم تو گنتے نہیں اقوالِ حسنات ایسے  
اے دل اس ابد و شرکانِ نظر سے دب جا  
صح لازم ہے، جو ہوں جنگ کے آلات ایسے  
بحث سے پھیر کے طاعت پر کبھی دل کو رجوع  
پیر وہ ہیں کہ جو ہوں اہل کرامات ایسے  
واہ اکبر یہ نکالا ہے عجب طرز سخن  
حسن بندش تو یہ اور اس پر خیالات ایسے

(۲۱۶)

کٹے طے سے جو، دیکھے گی دنیا ان کو عبرت سے  
گرے پتے ہیں یہ بھی سبز ہیں اپنی رطوبت سے  
قیامت کر رہی ہیں نعتانِ مغرور اکبر  
تھینڈ کر بڑھایا ہے انہیں حوروں نے جنت سے  
مرا جس پارسی لپیڈی پر دل آیا ہے اے اکبر  
جو سچ پوچھو تو سن بیٹھی ہے اُس کی صورت سے

(۲۱۷)

نفع ہوتا ہے فقط خارجی صلاح سے واقف آپ ابھی نہیں عشق کے مزاج سے  
دل ملیں تو کیا ملیں اہل قوم کے ہم ایک آکا کعبہ سے، ایک آیا لاکھ سے

(۲۱۸)

اکسبم کچھ آرہے ہو نظر بند بند سے آخر ضرر ہوا تمہیں ناصح کی پند سے

۲۱۹

سراٹے دہر تو ہے رہزنِ اجل کا مقام یہاں بھی کیا کوئی دل آج کو ٹھہرنا ہے

(۲۲۰)

دل کو مرے تم ایک نظر دیکھ لو دیکھتے ہوتے دُخِ دیدار، مگر دیکھ تو لیتے

(۲۲۱)

وہ گئے اہلِ خود دہر کے چکر میں پھنسے وہی اچھے جو تری زلفِ معنبر میں پھنسے

(۲۲۲)

دل کو مرے فروغِ تمہاری نظر سے ہے بجلی بنا ہوا یہ اسی کے اثر سے ہے

(۲۲۳)

ہر طرف بننے بگڑنے کا یہاں اک دور ہے

چشمِ عمت کے لیے دنیا محفلِ غور ہے

لارہ دگل اک طرف، طاعون کا غل اک طرف

ہے جنوں یاروں کو یکن رنگ ہی کچھ اور ہے

(۲۲۴)

بستان، بخورِ خوش، بزن، کاہِ ہر ہے دل اس میں اہلِ دل جو نگاہیں تو قہر ہے

بس ذکر ہی میں بادۂ گلگوں کے ہے مزہ چکھنا نہ ہم نشین اسے، والہِ زہر ہے

(۲۲۵)

ملک میں مجھ کو ذمیلِ دُخا رہنے دیجیے آپ اپنی عزتِ دربار رہنے دیجیے

دل ہی دل میں باہمی اقرار رہنے دیجیے بس خدا ہی کو گواہ لے یار رہنے دیجیے

آفت کا آج کل اظہار رہنے دیجیے جیسے قبلہ، یہ استغفار رہنے دیجیے

خوب فرمایا کہ اپنا پیار رہنے دیجیے آپ ہی یہ منہ زہر و انکار رہنے دیجیے

دیکھیے گا نطف کیا، کیا لگی کھلیں کے شوق سے مجھ کو آپ اپنے گلے کا یار رہنے دیجیے

چاندنی برسات کی ٹھہری ہے، چلتی ہے نسیم آج تو لبت شد یہ انکار رہنے دیجیے

چشمِ مدور آپ کی نظریں ہیں خود موجِ شراب بس مجھے بے سہ پہے سرشار رہنے دیجیے

بیچھے اپنی نگاہِ مستِ افزا کا علاج مدعا کو مستِ اہلِ اظہار رہنے دیجیے

لن ترانی خود شرابِ معرفت ہے اے کلیم آرزوئے شربتِ دیدار رہنے دیجیے

چھوڑنے کا میں نہیں اب آپ اے جانِ جاں ہے اگر مجھ پر خدا کی مار رہنے دیجیے

یکجے ثابتِ تلاشِ اخلاقی سے اپنی خوبیاں یہ خودِ جُتہ و دستار رہنے دیجیے

طالما ز مسوروں میں، میں نہیں ہوں کا شریک خیرِ حرمِ اسرار رہنے دیجیے

کھل گیا مجھ پر بہت میں آپ میرے خیر خواہ خیرِ حرمِ رہے دیجیے

یکجے رشوتِ ستانی سے ذرا پرہیز آپ خیر خواہی کا یہ سب اظہار رہنے دیجیے

مل کے باہم کیجیے اغیار سے بحث و جدال بے نتیجہ باہمی تکرار رہنے دیجیے

نیمز میں ممکن نہیں نظارہ موجِ فرات ایسی خواہش کو سمندر پار رہنے دیجیے

ہمکنار اس بحرِ ثوبی سے نہ بولنے کبیر آپ ایسے منصوبے سمندر پار رہنے دیجیے

(۲۲۶)

سونگ تصور میں ہم اے جانِ ود آئے بر رنگ میں تم آفتِ ایماں نظر آئے

اے خضر مری راہ تو بس راہِ جنوں ہے منزل کو غرض ہو تو خود اس راہِ آئے

دل جس طرف آیا ہے، وہ معلوم ہے مجھ کو ناصح سے تو پوچھو کہ چہ حضرت کدھر آئے

یہ حسنِ تبوں کا، یہ جنوںِ خمیسہ نگاہیں پتھر کا بھی دل ہو تو ادھر لوٹ کر آئے

بے رونقی، غمِ عشق نہ چاہی خالی جو ملی کوئی جبکہ آہ بھر آئے  
عکس آپ کا تھا طالبِ گوہر پے تزیین پڑتے ہی مری آنکھ میں آنسو بھی بھر آئے

(۲۲۷)

طلبِ حق کی تول کے ہم سے مستوں سے نہیں ہے میکدہ خالی خدا پرستوں سے

(۲۲۸)

خطا معاف مروں گا میں خور ہی کیلے میں بھی خوب ہیں، لیکن حضور ہی کیلے  
کوئی گستاخ ہو نہ نطقِ معاذ اللہ! شراب پیتا ہوں میں بس سرور ہی کیلے  
خلافِ شرح کوئی قصد ہو، معاذ اللہ! شراب پیتا ہوں میں بس سرور ہی کیلے

(۲۲۹)

بانگی وہی ادا بھی ہے، تر بھی وہی نظر بھی ہے  
ہاں پر میری ہی گئی، آپ کو کچھ خبر بھی ہے  
ظلم کی اک ادا بھی ہے، نطف کی اک نظر بھی ہے  
حسن کا اقتضا بھی ہے، عشق کا کچھ اثر بھی ہے  
دل پر مے ہیں ان کے دانت میں ہوں لب ان کے چرتا

دولتِ دہلی یار میں لعل بھی ہے گسر بھی ہے  
شرط لگائی آپ نے سیرِ امید کم ہوئی  
دعہ پر کیا خوشی کروں، اس میں جب اک مگر بھی ہے

(۲۳۰)

دنیا میں بے خبر ہے جو پروردگار سے شاید ہے زندہ اپنے ہوا وہ اختیار سے  
اے صانعِ ازل تری قدرت کے میں نثار کیا صورتیں بنائی ہیں مشتِ بخار سے

(۲۳۱)

تری باتوں سے گو دل میں ظال اے یار آتا ہے  
مگر جب دیکھتا ہوں تیری صورت دیا آتا ہے  
جو چلتا ہے دلِ سوزاں کا انجنِ راوِ الفت میں  
خبر دینے کو فوراً آنسوؤں کا تار آتا ہے  
جو راہِ عشق میں دل پر مصیبت کوئی پڑتی ہے  
خبر دینے کو فوراً آنسوؤں کا تار آتا ہے

(۲۳۲)

دل ہو خراب، دین پہ جو کچھ اثر پڑے اب کا وہ عاشقی تو ہر کیف کہ پڑے  
عشقِ بیتاں کا دین پہ جو کچھ اثر پڑے اب تو نہا ہوتا ہے جب اک کام کر پڑے  
نہ سب چھڑا یا عشوۂ دنیا نے شیخ سے دیکھی جو ریل، اونٹ سے آفراتر پڑے  
بے تابیاں نصیب میں تھیں، ورنہ ہم نہیں یہ کیا ضرور تھا کہ انھیں پر نطقِ سر پڑے  
بہتر یہی ہے قصدِ اوجھڑ کا کریں نہ وہ ایسا نہ ہو کہ راہ میں دشمن کا گھر پڑے  
ہم چاہتے ہیں میل و جود و عدم میں جو ممکن تو ہے جو بیچ میں ان کی مگر پڑے  
دانا وہی ہے دل، جو کرے آپ کا خیال بنا وہی نظر ہے کہ جو آپ پر پڑے  
ہوئی نہ چاہیے تھی محبت، مگر ہوئی پڑنا نہ چاہیے تھا غضب میں، مگر پڑے  
شیطان کی نہ مان جو راحت نصیب ہو اللہ کو پرکار مصیبت اگر پڑے

اے شیخ ان تجوں کی یہ چالاکیاں تو دیکھ  
نکلے اگر حسم سے تو اکبر کے گھر پڑے

(۲۳۳)

ادھر ہماری تو یہ نگاہ، حضور ایسے حضور ایسے  
ادھر یہ فرما کے ٹسکرا نا کہ ہوں گے کم اہل زور ایسے  
خدا کی ہستی میں شبہ کرنا اور اپنی ہستی کو مان لینا

پھر اس پر قرعہ یہ آدھا کا کہ ہم ہیں اہلِ شعور ایسے  
ہمیں نے چاہا نہ قرب ان کا، فریبِ دنیا کے دلوں میں آ کر  
وگرنہ ایمان کی جو پوچھو، نہ تھے وہ کچھ ہم سے دور ایسے

(۲۳۴)

ہائے مصحفِ ایماں کا اول ہے نہ آخر ہے خدا کی شانِ آیت ہے، مذاقِ دل مفسر ہے

(۲۳۵)

قرآن چھوڑ جاگے، شیطان کے معتبِ اہل اس معسکہ میں اکثر اجاب بیز رنگے  
بوزے ہنسی کو اپنی ثابت کریں تو کیوں کر جب دانت ہی نہیں ہے، پھر کون چیز نکالے  
مجنوں نے نام پایا اور کوہ کن بھی اُجھڑا اس مدرسے کے لڑکے سب خوش تمیز نکالے

(۲۳۶)

جو تانس ہے کسی دن اُس کی قسمت لڑ ہی جاتی ہے  
جو اہلِ حرص ہیں، اُن پر مصیبت پڑ ہی جاتی ہے  
حسینانِ جہاں سے آنکھ اپنی لڑ ہی جاتی ہے  
دل آہی جاتا ہے، آخر مصیبت پڑ ہی جاتی ہے  
جوانی میں ہلاکتِ دل کی ہے اس کا دبا رکھنا

کہ ایسی چیز دہ کر گیوں میں سڑ ہی جاتی ہے  
گھلتاں میں گئی رنگیں کو زینت کی ضرورت کیا  
مگر اس لعل پر الماس کش بنم جڑ ہی جاتی ہے

(۲۳۷)

ہے قومِ جمِ سلطنت اس میں ہے مثلِ رُوحِ حق جب یہ نہیں تو قوم نہیں بلکہ لاش ہے  
سعیِ شغال و گرگ سے جنبش ہوئی اگر نا فہم تھے، قوم میں خود انعکاش ہے  
البتہ زندگانی شخصی کا ہے وجود قانون میں ہر اک کے لیے زندہ باش ہے  
پیمانائے ساختہ شاو وقت پر محدود طالبین کی سکرِ معاش ہے  
بے علم مذہبی کے ہیں اخلاقِ نادرست اس کی خرابیوں سے گو دلِ پاش پاش ہے  
کچھ خاک میں ملیں گے تو کچھ ہوں گے جڑ و غیر یہ مسئلہ صحیح ہے، گو دلِ فراکش ہے  
اپنی یہ احتیاط کہ بوسے پر اکتفا اس پر بھی یہ عتاب کہ تو بد معاش ہے

(۲۳۸)

اپنے بتاؤ سے گو وہ مجھے ناخوش رکھے ہے دعا میری یہی، اُس کو خدا خوش رکھے  
منہ چھپا لیتے ہیں زلفوں سے، میں گو ہوں ناخوش ہنس کے کہتے ہیں، تجھے میری بلا خوش رکھے  
واہ کس چال سے غنچوں کو ہنسایا تو نے لطفِ باری تھے اے بادِ صبا، خوش رکھے  
ان تجوں کو نہیں کچھ صدق و صفاتِ مطلب بس خوشامد سے کوئی ان کو ذرا خوش رکھے  
بانج و مہرا میں بھی بے لطف رہا کرتا ہوں منج دے سے چرخ تو کیا آب و ہوا خوش رکھے  
اس میں شورش سے راحت نہ ملے گی مجھ کو عمر بھر، خیر وہ اک شب تو بھلا خوش رکھے  
آپ فرماتے ہیں اکبر سے مجھے خوش رکھو خود جو مغوم ہو، وہ اور کو کیا خوش رکھے

(۲۳۹)

مثلِ بلبلِ زمزموں کا خود یہاں اک تنگ ہے ادغنون اس انجن میں خارج از آہنگ ہے



دوا ہے کالج اور کونسل، سو اس کی ہے فراوانی  
قداسے راحت دل اور دولت وہ بہت کم ہے  
(۲۲۷)

تھاری بختوں سے میرے شے خدا کی جی ہی کم نہ ہوتے  
مگر یہ بات آگئی سمجھ میں، خدا نہ ہوتا تو ہم نہ ہوتے  
یہ حسی ہی سے ہے عشق پیدا، عشق ہی سے مصیبتیں ہیں  
جو یہ دہوتا تو دل نہ ہوتا، جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتے  
تمہارے عشوے، تمہارے غم سے، نگاہ ساقی کے ہیں توفیق

دگر نہ تقویٰ کے ٹوٹ جانے کے اتنے سامان بہم نہ ہوتے  
کہا سکندر نے یہ بحیرت جب آگیا اس کا وقت رحلت  
کو سہل تر ہوتی نزع ہم پر جو محبوباہ و حشم نہ ہوتے  
بلندیاں ہوتی ہیں مخالف بوہستوں پر ہو نیل دل کا  
زمین کے فتنوں میں گر نہ پھنستے، فلک کے جو رو ستم نہ ہوتے  
مذاق فطرت میں بس نہ جاتے جو قامت گیسوئے حسیناں  
یہ راستی سرو میں نہ ہوتی، یہ سنبل تریں حشم نہ ہوتے  
تری ترقی، مرا تشریل، تری جفا میں، مرا تحسین  
فلک کی گردش کا لطف کیا تھا، جو تو نہ ہوتا، جو ہم نہ ہوتے

(۲۲۸)

یہ موجودہ طریقے راہی ملک عدم ہوں گے  
نئی تہذیب ہوگی اور نئے سامان بہم ہوں گے  
نئے عنوان سے زینت دکھائیں گے حسین اپنی  
نہ ایسا بیچ نہ لھوں میں، نہ گیسو میں یہ غم ہوں گے  
نہ خانوؤں میں رہ جائے گی پردے کی یہ پابندی  
نہ گھونگھٹ اس طرح سے حاجب دئے صنم ہوں گے  
بدل جائے گا انداز طبائع دور گردوں سے  
نئی صورت کی خوششیاں اور نئے اسباب ہم ہوں گے  
نہ پیدا ہوگی خط نسخ سے شان ادب آگئیں  
نہ تعلق حرف اس طور سے زیب رقم ہوں گے  
خبر دیتی ہے تحریک جو تبدیلی موسم کی  
کھلیں گے اور ہی گل، زمزمے میل کے کم ہوں گے  
عقاید پر قیامت آئے گی ترمیم قسٹ سے  
نیا کعبہ بنے گا، معنہ بی پتلے صنم ہوں گے  
بہت ہوں گے مغنی نغمہ تقلید یورپ کے  
مگر بے جود ہوں گے اس لیے بے تال ہم ہوں گے  
ہماری اصطلاحوں سے زبان نا آشنا ہوگی  
لغات مغربی بازار کی بھاگ سے صنم ہوں گے  
بدل جائے گا معیار شرافت چشم دنیا میں  
زیادہ تھے جو اپنے نہ غم میں، وہ سب کم ہوں گے

ہر خیال اپنا ہے یاں اک مطرب بغیر نوا  
ہر تصور ہے مرا عکس جمال رونے دوست  
روح دل ہر جنبش منکراں سے ہے معنی پذیر  
ہر حباب ہر جرجش صبح ہے اک آسمان  
عکس تیرا پڑے اس میں ہو گیا پاکیزہ تر  
نظم اکبر سے بلاغت سیکھ لیں، ادب عشق  
داخل ہوئے حشر میں بول کو نکال کے (۲۲۹)  
اسلام کو مستبد کیا دیکھ بھال کے

(۲۳۱)

اُجھانہ مرے آج کا دامن کبھی کل سے  
اُن کی نگہ مست ہے سب زمینی معانی  
ادراک نے آنکھیں شب اہل میں کھولیں  
قرآن ہے شاہد کہ خدا حُسن سے خوش ہے  
حکم آیا خوشی کا تو بس حشر فلک چُپ  
درجہ تحیر کا ہے بے خود سے نشتر تر  
بحث کُن و نو میں سمجھتا نہیں اکبر  
جو دعوائے توحید مبارک تھیں اکسیر

(۱۲۲)

مذہب ہی سے حفاظت تو میری ہے اے عزیز  
اتنا ہی آدمی ہیں سمجھئے کمال فہم  
جو کام آئے میرے اکروں اس طرف کو رخ  
ہرگز اس انجن کو نہ سمجھو مستردم

(۱۲۳)

نئی تہذیب میں بھی مذہب ہی تسلیم شامل ہے  
مگر وہ نہیں کہ گویا آب زمزم سے میں داخل ہے  
کہاں تک داد دوں تیری بلاغت کی میں اکسیر  
یہ تیرا ایک مطلع لاکھ معنوں کا حاصل ہے

(۱۲۴)

دین و ملت کی ترقی کا خیال اچھلے ہے  
بند اہند کے پند سے بھی غضب ڈھالتے ہیں  
گھر کے خط میں ہے کہ کل ہو گیا چلم اس کا  
پانی لکھتا ہے بیمار کا حال اچھلے ہے

(۱۲۵)

طاہر رنگت جن اُڑنے کو پتہ کھوے ہے  
جوئے مطلوب جسے زاوہر منہ زل فقر  
نظر آئے شب تاریک میں جگنو کی چمک  
دہ جو توفیق طلال تیرے کا گل باندھے

(۱۲۶)

کبھی ہے صبح حید اس میں کبھی شام محرم ہے  
یہ عالم چشم بینا کے لیے حشر کا عالم ہے

گوشہ عظمتوں کے تذکرے بھی وہ نہ جانیں گے  
کتاؤں ہی میں دفن افسانہ جاہ و حشم ہوں گے  
کسی کو اس تعسیر کا نہ جتن ہوگا نہ عسیر ہوگا  
ہوئے جس ساز سے پیدا، اسی کے زیر و بم ہوں گے  
تمہیں اس انقلاب دہر کا کیا علم ہے اسے اکسیر  
بہت نزدیک ہیں وہ دن کہ تم ہو گے نہ ہم ہوں گے  
(۲۳۹)

موت سے وحشت، بشر کا اک خیال خام ہے  
اصل فطرت میں فقط آرام ہی آرام ہے  
اس تجارت کا وہ دنیا کا کون کیا تم سے حال  
کارخانے سب خدا کے ہیں، ہمارا نام ہے  
(۲۴۰)

پیش نظر منم ہے، بس عاشقی کا غم ہے  
دنیا کی منکر کم ہے، اللہ کا کرم ہے  
یہ گیسوئے معنبر، یہ چشمِ حسرت آگین  
کیا پوچھتے ہو صاحبِ اندھیر ہے، تم ہے  
سید کی روشنی کو اللہ رکھے قاتم  
جتنی بہت ہے موتی، روغنِ بہت ہی کہ ہے  
کیا خوب پڑھ رہے تھے صرحِ منت صاحب  
بہزار تو ہے خالی، بجاری مگر جبرم ہے  
(۲۴۱)

یہی خوشیاں رہیں گی دہریں ایسے ہی غم ہوں گے  
مکو اک وقت آئے گا، دم ہو گے نہ ہم ہوں گے  
امیدیں ٹوٹی ہیں تو بہت حد مرہ پہنچتا ہے  
جو امیدیں کرے کام، اُسے حد سے کم ہوں گے  
(۲۴۲)

اسباب انتشار و جنوں مجھ سے چھن گئے  
مطلب یہ ہے کہ عشق و جوانی کے دن گئے  
جانے کی اُس گلی میں قسم کھائی تھی مگر  
بھلا یہ دل کہ بن نہ پڑی مجھ سے بن گئے  
(۲۴۳)

انداز قیامت کے میں اے جانِ تمہارے  
سودل ہوں تو سودل سے ہوں قرآنِ تمہارے  
ایمان ہو یا کھنڈر جو، سچ بات تو یہ ہے  
اسلام تمہارا ہے، مسلمان تمہارے  
(۲۴۴)

یہ غنڈل رسالہ پیامِ یار کی دی ہوئی طرح پر لکھی گئی تھی  
اس میں عکس آپ کا اتاریں گے  
بحث میں مولوی نہ ہاویں گے  
جان ہاویں گے، جی نہ ہاویں گے  
آپ ناحق پہ اور حشم حق پر  
آپ سے ہم کرتے ہیں یہ بہت غمزے  
ہم بھی دنیا پہ لات ماریں گے  
کوئی دنیا میں دوڑے یا رینگے  
عشق کتنا ہے لطف ہوں گے بڑے  
بہجے کتنا ہے حب ان اریں گے  
بہجے کتنا ہے حب ان اریں گے  
دل کی افسردگی نہ حبائے گی  
دل وہ چاہیں گے تو اُبھاریں گے  
مبتلائے بلا تو ہوں عینِ اخل  
یہ بھی اللہ کو پکاریں گے  
لائے بھی تو حسد اکہیں وہ گھڑی  
کتے ہیں تجھ کو خوب ماریں گے  
دل نہ دوں گا میں آپ کو ہرگز  
مطبوع قوم میں رہا کب ہے  
صرف شیخی ہی اب بگھاریں گے  
پند اکسیر کو دیں گے کیا ناصح  
گل کو کب باغباں سنواریں گے

(۲۵۵)

خند ہے انھیں پورا مرا رماں نہ کریں گے  
مُنڈ سے جو نہیں نکلی ہے، اب ہاں نہ کریں گے  
کیوں زلف کا بوسہ مجھے لینے نہیں دیتے  
کہتے ہیں کہ واللہ پریشاں نہ کریں گے  
ہے ذہن میں اک بات تھانے متعلق  
خلوت میں جو پوچھو گے تو پہناں نہ کریں گے  
واعظ تو بتاتے ہیں مسلمان کو کامنڈر  
افسوس یہ کامنڈر کو مسلمان نہ کریں گے  
کیوں شکر گزاری کا مجھے شوق ہے اتنا  
سُننا ہوں وہ مجھ پر کوئی احسان نہ کریں گے  
دیوانہ نہ مجھے نہیں وہ، مجھے شہرِ ابلیس  
اب چاک کبھی خیب و گریباں نہ کریں گے  
وہ جانتے ہیں غیر مرے گھر میں ہے جہاں  
آئیں گے تو مجھ پر کوئی احسان نہ کریں گے  
(۲۵۶)

اہلِ عنبر و حرم کو کیا علم ہے شرف  
تا چرخ بھی پہنچ کے وہ شیطان، ہی رہے  
اچھی نگاہ دیر میں مسکین جھکا دسر  
پیشِ منم بھی ہم تو مسلمان ہی رہے  
(۲۵۷)

بُتِ منکر کی کچھ نہ پوچھو، حسین جی ہے، ازین بھی ہے  
نہیں ہے دل ہی پر صرف آفت، یہاں تو خطرے میں دین بھی ہے  
اگر چہ مغرب سے سازِ دل ہے، مرید آہنگِ مشرق ہوں  
اگر پیانو ہے انجمن میں، محفلِ خلوت میں بن بھی ہے  
رعایتِ محفلِ لب سے میں نے کہا اے مالکِ بخشاں  
تو بولا تیوری چڑھا کے، دیکھو جہیں کے قبضہ میں ہیں بھی ہے  
ہمارے جھکڑوں کی کچھ نہ پوچھو، تمام دنیا ہے اور ہم ہیں  
کہ جیب میں زر ہے، گھر میں زن ہے، خراجِ پیکچرین بھی ہے  
بیمارِ خنجر بھی بدلتا ہے ادا ان کی سوئی بھی ہے وہ آفت  
کہ صاف بھی ہے، چمک بھی دکھتی ہے، گول بھی ہے، مین بھی ہے  
دُعا کو بھی وہ کبھی ہے اعتنا، اسے ہے دن رات صرف سہکرت  
خدا کی قدرت کے کارخانے میں ہاتھ بھی ہے، مٹین بھی ہے  
(۲۵۸)

ہے وہم نقشِ ہستی، ہر چند دل نہیں ہے  
دیکھو اسے تو سب کچھ سوچو تو کچھ نہیں ہے  
دیکھا نہیں کسی نے اس یارِ ناز میں کو  
لیکن سُننا یہ ہے بے انتہا حیل ہے  
روحانیت کے بدلے آنکھوں میں ناک ہے اب  
اُس میں وہی وہی تھا، اس میں ہیں ہیں ہے  
لصیق سے مستیں ہو کیوں کر ترا تصور  
اک لفظ بے مدد ہے، اک نقشِ بے نگہ ہے  
(۲۵۹)

کھڑے ہیں یارِ شمشیرِ حیرتِ عبرت کا مضمون ہے  
نہ جنگل ہے نہ ناقد ہے، نہ لیل ہے نہ مجنوں ہے  
وہ نگِ بزمِ اکبر اب کہاں، بہتر ہے اٹھ جاؤ  
یہی بس ایک تدبیرِ سکونِ جانِ محزون ہے  
(۲۶۰)

فقتہ اٹھے کوئی یا گھات میں دشمن بیٹھے  
کارِ الفت پہ تو اب حضرتِ دل ٹھن بیٹھے  
کیوں نہ اس سے مراد دل لے بُتِ بظن، بیٹھے  
ہم کھڑے بھی نہ رہیں، بزم میں دشمن بیٹھے  
بزم میں وہ جو دبا کر مرا دامن بیٹھے  
اٹھ گئے و شنگ سے، پھر پاس دشمن بیٹھے  
شیخِ کعبہ میں، کلیسا میں برہمن بیٹھے  
ہم تو کوچہ میں ترے مار کے آسن بیٹھے  
خونیاں شوق سے کو مجھ کو بھی لطف آتا ہے  
سچ کہا تو نے کہ غمِ لامرادِ دشمن بیٹھے  
سوئے دولتِ نظر آئی نہ جو راہِ اعجاز  
مسندِ صبر تو کھلی ہی پہلے ہم تن بیٹھے  
(۲۶۱)

فقتہ اٹھے کوئی یا گھات میں دشمن بیٹھے  
کارِ الفت پہ تو اب حضرتِ دل ٹھن بیٹھے  
کیوں نہ اس سے مراد دل لے بُتِ بظن، بیٹھے  
ہم کھڑے بھی نہ رہیں، بزم میں دشمن بیٹھے  
بزم میں وہ جو دبا کر مرا دامن بیٹھے  
اٹھ گئے و شنگ سے، پھر پاس دشمن بیٹھے  
شیخِ کعبہ میں، کلیسا میں برہمن بیٹھے  
ہم تو کوچہ میں ترے مار کے آسن بیٹھے  
خونیاں شوق سے کو مجھ کو بھی لطف آتا ہے  
سچ کہا تو نے کہ غمِ لامرادِ دشمن بیٹھے  
سوئے دولتِ نظر آئی نہ جو راہِ اعجاز  
مسندِ صبر تو کھلی ہی پہلے ہم تن بیٹھے  
(۲۶۲)



نظر اٹھی تو اٹھائے گئے، نظروں سے گئے غلطی کی ترسے پاس لے بہت بدظن بیٹھے  
ہوں میں وہ رنڈاگر حشر میں مزم مٹھروں فیصلے کے لیے حوروں کا کنکیشن بیٹھے  
انقلاب و دشمن چرخ کو دیکھ کر اکبر کل جو تھے دوست مرے، آج عدو بن بیٹھے  
ہند سے آپ کو ہجرت ہو مبارک اکبر ہم تو گنگا ہی پہ اب مار کے اسی بیٹھے

(۲۶۱)

کیا ملا عمر خاں و این کر کے چل دیے وہ چٹان چٹیں کر کے  
فائدہ کیا کہ پھر کنوئیں ان سے کو چکے ہاں وہ اب نہیں کر کے  
نئے مسجد میں اٹھے ہیں اکبر دیر میں بیٹھ کر کب دیں کر کے

(۲۶۲)

وہ ہر نہ رہی، وہ چین نہ رہا، وہ گلی نہ رہی، وہ حسین نہ رہے  
وہ فلک نہ رہا، وہ سماں نہ رہا، وہ مکاں نہ رہے، وہ کہیں نہ رہے  
وہ گلوں میں گلوں کی سجاوٹ نہ رہی، وہ عزیزوں میں نطف کی ٹوڑ نہ رہی  
وہ حسینوں میں رنگ و فائدہ رہا، کہیں اور کی کیا، وہ ہمیں نہ رہے  
نہ وہ آن رہی نہ اُمگ رہی، نہ وہ رندی و زہد کی جنگ رہی  
سوئے بلند نگاہوں کے رخ نہ رہے، در دیر پر نقش جہیں نہ رہے  
نہ وہ جام رہے نہ وہ مست رہے، نہ فدائی عہد است رہے  
وہ طریقہ کار جہاں نہ رہا، وہ مشاغل روبرو دیں نہ رہے  
ہمیں لاکھ زمانہ بھائے تو کیا نئے رنگ جو چرخ دکھائے تو کیا  
یہ محال ہے اہل وفا کے لیے، غم قلم و اُلفت دیں نہ رہے  
ترسے کو چہ زلف میں دل ہے مولا اب اسے میں بھتا ہوں دام بلا  
یہ عجیب ستم ہے عجیب جفا کہ یہاں نہ رہے تو کہیں نہ رہے  
یہ تھا اے بھادرم سے ہے بزم طرب، ابھی جاؤ نہ تم، نہ کرو یہ غضب  
کوئی بیٹھ کے نطف اٹھائے گا کیا کہ جو رونق بزم نہیں نہ رہے  
جو تھیں چشم فلک کی بھی ٹوڑ نظر، وہی جن پہ نشان تھے شمس و قمر  
سواب ایسی مٹی ہیں وہ انجمنیں کہ نشان بھی ان کے کہیں نہ رہے  
وہی صورتیں رہ گئیں پیش نظر جو زمانہ کو پھریں ادھر سے ادھر  
مگر ایسے جمال جاں آرا جو تھے رفتی روئے زمیں، نہ رہے  
غم و رنج میں اکبر اگر نہ گھرا، تو کھڑے کر رنج کو بھی ہے فنا  
کسی شے کو نہیں ہے جہاں میں بقا، وہ زیادہ طول و عرض نہ رہے

(۲۶۳)

پراگندہ بہت ہے دل مراد دنیا کے دھندوں سے  
چھڑا دے مجھ کو یا رب تو کرم کے سخت چندوں سے  
غلامانہ طریقوں پر مجھے مجبور کرتے ہیں  
خدا یا ہے نیازی دے مجھے ان خود پسندوں سے  
کباب آیا تو کیا جب دل ہوا جل کر کباب اپنا  
مجھے ناپ جویں بہتر ہے بس ایسے پسندوں سے  
یہ خواہش ہے کہ ذکر حق سے دل تازہ رہے ہر دم

خداوند ملا دے مجھ کو اپنے نیک بندوں سے  
مسلمانوں کی خوش حالی کے بے شک دھن ہے ستیکو  
مگر یہ کام نکلے گا نہ کھپے سے، نہ چندوں سے  
درستی تخت و عزت کی کہاں اب کیل کا ٹول میں  
تو قہ شہسواری کی در کھو نعل بندوں سے  
گجا وہ گیسوے مشکیں کھایا یہ ڈھیلی، سپیچیں  
دل و حشی اکبر چنیں چکا ایسی کندوں سے

(۲۶۴)

ترجی نطفہ سے کیجیے عشاق کا شکار کیا احتیاج آپ کو تیر و کماں کی ہے

(۲۶۵)

ڈیڑ مندر نہ کیے، جناب من تو ہے حضور مجھ سے کوئی صورت کسمن تو ہے  
جوند نہیں ہے نہ ہو دولت کسمن تو ہے نہیں جو جنگ تو کیا غم سے کسمن تو ہے  
رساں اپنی ہے ان تک نہیں ہے غیر کو دخل چھراپنا اپنا طریقہ تو ہے، چلن تو ہے

(۲۶۶)

سینے سے نکالیں تمہیں، ارمان یہی ہے جینے کا مزہ ہے تو مری جان یہی ہے  
صبر اس لیے اچھا ہے کہ آئندہ ہے امید موت اس لیے بہتر ہے کہ آسان یہی ہے  
تو دل میں تو آتا ہے، کھجور میں نہیں آتا بس جان گیا میں، تری پہچان یہی ہے  
گیسو کے شریک اور بھی تھے قتل میں میرے کیا دھم ہے اس کی کہ پریشان یہی ہے  
دل تیری محبت میں دو عالم کو جلا دے مذہب ہے یہی اور مرا ایمان یہی ہے  
اس بُت نے کہا بوسے بے ذوق پر ہنس کر بس دیکھ دیا آپ کا ایمان یہی ہے  
کرتے ہیں بہت رنج وہ ظلموں میں اضافہ مجھ پر اگر ان کا ہے کچھ احسان یہی ہے  
ہم فلسفہ کو کہتے ہیں گمراہی کا باعث وہ پیٹ دکھاتے ہیں کہ شیطان یہی ہے  
اکبر کو دعا دیتے ہیں احباب یہ کہہ کر اب اپنی جماعت میں سلمان یہی ہے

(۲۶۷)

سدا ہماریں شیخ کعبہ کو، ہم انگلستان دیکھیں گے وہ دیکھیں گھر خدا کا، ہم خدا کی شان دیکھیں گے  
جواؤں کو ذرا پروا نہیں ہے اہمیت ان کی بڑھاپے میں نتیجے اس کے یہ نادان دیکھیں گے  
حسینانِ عروئے اُلفت کا سامنا ہوگا میں دیکھوں گا اُنہیں اور وہ مرا ایمان دیکھیں گے  
تری دیوانگی پر جسم آتا ہے یہیں اکبر کوئی دن وہ بھی ہوگا ہم تجھے انسان دیکھیں گے

(۲۶۸)

عقل ہے، ایمان ہے، دل ہے، جان ہے سچے سب آپ پر متربان ہے  
خون نہ بہا دے دم احسن کھلی نزع میں مونس نقطہ ایمان ہے  
مل کے یاروں سے جڑا شوق گستاخ آدمی کا آدمی شیطان ہے  
کیا مجھے کرتے ہو دندوں میں شمار سانس لیتا ہوں بس اتنی بات ہے  
خود بنا ہے کیا وہ بُست اتنا حسین نطفِ فطرت ہے، خدا کی شان ہے  
سعی بازو سے کرے جو کسبِ رزق بس وہی اللہ کا مہمان ہے  
نطفِ ساقی سے نہ جھکے حبِ ہم دل طرفِ عالی کی یہی پہچان ہے  
بے وقوفی ہے، تعجب موت پر عقل تو جینے ہی پر حیران ہے

عالم بستی پر حسیّت ہے مجھے، کس لیے آئندہ یہ سب سامان ہے  
یا مصیبت امر معنی خیز ہے یا یہ نجیب خود بہت نادان ہے  
اس کی نادانی مگر ملنے کا کون ذرہ ذرہ غامضی کی جان ہے  
پھر اٹھی ہے آپ کی تیغ ستم مجھ میں کیا باقی ابھی کچھ جان ہے  
حسّکم خاموشی ہے اور میری زبان آپ کی باتیں ہیں، میرا کان ہے

(۲۴۹)

لطف تھا جن سے نکلے گا جسیں وہ نہ رہے جس سے رفتی تھی مکانوں کی میکیں وہ نہ رہے  
میں جو رہتا ہوں کہ اسوسن زمانہ بدلا مجھ پہ ہنسا ہے زمانہ کہ تھیں وہ نہ رہے

(۲۵۰)

طلب ہو صبر کی اور دل میں آرزو آئے غضب ہے دوست کی خواہش ہو اور عدو آئے  
بہاریں بھی نہ راحت ملے جو فرقت ہو صبا سے بھی گل داغ جگر کی بڑ آئے  
بڑوں کے ظلم کو کر دوں میں ہر طرح ثابت مگر خدا نہ کرے ایسی گفت گو آئے  
کیا ہے نشہ الفت نے مائل کر یہ شراب پیئے کو آئندہ کنا رہو آئے  
تم اپنا رنگ بدلتے ہو فلک کی طرح کسی کی آنکھ میں اشک آئے یا لہو آئے  
تری جذبات سے ہے روح پر یہ ظلم جو اس میں اپنے آپ میں پھر کیوں رہوں جو تو آئے  
ریا کار رنگ نہ ہو مستند ہیں وہ اعمال کلام پختہ ہے جب درو دل کی بڑ آئے  
ہوں کا بوسہ جسے مل گیا ہو، وہ جانے قدم تو اس بت بے دیں کے ہم بھی چھو آئے  
کھلی جو آنکھ جوانی میں، عشق آپہنچا جو گرمیوں میں ٹھیلیں درو کیوں نہ بڑ آئے  
وہ سے نصیب کہاں ان ہوس پستوں کو کہ ہو قدم کو نہ لغزش، نہ منہ سے بڑ آئے

(۲۵۱)

بہت دن محتسب کے ہاتھ سے سے سے شوٹے شکایت کیا اگر دست سب سے اب شوٹے  
کچھ ایسا بڑھ گیا ہے حسن لطف ساقی دوران ہزاروں شیشہ تقویٰ پڑے ہیں چار شوٹے  
فحش نیت طوف مرچھ سے ہوئی لے دل سزا ہے اس بت نام کے ہاتھوں سے جو توڑے

(۲۵۲)

ہوتا ہے نفع یورپین نان پاؤ سے میں خوش ہوں ایشیاء کے خیالی پلاؤ سے  
تہا وہ رہ گئے تھے تو میں خود نہ بیٹھتا نہ حق مجھے ذمیل کیا جاؤ، جاؤ سے  
ایمان بیچنے پر ہیں اب سب تلے ہوئے لیکن حسد یہ ہو جو علی گڑھ کے جاؤ سے

(۲۵۳)

بے نالہ و سزا و دفعاں رہ نہیں سکتے قمر اس پر یہ ہے، اس کا سد کہ نہیں سکتے  
موجیں ہیں طبیعت میں مگر اٹھ نہیں سکتیں دریا ہیں مرے دل میں مگر یہ نہیں سکتے  
پتوار سکتے ہیں، نہیں طاقت ترمیم ہے ناؤ میں سوراخ مگر کہ نہیں سکتے  
کہہ دو گے کہ ہے تجر بہ اس بات کے عکس کیوں کر یہ کہیں ظلم و ستم سہ نہیں سکتے  
عزت کبھی وہ تھی کہ بھلائے سے نہ بھولے تحقیر اب ایسی ہے جسے سہ نہیں سکتے

(۲۵۴)

ہم نے یہ نکتہ سنا کہ مرد حق آگاہ سے پھر گیا اس سے زمانہ جو پھرا اللہ سے  
ضعف مذہب ہو گیا ہے باعث طرل سخن گفتگو عامی سے ہو یا بحث ہو ذی جاہ سے  
ایک لکچر کی ضرورت ہوتی ہے ہر بات پر کام مطلق اب نہیں چلتا معاذ اللہ سے  
آپ فرماتے ہیں، تجھ سے مجھ کو الفت ہے بہت اور ثابت کہ تے ہیں اس کو خط واللہ سے

(۲۴۵)

ان بتان بے وفا کے سن کا دل دادہ ہے نگر ہے اکبر کی رنگیں، دل نہایت سادہ ہے  
دھن پر داد کا گرہ شمع دیکھیں اہل ذوق کس خوشی سے جان دینے کے لیے آدہ ہے  
مائل خالق مجھے کرتا ہے یاں رفتار خلق چشم بینا کے لیے ہر نقش پاسبا دہ ہے

(۲۴۶)

کہاں تسکین خاطر نالہ رہا نگاہ کرنے سے بھڑکتی آتش دل اور بھی ہے آہ کرنے سے  
یہ دور آسمان خضر طریقت ہو نہیں سکتا خدا را اسے خرد باز آجھے گمراہ کرنے سے  
وہ کون ایسی نظر ہے جو نہ ہو نحو ایسی صورت پر وہ کون ایسی زبان ہے رک کے جہا کرنے سے  
مصیبت سخت تھی لیکن زمانہ دیکھ کر دل نے کہا کیا فائدہ احباب کو آگاہ کرنے سے

(۲۴۷)

مسوں کے سامنے کیا مذہبی بہانہ چلے چلیں گے ہم بھی اسی رخ، جہر زمانہ چلے  
میں جانتا ہوں نہ پھوڑیں گے آپ چال اپنی کسی کا کام چلے اسے حضور، یا نہ چلے  
خدا کے واسطے ساتھی میں نگاہ و کرم چلا ہے دور تو پھر کیوں رُکے، چلا نہ چلے  
کھلا ہے باغ قناعت میں غنچہ خاطر خدا بچائے، کہیں حسد میں کی ہوا نہ چلے  
نصیب ہو نہ سکی دولت قدم بوسی ادب سے چوم کے حضرت کا آستانہ چلے  
فروغ عشق کا بے آہ کے نہیں ممکن نہ پھیلے بونے گلستان اگر ہوا نہ چلے  
کھلے کو اڑ جو کرے کے، پھر کسی کو کب یہ حکم بھی تو ہوا ہے کہ راستا نہ چلے  
اُمید بخور میں مسلم تو ہو گیا ہوں مگر خدا ہی ہے کہ جو مجھ سے یہ پنجگانہ چلے  
خودی کی جس سے بھی ہوتا ہے انتشار اکبر کہاں رہوں کہ مجھے بھی مراپت نہ چلے

(۲۴۸)

حضور اوروں کے خوش کرنے کی فکر البتہ فرمائیں ہماری کیلئے شاعر کے لیے اک واہ کافی ہے  
خوشی سے ماسوا پر آپ قبضہ کیجئے اپنا مری تسکین دل کے واسطے اللہ کافی ہے  
نہایت ناپسند آن کو ہے یاد مرگ لے اکبر مگر اس کو بھلا دینے کو حُب جاہ کافی ہے

(۲۴۹)

وصف قیام میں مصروف میرا خام ہے میری جو تحریر ہے وہ اک قیامت نامہ ہے

(۲۵۰)

میرے دل کو وہ بُتِ دل خواہ جو چاہے کرے اب تو دے ڈالا اُسے، اللہ جو چاہے کرے  
حضرت اکبر سا ضابطہ اور یہ بے تابیاں آپ کی تر جیھی نطنز واللہ جو چاہے کرے  
منزلِ صدق و صفاء ہے ہر طرحِ خطرات سے پاک نیک نیتوں میں سے طے یہ راہ جو چاہے کرے  
قاضی و مفتی ہیں عرقِ بادہ مستی و کبر قوم کا ضعف اور حُب جاہ جو چاہے کرے  
شیخ کی منطق ہو یا چشمِ فسوں سازِ بیتاں سیدھا سادہ ہوں، مجھے گمراہ جو چاہے کرے  
دیکھ کر پوچھی بزمیں، کہتے ہیں اس عہد میں شادی تو آساں نہیں ہاں بیاہ جو چاہے کرے  
خرج کی تفصیل پر چھوں گا نہ مانگوں کا حساب لے لے وہ بُتِ گل مری خواہ جو چاہے کرے  
اچھے اچھے پھنس گئے ہیں نوکری کے جال میں سچ یہ ہے اسنہ زنی تنخواہ جو چاہے کرے  
با اثر ہونا تو ہے موقوف دل کے رنگ پر جوش میں یوں آگے اکبر آہ جو چاہے کرے

(۲۵۱)

تھکتا نہیں بندہ کسی بدخواہ کے آگے کیا عزم ہے تو کلت علی اللہ کے آگے  
منطق بھی ہے قانونِ شہادت بھی، خرد بھی سب بیچ مگر آپ کی واللہ کے آگے



عقل منگی ہے بہت، عشق خلاف تہذیب  
دل کو اس عہد میں ہم کام میں لایا نہ سکے  
ہم تو خود چاہتے تھے عین سے بیٹھیں کوئی دم  
آپ کی یاد مگر دل سے بھلا ہی نہ سکے  
عشق کامل ہے اسی کا کہ پیچوں کی طرح  
تسلسلہ نفاذہ معشوق کی لایا نہ سکے  
دم، ہستی کی بھی ترکیب عجیب رکھی ہے  
جو پہلے اس میں وہ پھر جان بچا ہی نہ سکے  
منظر جلوہ جاناں ہے ہر اک شے اکبہ  
بے ادب آنکھ کسی سمت اٹھا ہی نہ سکے  
ایسی منطق سے تو دیوانگی بہت سہرا کتر  
کہ جو خالق کی طرف دل کو جھکا ہی نہ سکے

(۲۹۰)

جو زہدوں کی طرف سے تیری نگاہ تھان پھری نہیں ہے  
تو کیا سبب ہے ہنوز ان کی بنائے تقویٰ گری نہیں ہے  
اگرچہ عاشق تیرے کا ہوں میں، نظر خدا سے پھری نہیں ہے  
جو آنکھوں کے ہیں، جانتے ہیں کہ عاشقی کا فہری نہیں ہے  
جمال و کش کا محو ہونا، نہیں ہے ہرگز خلاف طاعت  
خدا کی قدرت کی قدر کرنا، ثواب ہے، کافری نہیں ہے  
بس اک اشارے میں سے گئی تو، دلوں سے ایمان و صبر و تقویٰ  
بتا تو اسے چشم مست کافریہ کیا ہے گر ساعری نہیں ہے

(۲۹۱)

باری دولت ایمان بُت کافر نے ٹوٹی ہے  
امید عیش پر خوش تھے مگر اب وہ بھی ٹوٹی ہے

(۲۹۲)

مری تقدیر طبع یار کو بے چین کرتی ہے  
سبب کیا ہے، وہی کتابوں جو دل پر گزرتی ہے  
عشر تہا ہی نہ ہو جو دل، وہ ہے انمول دنیا میں  
یہ کیا ہے چھوڑ کر تیرے دل کی کیا قیمت ٹھرتی ہے  
سلیقہ عاشقی کا دل میں پیدا کرتی ہے فطرت  
خدا جانے عنایت کرتی ہے یا ظلم کرتی ہے

(۲۹۳)

یقین قوت تدبیر است پرستی ہے  
مخروبر رقت دنیا، نظر کی پرستی ہے  
حدیث و کثرت و معرفت کی عزتوں میں  
خدا کے عشق میں بھی نطفہ بت پرستی ہے

(۲۹۴)

مسلمانوں کو لطف و عیش عجب نہیں دیتے  
خدا دیتا ہے کھانا، شیخ جی پینے نہیں دیتے

(۲۹۵)

شیخ جی اپنی ہی کہتے ہی رہے  
وہ تھینڈر میں تھسرتے ہی رہے  
دف بجایا ہی گئے مضمون نگار  
وہ کیٹی میں مسکتے ہی رہے  
سرکشوں نے طاعت ہی چھوڑ دی  
اہل حبدہ سر نہکتے ہی رہے  
گائیں سبزہ پائیں گے کلمیل  
اونٹ کانٹوں پر کھتے ہی رہے  
جو خبار سے تھے وہ احسنہ گئے گئے  
بوستارے تھے چلتے ہی رہے

(۲۹۶)

مے اجلا بھی دوتے تھے کتر میں بھی ڈرتا ہوں  
نشاں الہ کا اس راہ میں دیتا نہیں واعظ  
سعادت کا جو طالب ہے کھلا رکھتے حتم عبرت کو  
سر نہ دہر کجس نے عقل خوف سمجھا ہے  
خدا کے نام میں قدرت نہ پائی اہل غفلت نے  
مگر ان کو گناہوں سے تھا ڈر اور بھگوانے سے  
بجائے ہمت مسلم جو رکتی ہے ابھرنے سے  
اٹھ کھلائے گایے نقش ہستی آہ بھرنے سے  
اُسے کیا لطف آئے گا یہاں دل کے ٹھرنے سے  
تعب اس میں کیا، دل مر گیا دنیا پر مرنے سے

(۲۸۲)

ان کی نظر کا احسنہ کیا کر لیا کسی نے  
بس رہ گئے یہ کہہ کر، مارا ہیں اسی نے  
چمکے ہیں بزم جم میں اب گیسوئے طلائی  
سکہ نیا بھٹایا گردوں کی پالسی نے  
کیا حال دل سنائیں، کیا مستدم پر رکھیں  
ماریں کر دیا ہے اس بُت کی بے حسی نے  
حسب ہے آسمان پر ابرو شفق کا گویا  
اچھا سماں دکھایا سب پر تری کسی نے

(۲۸۳)

وہ خوب سمجھتے ہیں یہ کیوں مجھ کو غشی ہے  
یہ بھی اک ادا ہے جو ہینگا نہ وحشی ہے  
افکار و دوسم طم نے کیا ہے مجھے بیمار  
نشنا ہوں علاج اس کا فقط بادہ کشی ہے  
محبوب بھی رخصت ہوئی، ساقی بھی سد حارا  
دولت زری پاس تو اب نہیں ہے نہ شئی ہے  
میں کون سا منہ سے کے انھیں شکل دکھاؤں  
گورے کو کہا جب، یہ لگوڑا جہشی ہے

(۲۸۴)

ادھر ہے جلوہ مضمون، ادھر حسن توانی ہے  
یہی اک شغل مسیحہ دل کے بدلنے کا کافی ہے  
جناب شیخ ہی کو فکر سنا و معافی ہے  
بہاری طبع موزوں کو زمین شمع کافی ہے

(۲۸۵)

تیری زلفوں میں کاسری ہے  
تیری آنکھوں میں ساحری ہے  
الذکرے مصائب شب عجب  
گیا ہر سانس آحسری ہے  
کہنے لگے سن کے نظم میری  
دقیقا فرسی یہ شاعری ہے

(۲۸۶)

اٹھ گیا دنیا سے دل عزت گزینی کے لیے  
یا تیری ملی گئی ہے ہم نشینی کے لیے

(۲۸۷)

طبع و تابع مسرماں کو غدر ہی کیا ہے  
کھٹے تو حال کہ مرضی حضور کی کیا ہے  
جناب شیخ کو ہے میرے حال پر افسوس  
کہو کہ اس سے بھی ہر گاہ سوا، اہی کیا ہے  
صدائے صور کی ہے ابتدا زمانے میں  
بڑھے گی اس کی تدبیر کے، اہی کیا ہے  
وہ عشق کیب جو نہ ہو ہادی طریق کمال  
جو عقل کو نہ بڑھائے، وہ شاعری کیا ہے  
ہر ایک کو ہے زمانہ میں زندگی مقصود  
کسے خبر ہے کہ مقصود زندگی کیا ہے  
بتوں کو دیتے ہیں ہم جان دل لگی کے لیے  
مگر یہ جان گونا گوا ہے، دل لگی کیا ہے  
مرید لوگ بھی اب اعمت نمانیں گتے  
جو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں شیخ جی کیا ہے  
جو تیرے مخرج میں اُن کو بتوں سے کیا مطلب  
وہ خور کی نہیں مٹتے تو پھر پوری کیا ہے  
اس انقلاب کو حسیہ سے دیکھتا ہوں میں  
زمانہ کتاب ہے، دیکھا کہ وہی کیا ہے

(۲۸۸)

گل ترکو بھلا اس عارضہ نکس سے کیا نسبت  
کہ اُس پر اس پڑتی ہے یہاں خوبی چکتی ہے  
تھائے کان کی بجلی عیاں ہے قرب عارض میں  
یہی وہ برتی ہے، مومن کے پہلو میں چکتی ہے

(۲۸۹)

اپنے پہلو سے وہ غیروں کو اٹھا ہی نہ سکے  
اُن کو ہم قصہ علم اپنا سنا ہی نہ سکے  
زہن میرا وہ قیامت کہ دو عالم پر محیط  
آپ ایسے کہ مرے ذہن میں آ ہی نہ سکے  
دیکھ لیتے جو انھیں تو مجھے رکھتے معذور  
شیخ صاحب مگر اس بزم میں جا ہی نہ سکے

لے ضمیر مذکر غائب HE ضمیر مؤنث غائب SHE  
یہ لفظ آخری ہے۔  
ضرورت قافیہ کے لیے فون گرایا گیا ہے۔ جیسے زمیں سے زمی۔

خونِ الوانِ جہاں پر یہ ہوا ہم کو عیشین  
میں جو کتنا ہوں کہ مرنا ہوں تو فرماتے ہیں  
دو فتنہ عشق بڑھادی ہے بے تابی دل  
دل حد چاک سے کھل جائیں گے ہستی کے یہ تیج  
کون ہمدرد کی کا ہے جہاں میں اکبر  
صفوحہ دہر پر ہیں نقشِ مخالف اکبر  
حفظِ ایمان ہے فقط خونِ جگر کھانے سے  
کار دنیا نہ دے کے گاتے مرجانے سے  
حسن کی شانِ فزوں ہوتی ہے شہانے سے  
بل نکل جائیں گے اس زلف کے اس شانے سے  
ایک ابھرتا ہے یہاں ایک مٹ جانے سے  
ایک ابھرتا ہے یہاں ایک مٹ جانے سے

(۳۰۲)

کل تک مجھتوں کے چمن تھے کھلے ہوئے  
دو دل بھی آج مل نہیں سکتے ہوئے  
اچھے دی ہیں آج جو سوتے ہیں زیرِ رگل  
افسوس ہے انہیں کے ہزاروں گلے ہوئے  
آنکھیں دکھاری ہیں کہ ہے دل میں بیڑی  
عارض اگر چہ گل کی طرح ہیں کھلے ہوئے

(۳۰۳)

آنکھیں مجھے تلوں سے وہ کئے نہیں دیتے  
خاطر سے تری یاد کو مٹانے نہیں دیتے  
کس ناز سے کہتے ہیں وہ جھجک کے شبِ صلی  
پردہ ازل نے فاروس کو دیکھا تو یہ بوسے  
حیراں ہوں گس طرح کروں عسدر میں تمنا  
دل وہ ہے کہ فریاد سے بھریا ہے ہر وقت  
گرمی محبت میں وہ ہیں آہ سے مانع  
ارمان مرے دل کا نکلنے نہیں دیتے  
سیج ہے کہ ہمیں دل کو سنبھلنے نہیں دیتے  
تم تو ہمیں کو دھڑکے بھی بدلتے نہیں دیتے  
کیوں ہم کو جلاتے ہو کہ جلنے نہیں دیتے  
دشمن کو تو پسوسے وہ ٹٹلنے نہیں دیتے  
ہم وہ ہیں کہ کچھ منہ سے نکلنے نہیں دیتے  
پنکھا نفسِ سرور کا جھٹلنے نہیں دیتے

(۳۰۴)

وہ محاب ان کا آج تک نہ گیا  
اک جھلک ان کی دیکھ لی تھی کبھی  
کیا ٹھہرتا ہمارے آگے غمیر  
نہ گیا اُن کے دل سے شک نہ گیا  
وہ اثر دل سے آج تک نہ گیا  
دیکھے آئینہ شہسک نہ گیا

(۳۰۵)

حسن نے ناز کئے عشق کی تکمیل ہوئی  
آپ دیکھیں مجھے اور میں نہ کروں یاد خدا  
نہ نظر آپ کی بھی، زمر دل بکھا  
موت سے آپ نے ایسا مجھے غافل بکھا

(۳۰۶)

اشعبلِ زندگی کے میں قانون ہی کچھ اور  
وہ جادوئے سخن ہے نہ وہ رنگِ سخن  
کیسی غزل، یہاں تو ہے مضمون ہی کچھ اور  
تہذیبِ معنوی کے ہیں انہوں ہی کچھ اور

فخریہ میں نے جو اشعار پڑھے سعدی کے  
شیخ سعدی تو بزرگوں میں مرے تھے نہ وقت  
فخریہ آپ سنانے لگے نظمِ مثنوی  
اچکے کون تھے مثنوی، یہ سنوں حضرت میں

بوسے جازوں میں لالہ گنگا دیں  
ڈاڑھی سورج کی مقام لیتا ہوں  
دھوپ سے مجھ کو ہوتی ہے تسکین  
مدحیہ کہ گھام لیتا ہوں

۱۔ انجیری میں بکلو پیدا کرنے کے آکر کہتے ہیں۔

خدا کے خوف کو کچھ تو جگہ دے دل میں دے اکبر  
میں کی کافر ہی بڑھتی ہے تیرے واہ کھنڈے سے  
(۲۹۷)

اگر مٹا نہیں منظور آنکھیں کیوں ملاتے ہو  
نہیں دے کچھ کو خوش دل اب دست کش مرکز  
جوانی کی ہے آمد شرم سے جھلک سکتی ہیں آنکھیں  
یہ تو پانے سے حاصل، فائدہ ہے چلنے کھنڈے سے؟  
قیامت ہو گیا ہے آپ کا سینہ ابھرنے سے  
مگر سینہ کا فتنہ رک نہیں سکتا ابھرنے سے

(۲۹۸)

اور بھی دورِ فلک ہیں ابھی آنے والے  
سیکڑوں دورِ جنوں ہیں ابھی آنے والے  
اٹھتے جلتے ہیں اب اس بزم سے اربابِ نظر  
غامتہ عیش کا حسرت ہی پر ہوتے دیکھا  
حدِ اوراک میں داخل نہ ہوا ستر ازل  
موجِ معنی ہوئی گم، بندھ گئے الفاظ کے پل  
آپ اندھیرے میں ہیں، بجلی سے مدد لیتے ہیں  
بارِ احساں جسے کہتے ہیں، وہ ہے کوہِ جفا  
آپ گنگر ہیں، غلامی بھی نہیں ملتی ہے  
تہم شوق بڑھے ان کی طرف کیا اکبر  
نازا اتنا نہ کریں ہسم کو مٹانے والے  
مطمئن کیا ہیں مجھے ہوش میں لانے والے  
کھٹے جاتے ہیں نہ دے دل کے بڑھانے والے  
رد ہی کے اٹھتے ہیں اس بزم سے گانے والے  
کچھ سمجھ ہی نہ سکے ہوش میں آنے والے  
کچھ خبر ہے تجھے اے بات بلندے والے  
چاند سورج ہیں ہیں راہ دکھانے والے  
کاسٹوں نام ہوں یہ صاف جتانے والے  
سلطنت کر گئے عقبنی سے ڈرانے والے  
دل سے ملتے نہیں یہ ہاتھ ملائے والے

(۲۹۹)

وہ گئے ہم ہاتھ ہی ملتے ہوئے  
کیوں نہ ہوتا دیب کا بچ بے شرم  
دل ہمارے کے وہ چلتے ہوئے  
کس نے دیکھا بید کو پھلتے ہوئے

(۳۰۰)

سب میں وحشت ہے زمانہ کے بدل جانے سے  
رحم کر قوم کی حالت پہ تو اسے ذکرِ خدا  
جب ہمیں وہ نہ ہے، پھر یہ بدلتا کیسا  
نقصِ تعلیم سے اب اس کی سمجھ کئی رہی  
شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے  
حکم اکبر کو ہوا ہے کہ کر ترکِ سخن  
دل اب اپنے سے نہ ملتا ہے، نہ بیگانے سے  
بے ادب ہو گئی مجلسِ تیرے اٹھ جانے سے  
یہ کو مٹ گئے دنیا کے بدل جانے سے  
دل تو بڑھ جاتا تھا اجداد کے افسانے سے  
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے  
خواجہ حافظ بھی نکالے گئے مینانے سے

(۳۰۱)

دم بہوں پر تھا دل زار کے گھبرانے سے  
تیرا کوچہ نہ چھٹے گاتے دیوانے سے  
بچتا ہوں کوئے حسیں کی ہوا کھانے سے  
رقص کرتی ہے صبا اگر مزا ہے بلب بلب  
جو کام میں نے کر کچھ مرے رونے کا خیال  
جاں بلب دیکھ کے سینے سے نکایا اس نے  
خیر چپ رہیے مزا ہی نہ ملا بوسے کا  
خوش کرے کیا مجھے غنچوں کا شگفتہ ہونا  
اپنے دل ہی کی رفاقت میں بسر کی میں نے  
شیخِ ناصح ہیں، کرتے جو نہیں قدراں کی  
مضطرب عشقِ تباں میں ہوں جنت میں اتنا  
میںماں چرخِ ستار کا کیا قسمت نے  
آگئی جان میں جاں آپ کے آنے سے  
اس کو کعب سے نہ مطلب ہے نہ بت خانے سے  
فائدہ کیا ہے دلی آگ کے بھر گانے سے  
کشتہ اس ناچ کا ہوں ہست ہوں بگائے سے  
ہنس کے بوسے مجھے فرصت ہی نہیں گانے سے  
گھٹ گئی شرم مرے شوق کے بڑھ جانے سے  
میں بھی بے لطف ہوا آپ کے جھنجھانے سے  
ریخ ہوتا ہے بہت چھوڑوں کے کھلانے سے  
شکر اللہ کا ہے، نہج گئی دیوانے سے  
دل فرشتوں کے ملے ہیں ترے دیوانے سے  
دام ہو جائیں گے کیا وہ مرے گھبرانے سے  
کوئی چارہ نہیں اب خونِ جگر کھانے سے



مذہب نے پکارا ہے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں یاروں نے کہا یہ قول غلط، خواہ نہیں، تو کچھ بھی نہیں  
ہر بات پر تم تھیں کھانا جب یاد کریں راجہ صاحب دربار اودھ میں نے اکبر اللہ نہیں، تو کچھ بھی نہیں  
ملے کا کسی سے ہے یہ مزار، اک جوتہ طبیعت ہو پیدا اس بزم میں میرے پونچنے پر آنا نہیں، تو کچھ بھی نہیں

تھا تصور مائیک آزادی زندہ ہوں لیکن اب بائبل اس پر انتظام خانہ ہوں  
پہلے تھے اُس بکے گرد اب ساتھ ہے کون کی فرج عشق میں دیوانہ تھا اب فکر میں دیوانہ ہوں

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبط سمجھتے ہیں کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو بلی سمجھتے ہیں  
نیک کے حق میں کج ادائی نہ کرو اللہ کے ساتھ بے وفائی نہ کرو  
نیٹو بھی رہو گے اور مرد کے بھی ضرور کتابوں کو دعویٰ حسدائی نہ کرو

مذہب نے کہا کہ جان سے عاری ہیں آپس ہی کے لوگ بائبل بخواری ہیں  
گویا قسرات تھے، ہوئے ہیں اب ایسے اپنی ہی میں کچھ گواہ سرکاری ہیں

حیران ہیں اس زمانے میں ہم جی کے کیا کریں جائز سہی شراب، مگر پی کے کیا کریں  
تعلیم اونچے درجہ کی ہوتی نہیں نصیب پھر گھر میں بیٹھ کر بھرنے، بلی کے کیا کریں

شیخ کی وہ صبح نہیں، وہ شیخ کی ڈاڑھی نہیں دوستی مذہب ہے پر اس قدر کاڑھی نہیں  
پیتا ہوں سفیر اب اب بزم کے ساتھ رکھتا ہوں اک اونٹنی بھی ٹم ٹم کے ساتھ  
بے عشق حقیقی اور مجازی دونوں قوال کی بھی مہربانی ہے ہم جیم کے ساتھ

اکبر جھے شک نہیں تیری تیسری میں اور تیسرے بیان کی دلاویزی میں  
شیطان عربی سے ہند میں ہے خوف لاجول کا ترجمہ کر انگریزی میں

ہیں عمل اچھے مگر دروازہ جنت ہے بند کہ چلے ہیں پاس لیکن نوکری ملتی نہیں

## رباعیات و قطعات و دیگر منظومات

(۱) گورنمنٹ کی غمبیر یارو مناؤ گئے میں جو اتریں، وہ تانیں اڑاؤ  
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میرا انا الحق کو اور چھپا نہ پاؤ

(۲) شیخ اس درجہ اناڑی ہے جو گھوڑے پر چڑھے باگ گردن میں، رکاب آکے پھنسی دلیں ہو  
لات دنیا پہ نہ مارو ابھی اسے حضرت کشیش بیٹھیں کہ لودرا، زور تو کچھ ران میں ہو

(۳) شوق یدائے سول مردوں نے مجھ مجنون کو اتنا دھڑایا، سنگوٹی کو دیا پستون کو  
جامہ ہستی کے ٹکڑے اُن سے ہیں نزاعیں پھینکے اب کوٹ کو، تہ کیجیے پستون کو

(۴) وقیانوی طہری سے منہ موڑو شیرازہ مذہبی لغت کا توڑو  
بھوکے سے کو کہ حد تہذیب میں رہ آئوں کو کہو کہ قل حوالہ شد چھوڑو

(۵) فقط مذہب ہے تم میں عورت و وقت کی ہے یہ بڑو وگرنہ اوکیا نسبت، کہا ویم کب کلو  
اونچا نیت کا اپنی زمین رکھنا اجاب سے صاف اپنا سینہ رکھنا  
غصہ آنا تو نیچ پر دل ہے اکبر مسکین ہے شدید عیب کیونہ رکھنا

(۶) بے ہنر ہو کر جو بیٹھو، طعنے عالی سُنو باہنر ہو کر جو چکو، قوم سے گالی سُنو  
ہم کو تو بڑی بریقت ہی دی ہے صلاح قلعہ منصور دیکھو اور قوالی سُنو  
غفلت کی ہنسی سے آہ بھرنے اچھا افعال مفسر سے کچھ نہ کرنا اچھا  
اکبر نے سنا ہے اہل غنیمت سے یہی جینا ذات سے ہو تو مرنا اچھا

بحث اُس کی ذات میں کیوں کر ہوئے فلسفی ایسے چُپ ہیں، یہ ہوتا نہیں اس پر بھی چُپ  
 (۲۰) لاف ہی سے ہر نہیں سکتی صلاح قوم ہرگز گذر سکیں گے نہ ان منزلوں سے آپ  
 کسے بہت نکال دیئے تھے رسولؐ نے اللہ کو نکال رہے ہیں دلوں سے آپ  
 (۲۱) کامل کم ہیں اور اہل ارشاد بہت ساحر کم ہیں، طیس گے صیاد بہت  
 ہے بزم سخن کا حال یہ اکبر شاعر کم ہیں مگر ہیں استاد بہت  
 (۲۲) بندوں نے بھلا دیا ہے وہ حمداست ناخفی جس میں ہیں اکثر بدست  
 کیا نیکو بکر معترض ہوتا ہے اک گور پرست ہے تو ایک زور پرست  
 (۲۳) پسری آئی، ہوئی جوانی رخصت ساتھ اس کے وہ لطف زندگانی رخصت  
 ہے اب تو اسی کا انتظار ہے اکبر ہم کو بھی کرے جہان فانی رخصت  
 (۲۴) تری معین فقط ہے خدا کی ذات ہے دوست خدا گواہ کہ کئی سی بات اسے دوست  
 طلب مدد کی نہیں اُن سے جو ہیں خود محتاج طلب مدد کی ہے بالضرر والصلوٰۃ دوست  
 (۲۵) تحریک ضرورت معیشت ہے بہت غرقہ کو بھی اب خیال خلعت ہے بہت  
 خالق کے بحال کا تو سودا کم ہے اللہ کے نام کی تجارت ہے بہت  
 (۲۶) دُنيا کرتی ہے آدمی کو برباد افکار سے رہتی ہے طبیعت ناشاد  
 دو ہی چیزیں ہیں بس محافظ دل کی عقبتی کا تصور اور اللہ کی یاد  
 (۲۷) حق نے جنہیں دی ہے فہم ستر آن مجید ہونے کے نہیں وہ پیر گردوں کے مرید  
 بدلے سودا گ انفتلاب دنیا ہر حال میں اُن کو ہے خدا ہی سے امید  
 (۲۸) کس نمائندست کہ در بیشہ شکارے بکند تیغ گیسو بکف دست دیا رہے بکند  
 این زمان ہمت مردان بہ ہیں محدود دست نہ نے اند پر وہ بروں آید و کائے بکند  
 (۲۹) چھوڑ دہلی، بکھڑو سے بھی نہ کچھ امت کر نظم میں بھی وعظ آزادی کی اب تائید کر  
 صاف ہے، روشن ہے اند ہے صاحبِ دگر اند شاعری میں بس زبانِ شمع کی تفتید کر  
 (۳۰) نمران اجل کا آگیا وقت مدور ہوں گے کوئی دم میں شامل اہل متبور  
 دیکھیں منکر نکیر کیا کہتے ہیں یاں سب مجھے کہتے ہیں خداوند و جہنود  
 (۳۱) دیکھے اکبر کے آج کچھ اشعار آئی ہے حد پسند یہ گفتار  
 تحیر بر خد بنے گا واعظ دیں یک بعد از خرابی بسیار  
 (۳۲) بے سود ہے یہ شکوہ و فغانی دیر افسوس ہے مخلصوں کو اور ہنستے ہیں غیر

(۷) رشوت ہے گلوے نیک نامی کا چھڑا عیاشی ہے بدی کے پیسے کا دھڑا  
 ہر چہ نہ کہ بے محل خوشامد ہے بڑی گستاخ مگر خوشامدی سے بھی بڑا  
 (۸) گذرا ہے مری نظر سے سب کا جلوہ سب سے بہتر ہے لذت و شب کا جلوہ  
 کہتا ہے عجم، عجم میں جسم ہے موجود کہہ دو کہ عرب میں دیکھ رہا کا جلوہ  
 (۹) دنیا میں ثابت قدم رہنے کی ترغیب :- ہر چہ نہ محل انفتلابات رہا  
 گھٹنے بٹھنے کا بیج دن رات رہا چھوڑیں نہیں مندریں قمر نے اپنی  
 ذی رتبہ و صاحب مقامات رہا  
 (۱۰) آزاد سے دین کا گرفتار اچھا شرمندہ ہو دل میں، وہ گنہگار اچھا  
 ہر چہ نہ کہ زور بھی ہے اک خصلت بد واللہ کہ بے حیا سے مکار اچھا  
 (۱۱) بے پردہ کل جو آئیں نظر چہند بیدیاں اکبر زمیں میں غریب تیری سے گز گیا  
 پوچھا جو اُن سے آپ کا پردہ، وہ کیا ہوا کہنے لگیں کہ عفتل پر مردوں کی پڑ گیا  
 (۱۲) انفتلاب بہاں کو دیکھ رہا حُب دنیا سے قلب پاک ہوا  
 کل کلی کھل کے ہو گئی تھی پھول پھول کھٹلا کے آج خاک ہوا  
 (۱۳) تھامس میں کمال وہ تو سلطان بنا عقادل میں بحال وہ سلمان بنا  
 لذت طلبی سے نفس زندی پر چکا تھا پیٹ بہت عریض، شیطان بنا  
 (۱۴) مذہب کو یا تو بحث میں سر ٹوٹا چاہی اصلاح تر حُسن دہا ہی ٹھوٹا  
 شکوہ ہم غیبر کا کریں کیا اکبر اپوں ہی نے ہم کو ہر طرح سے ٹوٹا  
 (۱۵) رسوا وہ ہوا جو مست پیمانہ ہوا پکا جو سایہ پر، وہ دیوانہ ہوا  
 انگلیڈ سے اپنا دل جو لایا نہ درست محروم ادھر، ادھر سے بیگانہ ہوا  
 (۱۶) کرم حق پر رکھ نطنسرا اپنی جو عقیدہ ترانہ ہو ڈھیلا  
 اسرا سب کا چھوڑ دے اکبر وَتَبَّتْ اَلْاَیْدِیْ تَحْتِیْ لَکَ  
 (۱۷) مجلس میں خیال بادہ نوشی پایا کتب میں ستر سخن مندرشی پایا  
 مسبد میں اگر چہ امن تھا اے اکبر مین اک عالم خموشی پایا  
 (۱۸) کہنے کو تو شاہ سب ہیں، خراج ہیں سب مالک دولت کے، مالک تاج ہیں سب  
 لیکن کھو لو جو چشم تحقیق اکبر بے بس ہیں سب، خدا کے محتاج ہیں سب  
 (۱۹) جلوہ ارض و سما دکھلا کے ہے نیچر بھی چُپ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اللّٰہُ کہہ کے پیغمبر بھی چُپ  
 لے اشارہ ہے کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ کا طرف



پہلے ابجد سے اب یزید کہہ کر ہو سکتی ہے تب اُمیدِ تہمت باغیہ

(۳۲)

منکر نہیں روح کے جو یہ اہل حسرت و  
ہے نعم و حسرت کا تم کو دعویٰ یہ کہو  
اک امر ہے پوچھنا، ہمیں ان سے ضرور  
پیدا ہوا مادہ میں کیوں کہ یہ شعور و  
(۳۴)

سید صاحب سکھا گئے ہیں چوتھوں  
سورتوں کو جنگا دیا انہوں نے بیگن

(۳۵)  
 نے جاؤں خود میں اپنا اسلام بخیر  
 لکھیں یا رب ملک مسیحا نام بخیر  
 اسلام سے جس نے بے وفائی کی ہے  
 پایا نہیں میں نے اس کا انجام بخیر

(۳۶)

ہو علم اگر نصیب تم سلیم بھی کر  
دولت جو ملے تو اس کو تقسیم بھی کر

اللہ عطا کرے جو عظمت تجھ کو  
ہر اہل میں اس کے ان کی تعظیم بھی کر

(۳۷)

یہ سنی غلطی دیا جو معبود کو چھوڑ  
بزمِ ملت کا عافیت جو ہے اگر

اصلاح یہ ہے، خود بے سود کو چھوڑ  
اللہ کے آگے جھک، اچھل کود کو چھوڑ

(۳۸)  
کہہ دو کہ میں خوش ہوں، رکھوں گا آپ کو خوش  
سیکھوں ہر علم و فن مگر فرض یہ ہے  
بجلی چمکاؤں اور کروں بھاپ کو خوش  
ہر حال میں رکھوں اپنے ماں باپ کو خوش

(۳۹)  
 بے سود ہے گنج و مال و دولت کی تلاش      دولت ہے در اہل جاہ و شوکت کی تلاش  
 اکسبہ تو سرور طبع کو عسل میں ڈھونڈو      محنت میں کر سکون و راحت کی تلاش

(۴۰)

غالب انسان پہ خود پسند ملک ہے فقط  
ہر فرقہ و ہر سے یہ آتی ہے صدا

مذہب کیلئے، اگر وہ بند ملک ہے فقط  
فحشیت ہے اگر تو عقل مند ملک ہے فقط

(۴۱)  
ہے ماہِ حیا م کی نہایت تعریف  
بے شبہ یہ ہے مہذب و پاک و مطہر  
نااہل کو یہ کبھی دکھانا نہیں  
کتے ہیں اسی سبب سے رمضان کو شریف

تکمیل میں اُن معلوم کے ہو معروف      (۴۲)      نیچر کی جو طاقتوں کو کر دی گشتوف  
لیکن تم سے امید کیا ہو کہ تمہیں      عہدہ مطلوب ہے وطن ہے دائوف

(۴۳)

دیکھا مناظروں کا بہت اس نے رنگ جنگ  
اکبر کے دل میں اب نہ رہی بحث کی انگ

کہتے بہت صحیح تھے یہ حضرت مذاق  
ایمان برائے طاعت مذہب برائے جنگ

(۴۴)

اہل حسروں و طعن پر طعن :-  
 ہے حسروں و ہوس کے فن کی مجھ کو تکمیل غیت نہیں میری دم دانش میں دخیل

۱۔ ایک انگریزی مؤرخ لکھتا ہے کہ یہ مسئلہ ڈارون کی سمجھ میں نہیں آیا۔  
۲۔ عالمیناب شیخ احمد حسین صاحب خان بہادر تعلقہ دار پریانوال

میں نفس کی خواہشیں بہت عجز کو عزیز جب چاہے کریں خوشی سے وہ مجھ کو ذلیل

بے غیرت دغود غریش و جاہلی سے نہ مل سق سے جو ہو خاقل و ایسے خاقل سے نہ مل  
یک جا کر دیں حوادثِ دہر اگر جائز ہے کہ اُن سے مل اگر دل سے نہ مل

(۳۶)

دل ہو جو وسیع اور روشن ہو خیال ہر رنگ دکھائے تجھ کو خالق کا حیرت  
سازگار دنیا ہے اس کو پیاری اکسیر کتنا ہے کم آلہ جس کو حاصل ہے کمال

(۳۷)

جب علم گیا تو شوقِ عزتِ معدوم      دولتِ رخصت تو ذوقِ زینتِ معدوم  
 مسجد سے یہ آنکھیں اکبریں صفا      مذہبِ جوڑا تو زورِ قلمتِ معدوم

(۴۸)

خواہاں علم نہ طالب گنج میں مسم  
بے کینہ و بے ریا و بے رنج ہیں ہم

۴۹؁  
 افکار اس دور کے دل امسوز ہیں کم گریاشیں بہت ہیں اور روز ہیں کم  
 ہر چرب زباں نہیں ہے شمعِ خلاص جلتے واسطے بہت ہیں، دل سوز ہیں کم

(۵۰)  
اب تک کوئی بہتری تو فہا ہر نہ ہوئی گذرتے ہیں ہم پر سال و مہریم  
شاید کہ یہی ترقی قومی ہے ہر شخص بجائے خود بنا ہے اک قوم

(۵۱)

رکھو جو مقابل اس کے سارا عالم      دنیا بھرتا ہے اک ذرے سے بھی کم  
 اس اک ذرے میں ہے ہماری کیا اصل      ناختم ہیں، مگر رہے ہیں ناسحق ہم

محسوس کرو کہ نفس و نجس کو ہم (۵۲) گوشت نے بھی یا ہے نجس سے ہم  
جو بھوک لگے زباں کو، وہ ٹھیک نہیں ناسخ وہ طعام ہے کہ طالب ہوشم

(۵۲)  
پڑتا ہے بھول سے ساعت چند کا کام      تمہید میں اس کی دولت و عترت م  
اللہ سے ہر نفس کا رہتا ہے رگ و      و شواہد ہے نفس پر عبادت کا ہم

علم و حکمت میں ہو اگر خواہش نہیں (۵۴)  
نشادی نہ کر اپنی قبیلہ تحصیلِ علوم  
بہت ہو کہ پری ہو، خواہ وہ ہو کوئی میم

(۵۵)

بھونے جاتے ہیں، سسٹری بھی اپنی      مذہب کو بھی ضعیف پاتے ہیں ہم  
ہے دولت و جاہ بھی کی پر ہر روز      ظاہر ہے سچے کہ مٹتے جاتے ہیں ہم

(۵۶)

اس بزم سے سب کے اُٹھے جاتے ہیں      تسکین کے جو تھے سبب، اُٹھے جاتے ہیں  
اک قوتِ مذہبی عقیدوں سے تھی      وہ بھی تو دلوں سے اب اُٹھے جاتے ہیں

دنیا طلبی کے دعوے میں محو ہے تو یہ بھی تو ذرا سمجھ کہ رکھی ہے کہاں

(۵۰)

مشکل سے یہ حالتیں بھی جاتی ہیں یہاں نہیں ہیں کہ قلب میں رہی جاتی ہیں  
تفصیل نہ پوچھ، میں اشارے کافی یونہی یہ کمائیاں کی جاتی ہیں

(۵۱)

گردن خالی کے اُگے ٹھکتی ہی نہیں اب ابتری سے یہ قوم رکتی ہی نہیں  
ہوتی نہیں ان میں کچھ بھی خستہ پیدا اور بات اکبر کی ہے کہ چٹکتی ہی نہیں

(۵۲)

پختیاں اک دوسرے کی دقت پر جرتے بھی ہیں ناگیاں غصہ بوجا جاتے ہیں  
ہندو دلم میں پھر بھی ایک اور کہتے ہیں سچ میں نظر آپس کی ہم بٹے بھی ہیں ٹٹے بھی ہیں

(۵۳)

اوروں کی کمی جوتی جو دھرتی ہے وہ فوٹو گراف کی طرح گاتے ہیں  
خود سوچ کے حسبِ حال مضمون نکال انسان پر نہی ترقیاں پالتے ہیں

(۵۴)

کنے کنے کی گرم اذاری ہے ٹھنڈی ہے گر اثر پرانے دل میں  
ایسا ٹھنڈے کہنے والا ابھرے ایسے کیے کہ بیٹھ جائے دل میں

(۵۵)

لفظوں کے چمن بھی اس میں کھل جاتے ہیں بے ساختہ تانیے بھی مل جاتے ہیں  
دل کو مطلق نہیں ترقی ہوتی تعریف میں سر اگر چہرہ جاتے ہیں

(۵۶)

خاطر مضبوط، دل توانا رکھو اُمید اچھی، خیال اچھا رکھو  
ہو جائیں گی مشکلیں تمہاری آساں اکسیر اللہ پر جس پر دھار رکھو

(۵۷)

اعمال کے حسن سے سنو نہ سیکھو اللہ سے نیک اُمید کرنا سیکھو  
مرنے سے مفر نہیں ہے جب اے اکبر بہتر ہے یہی خوشی سے مرنا سیکھو

(۵۸)

تہذیب وہ ہے کہ نگہ مذہب بھی ہو آزاد وہ ہے کہ جو مودب بھی ہو  
تہذیب وہ ہے کہ خاکساری بھی ہو ساتھ اسٹیج وہ ہے کہ اس میں یارت بھی ہو

(۵۹)

اللہ کا صدق سے جو طالب ہو حیرت نہیں کہ خاک کا ہم غالب ہو  
ہرگز نہ بڑھیں گے اس سے نیچے پریر ممکن نہیں جسم روح پر غالب ہو

(۶۰)

بھولتا جلتا ہے یورپ آسمانی باپ کو بس خدا سمجھتا ہے اُس نے برق کو ادب باپ کو  
برق گبتائے گی اک دن اور اڑ جائے گی بھاب دیکھنا اکبر بجائے رکھنا اپنے آپ کو

(۶۱)

اسلام ہی کو میں اپنی قلت سمجھو بیگانہ روشنی میں اپنی ذلت سمجھو  
جو اس کے خلاف رائے رکھے اکبر خاکوش رہو سمجھ کی قلت سمجھو

لے SPEECH، تعتریر

(۵۷)

گر جیب میں نہ نہیں تو راحت بھی نہیں بازو میں سکت نہیں تو عزت بھی نہیں  
گر علم نہیں تو زور و زور ہے بیکار مذہب جو نہیں تو آدمیت بھی نہیں

(۵۸)

دنیا سے میل کی ضرورت ہی نہیں مجھ کو اس کھیل کی ضرورت ہی نہیں  
درپیش ہے مسئلہ عدم اے اکبر اس راہ میں دین کی ضرورت ہی نہیں

(۵۹)

توحید ان کے دلوں میں محفوظ نہیں اللہ کے ذکر سے یہ محفوظ نہیں  
اس مسئلہ کو میں نے دیکھا اکبر اسلام اس کی نطشہ میں ملحوظ نہیں

(۶۰)

تجہ کو بھی جہاں میں کچھ شرف ہے کہ نہیں کوئی طاقت تری طرف ہے کہ نہیں  
داخل ہے غازیوں میں یا فوج میں ہے آخر تری بھی کوئی صف ہے کہ نہیں

(۶۱)

وہ رنگ کُن تمہارے عاشق میں نہیں اُلجھا ہوا اب وہ طرزِ سابق میں نہیں  
افت ثابت کر دہل سے صاحب دائرہ دخل سپری منطق میں نہیں

(۶۲)

اُردو میں جو سب شریک ہونے کے نہیں اس ملک کے کام ٹھیک ہونے کے نہیں  
ممكن نہیں شیخ امرار اقیس بنی پندت جی وال میکٹ ہونے کے نہیں

(۶۳)

کہا احباب نے یہ دفن کے وقت کہ ہم کیوں کہ وہاں کا حال جانیں  
لحد تک آپ کی تعظیم کر دی اب آگے آپ کے اعمال جانیں

(۶۴)

دلکش نہیں وہ حسین ہے شرم نہیں رونق نہیں اس کی جس کا دل گرم نہیں  
سختی میں بھی ہو گا از طینت ہو جو صاف پگھلی ہے برف گو کہ وہ نرم نہیں

(۶۵)

سب سے جو کوئی بڑا یہ مضمون نہیں کوئی پسند خلاف قانون نہیں  
ہر چند کہ یہ مزے چکھاتا ہے بہت شیطان کا کوئی شخص مضمون نہیں

(۶۶)

وہ خیر تیں، وہ صبر، وہ ایمان ہیں کہاں حسنِ عمل کے دل میں وہ ارمان ہیں کہاں؟  
اک خل چا ہوا ہے کہ مسلم ہیں خستہ حال پرچے ذرا کوئی کہ مسلمان ہیں کہاں؟

(۶۷)

افت اور ادب نہیں تو انسان نہیں بے صبر و سکون جو ہو تو ایمان نہیں  
جو غصہ خدا کو جانتا ہو تو ادب اکسیر بخدا کہ وہ مسلمان نہیں

(۶۸)

بخود ہیں وہ جو دل سے ہیں اللہ کے خواہاں ہیں مست نگاہ بُت و خواہ کے خواہاں  
آسودہ ہیں، علم و ہنر و فن میں جو ہیں محو چکڑ میں ہیں بس جاہ کے اور شاہ کے خواہاں

(۶۹)

ہے صبر و قناعت اک بڑی چیز اکبر لذت ابھی اس کی ترے چکھی ہے کہاں  
نہ منکرت کا ایک بڑا مصنف ہے۔



(۸۲) جس بات میں تم شکست مت سمجھو اس میں شرکت کو اپنی ذلت سمجھو جو بندہ نفس ہو مخالف اس کا قوی غلبہ اس میں شرکت سمجھو

(۸۳) کچھ منع نہیں، ہر ایک کی تحسیر پڑھو لیکن مسترآن کی بھی تفسیر پڑھو عظمت دنیا کی جب دہلے دل کو خالق کا کرد خیال، تکبیر پڑھو

(۸۴) حاصل کرد مسلم، طبع کو تیز کرد باتیں جو بڑی ہیں، اُن سے پرہیز کرد قوی عزت ہے نیکیوں سے اکسیر اس میں کیا ہے کہ نقل انگریز کرد

(۸۵) دنیا نے دن کی یہ ہوس جانے دو گلیں ہو اگر تو حق اودھس جانے دو مالک کے بغیر گھر کی رونق نہیں کچھ اللہ کو اپنے دل میں بس جانے دو

(۸۶) شیطان داعظ ہے، پنہ در گوش رہو غالب ہے اسی کی بات، خاموش رہو بدلا پاتا ہوں مجلس دہر کا رنگ ہستی کی ہوس نہ ہو تو بیہوش رہو

(۸۷) کتا ہوں میں ہندو مسلمان سے یہی اپنی اپنی روش پر تم نیک رہو لاشی ہے ہوائے دہر، پانی بن جاؤ موبوں کی طرح لڑو مگر ایک رہو

(۸۸) اے حیدر برگ کے نواسا، پرتو! تڑپیں کو نہ کرو، زمینیں جو تو کیا رشتے ہو اپنی ہسٹری کو ہر وقت اسندہ دکرے گا، ویسے ہو تو!

(۸۹) شہوات کی پیروی کا منصوبہ نہ ہو دولت تری خادم ہو، محبوب نہ ہو شہرت جو کمال سے ہو پیدا، ہو جلے لیکن بہ تکلف است مطلوب نہ ہو

(۹۰) لوگ ہنستے ہیں جو پیش آتی ہے یہ حالت کبھی من تڑا حاجی جو گیم، تو مرا حاجی جو لیکن احسن لاق نظر میں اس سے تو بہتر ہے وہ من تڑا حاجی جو گیم، تو مرا حاجی جو

(۹۱) ہوئی نصیب تلخ کامی تم کو محسوس نہیں ہے اپنی خامی تم کو اختیار نہیں بنا سکے تم کو سلام ہے اپنے ہی نفس کی سلامی تم کو

(۹۲) تدبیر کریں تو اس میں ناکامی ہو تفتیر کا نام میں تو بدنامی ہو انقصہ عجیب ضیق میں ہیں ہندی یورپ کا حسد اکلاں ہے جو حامی ہو

(۹۳) مغوی کو بھی بد مذکیے، ترغیب ہے یہ کس سے میں کہوں کہ دل کی تخریب ہے یہ شیطان کو دجیم کہہ دیا تھا ایک دن اک شود چھا، خلاف تہذیب ہے یہ

(۹۴) ہے عقل بشر بھی تابع حکم خدا بے فائدہ سب میں بحث و تقریر ہے تدبیر کے باب میں ہے الیٰ غیہ کمد اکبر کہ جزو تفتیر ہے یہ

(۹۵) مرد کو چاہیے قائم رہے ایمان کے ساتھ تادم مرگ رہے یاد خدا، جان کے ساتھ میں نے مانا کہ تمہاری نہیں سننا کوئی شرط نا تمہیں کیا فرض ہے شیطان کے ساتھ

(۹۶) مسکین گدا ہو یا شاہ ذیجاہ بیماری و موت سے کہاں کس کو پناہ آہی جاتا ہے زندگی میں ایک وقت کرنا پڑتا ہے سب کو اللہ اللہ

(۹۷) خوبی طاعت کی ہے مسلم اب بھی عزت اس کی نہیں ہوئی کم اب بھی خود میں دھس رہیں و جنگجو ہونداگر واقف کی نظر میں ہے مکرم اب بھی

(۹۸) رطبت جو دلائی وسعت مشرب کی شامل اس میں غرض تھی بے شک سب کی لیکن تبدیل وضع و نقل فاتح ہے بعض کی بات اور اپنے ہی مطلب کی

(۹۹) مذہب ہے گم ترقی یورپ کے سامنے معذور خاکسار بھی ہے اور جناب بھی لیکن وہ آفتاب ہے اور یہ ہے مثل ابر ابر غلیظ سے ہے نہاں آفتاب بھی

(۱۰۰) راحت کا سماں بندھا تو غفلت بھی ہوئی حسرت کا کھچا جو سین، عبرت بھی ہوئی دنیا میں بے جو پیش آیا اکسیر بس اس کے مطابق اُس کی حالت بھی ہوئی

(۱۰۱) تحصیل علوم کر کہ دولت ہے یہی اخلاق درست کر کہ زینت ہے یہی اکبر کی یہ بات یاد رکھ اے عشرت صفو ہو معصیت سے، عزت ہے یہی

(۱۰۲) تسبیح و دعا میں جس نے لذت پائی اور ذکر خدا سے دل نے راحت پائی کوئی نہیں خوش نصیب اُس سے بڑھ کر بس دونوں جہاں کی اُس نے نعمت پائی

(۱۰۳) روزی مل جائے، مال و دولت نہ سہی راحت ہو نصیب، شان و شوکت نہ سہی گھر بار میں خوش رہیں عزیزوں کے ساتھ دربار میں با کسی رقابت نہ سہی

(۱۰۴) راز بہت شونخ کی خبر ہی دلی دل کیا ملتا، کبھی نظر ہی نہ ملی کیا وصل کا حوصلہ کریں پیش رقیب جن کو اس وقت تک کمر ہی نہ ملی

(۱۰۵) کیٹیوں سے نہ ہو گا کچھ بھی، غرض اگر مشرک نہ ہوگی خیال ملت نہ ہو گا جب تک مفید ہرگز یہ بحث ہوگی

بہت بجا نوٹ لکھ گئے ہیں یہ اپنی برقی میں بھائی مانک  
غذا نہ ہوگی تو کیا جیوں کا دیا کرو تم ہزار ٹانک  
نہ مید عشرت حسین خلف حضرت اکبر سے دوائے مقوی کو ٹانک کہتے ہیں ۱۲

(۱۰۶)

خواہش ہے اگر تجھے غنی بننے کی دولت کی ہوس ہے امدنی بننے کی  
لغوی حالت کو چھوڑ کر اسے ہندی گوشش لازم ہے کہی بننے کی

(۱۰۷)

گو کہ روک سکتی نہیں یہ نقل و منع مغربی پھر بھی کامل طور پر ممکن نہیں ہم دستاوی  
اپنی تاریخ، اپنی ملت سے رجوع مبادیہ بندگی تم کو مبارک، صاحبوں کو صابھی

(۱۰۸)

دیکھو جو حوادث سماوی ارضی قائم کر لیں ہیں تو نے باتیں مسترضی  
بھولا ہے خدا کو ذرا غور تو کر زندہ رکھتی ہے تجھ کو کس کی مرضی؟

(۱۰۹)

وہ شوکت و شان زندگانی نہ رہی غنیت کی حرم میں پاسبانی نہ رہی  
پردہ اٹھا تو کھل گیا اسے اکبر اسلام میں وہ اب لن ترانی نہ رہی

(۱۱۰)

حصہ حریف کا ہے بے دینی و غلامی قانع کے واسطے سے اعزاز و نیک نامی  
محنت ہی کے لیے ہے تفریح طلب روزی مقبول دوستاں ہے اکبر کی خوشن کلامی

(۱۱۱)

ہر ایک کو زکری نہیں ملنے کی ہر باغ میں یہ کلی نہیں کھلنے کی  
کچھ بڑھ کے تو صنعت و ذراعت کو دیکھ عزت کے لیے کافی ہے اسے دل نیکی

(۱۱۲)

بارہا جوش جنوں میں مجھے آیا ہے خیال کہ تماشا ہے یہ ہنگامہ نیکی و بدی  
نظر عشق میں ہے زندگی و موت اکبر اضطراب نفس چست، سکون ابدی

(۱۱۳)

یہ زمینیت دنیا ہے کہ مٹی پر ہے پتی بچوں کے سوا کون ہو اس کا متنی  
گوش خلوا ہو تو سنو اس کے ترانے اس بزم میں اکبر سا نہیں کوئی مفتی

(۱۱۴)

اس بزم میں یہی ہے بس دامن نکوئی مذہب پر نکتہ چینی، وقت کی حیب جوئی  
شوق عمل نہیں ہے، فکر اجل نہیں ہے واضح بنے ہیں اکثر، عابد نہیں ہے کوئی

(۱۱۵)

منظور اسے دل ہماری مسدھنی ہوگی اس وقت کہ جب خدا کی مرضی ہوگی  
اس دور فنا میں ہوگی لیکن جو بات وہ صرف برائے نام دمنہ مرضی ہوگی

(۱۱۶)

تاثر ہوا ہے باغ ہستی نہ گئی صورت کی آوا، نظیر کی مستی نہ گئی  
جوتے ہی رہے جمال دل کش پیدا طبع انساں سے بت پرستی نہ گئی

(۱۱۷)

سوچ کر آگے چل کر قیمت میں کیا لکھا ہے دیکھو گھروں میں کیا تھا اور آج کیا رہا ہے  
ہشیار رہ کے پڑھا، اس جال میں نہ پڑنا یورپ نے یہ کہا ہے، یورپ نے وہ کہا ہے

(۱۱۸)

رکتا نہیں انعتاب چارہ کیا ہے حیراں ہیں ملک، بشر بچاؤ کیا ہے  
تسکین کے لیے مگر ہے کافی یہ خیال جو کچھ ہے، خدا کا ہے، ہمارا کیا ہے

(۱۱۹)

غنی رہتا ہے دل کر مست پہلے رنگ چمن فضا سے گھیرا ہے  
کتنی ہے نسیم آگے راز و فطرت سنتے ہی پیام دوست کھل جاتا ہے

(۱۲۰)

ہنگامہ مشک و مشکوہ دنیا میں ہے گرم لیکن مرے دل سے یہ صدا آتی ہے  
کھلتا نہیں راز و ہر مشکوہ ہے تو یہ اور شکر یہ ہے کہ موت آجاتی ہے

(۱۲۱)

انسان یا بہت سے دلوں کو ملا سکے یا کوئی شے مفید بر خلاق بنا سکے  
ہم تو اسی کو علم سمجھتے ہیں کام کا پڑھنے کو مستعد ہیں جو کوئی پڑھا سکے

(۱۲۲)

تو نے دل دہر سے ملا رکھا ہے قائم غفلت کا سلسلہ رکھا ہے  
کیا خود زندہ ہے اپنی طاقت سے تو آخر کس نے تجھے چلا رکھا ہے؟

(۱۲۳)

قرآن میں ہیں حیرانے سمجھایا ہے شیطان نے فلسفہ میں اُکھلایا ہے  
قسمت اب دیکھنی ہے دل کی اکبر معلوم نہیں کہ یہ کدھر آیا ہے

(۱۲۴)

وہ نبی نے دین کو بھلا رکھا ہے غفلت کی نیند میں سلا رکھا ہے  
اس دور میں خوش نصیب وہ ہے اکبر جس نے مستران کو کھلا رکھا ہے

(۱۲۵)

ہر حال میں بہر فوج انسب وہ ہے اللہ و رسول کا بھی مطلب وہ ہے  
قرآن کو طور سے پڑھو اور سمجھو اکبر بخدا کہ جان مذہب وہ ہے

(۱۲۶)

لکھنے نہ ہے، نہ کچھ خیالات ہے تہذیب سے ہے، نہ ترک عادات ہے  
اکبر بخدا، یہ ساری کامیابی تقدیر سے اور اتفاقات سے ہے

(۱۲۷)

دنیا نے دنی عمل آفات بھی ہے فکر روزی عقل اوقات بھی ہے  
طرزہ پھر اس پر یہ کہ مرزا بھی غرور جیتا رہے آدمی تو اک بات بھی ہے

(۱۲۸)

انسان نہیں معتبر، بیاقت بھی ہے مصوب اس وزن میں وجاہت بھی ہے  
انداز سخن سے بھی ہے اندازہ طبع اک جزو قوی مگر سفاربت بھی ہے

(۱۲۹)

دولت وہ ہے جو عقل و محنت سے ملے لذت وہ ہے کہ جوش صحت سے ملے  
ایمان کا ہو نور دل میں، وہ راحت ہے عزت وہ ہے جو اپنی ملت سے ملے

(۱۳۰)

اُس میں موافق رجوع طاقت ہے تو یہ ہے دیکھو نہ ہم حیب، محبت ہے تو یہ ہے  
صحت بھی ہو، روزی بھی ہو، دل کو بھی پرکھیں دنیا میں بشر کے لیے نعمت ہے تو یہ ہے

(۱۳۱)

عائد تجھ پر اگر حسد کرتا ہے کہ مہر کہ خود وہ کار بد کرتا ہے  
لے LECTURE



اپنی پستی کو کر رہا ہے محسوس اور تیری بندگیوں سے کہ کرتا ہے

(۱۲۲)

انہما نفس الگ ہے روح کا وہ اور ہے دشت وشت اور ہے اور وادی نجد اور ہے  
ہو جو باطن کی ترقی تجھ کو منظور نظر یاد رکھ اکبر تجھ اور ہے مجد اور ہے

(۱۲۳)

ارماں نہ شراب و زہم نہاد ہے سامان نہ محافل و مساجد کا ہے  
اکبر کر ہے انس کچھ تنہا ہے وہیان اس کو فقط خدائے واحد کا ہے

(۱۲۴)

کچھ شک نہیں کہ خلق سے ملنا ضرور ہے جو اس سے مختلف کرنے سے ضرور ہے  
لیکن خدا کے واسطے خلق خدا سے مل سبھے گا اس کو وہ کہ جو اہل شعور ہے

(۱۲۵)

انسان جو عمر حستم کو چکاتا ہے خوش ہو چکاتا ہے، آہ پھر چکاتا ہے  
فانی دنیا کا دیکھ لیتا ہے نگ زندہ ہو رہا بھی وہ تو مر چکاتا ہے

(۱۲۶)

نئی حکمت جو مری گفتار میں ہے اک حد ادب ہر ایک سرکار میں ہے  
پردانے شمع سے پٹنا چاہے پٹے تھا تو میں اور اب ناد میں ہے

(۱۲۷)

شیطان سے دل کو ربط ہو جاتا ہے دشوار انسان کو ضبط ہو جاتا ہے  
حد سے جو سوا ہو عرض یا خود بینی اکثر ہے یہ کہ ضبط ہو جاتا ہے

(۱۲۸)

جس کو خدا سے شرم ہے وہ بے برگ و دیں دنیا کی جس کو شرم ہے، مرد شریف ہے  
جس کو کسی کی شرم نہیں، اس کو کیا کون فطرت میں وہ رذیل ہے اول کا کیف ہے

(۱۲۹)

اٹل کا حق اگر تلف ہوتا ہے اس کے لیے کون سربکف ہوتا ہے  
دنیا طلبی میں ہے یہ ہنسنا دشوار حاصل پھر اس سے کیا شرف ہوتا ہے

(۱۳۰)

خلقت جو کہیں ذلیل ہو جاتی ہے بے غیرت و بے وسیل ہو جاتی ہے  
گو جسم میں ظاہر تو انائی ہو اخلاق میں ذلیل ہو جاتی ہے

(۱۳۱)

دنیا کو بہت ذلیل پایا میں نے بے غیرت و بے دلیل پایا میں نے  
احمدی پہلوؤں سے جانچا اکبر شدت سے اُسے ملیل پایا میں نے

(۱۳۲)

انسوس سفید ہو گئے بال ترے لیکن ہیں سیاہ اب بھی اعمال تھے  
تو زلف بٹاں بنا ہوا ہے اب تک دنیا پر ہنوز پڑتے ہیں حبال تھے

(۱۳۳)

میں و مشد خالق دو عالم تھے مستر آن سچا، رسول اکرم تھے  
اے منکر میں، قیامت آنی ہے ضرور کہہ دیں گے دہان کو دیکھ لے ہم تھے

نہ یہ بصیرت جمع چاہیے۔

(۱۲۴)

جب واقعات اعلیٰ پیش نظر نہ آتے شاعر نے کام رکھا حسین و آفریں سے  
الفاظ نے سنو کر اپنے قدم جمائے نیچے کی گزارش، رخصت ہوں میں نہیں سے

(۱۲۵)

ایسے بھی ہیں، خلق جن کو سحر حوں کے ایسے بھی ہیں جنہیں محمد و حوں کے  
میں نام بنام تم سے کتا اکسبر نازک ہے مگر معالہ کون کے

(۱۲۶)

ہر چند کہ کوٹ بھی ہے، پتلون بھی ہے، بنگلہ بھی ہے، پاٹ بھی ہے، صابرن بھی ہے  
لیکن یہ میں تجھ سے پوچھتا ہوں ہندی یورپ کا تری رگوں میں کچھ خون بھی ہے؟

(۱۲۷)

دولت بھی ہے، فلسفہ بھی ہے، جاہ بھی ہے، نطف حسن بستان دلخواہ بھی ہے  
سب سے قطع نظر ہے شکل لیکن اتنا سمجھ رہو کہ الشد بھی ہے

(۱۲۸)

مذہب کی کون تو دل کی میں اڑ جائے مطلب کی کون تو پاسی میں اڑ جائے  
باقی سر قوم میں ابھی ہے کچھ پرکشش غالب ہے کی یہی اس صدی میں اڑ جائے

(۱۲۹)

اعلیٰ مقصود چاہیے پیش نظر کو کشش تری گو ہو نطف ذاتی کے لیے  
سرداد پہاڑ پر عمل کرتا تھا شیریں کے لیے کہ ناشپاتی کے لیے

(۱۳۰)

مذہب قانون و قوم کا بانی ہے خالص طاعت عروج و دمان ہے  
توین ایک دوسرے کی کہتے ہیں جو لوگ یہ جمل ہے یا ہوائے نفسانی ہے

(۱۳۱)

بہر دو جوں سب، یہ نطف آبادی ہے، ہمایہ بھی ہو شریک، تب شاد ہے  
تسکین ہے جب کہ ہر خدا پر تیکہ قانون بنا سکیں، تب آزاد ہے

(۱۳۲)

آگاہ ہوں معنی خوش اقبال سے واقف ہوں بنائے رہبر مانی سے  
مظہر میں عزت کی اور ہیں اسے اکبر چلتا نہیں کام صرف نقالی سے

(۱۳۳)

ایمان و حواس و حق پرستی کیلئے یہ غفلت و کفر و ہوش وستی کیلئے  
لاریب یہ سب ہے ایک ہستی کا ظہور یہ مجھ سے نہ پوچھ پھر وہ ہستی کیلئے

(۱۳۴)

جینا تھا جس قدر ہیں، دنیا میں جی لیے ساغر کئی طرح کے ٹے اور پی لیے  
عم بھی رہا، خوشی بھی اچھی ہے، نگر بھی جاتے ہیں اب کہ آئے تھے ہم بس اکیلے

(۱۳۵)

طاقت وہ ہے با اثر جو سلطان ہے اس جا ہے چمک جاں زلفشانی ہے  
تعلیم وہ خوب ہے جو سکھائے ہنر اچھی ہے وہ تربیت جو روحانی ہے

(۱۳۶)

انسان چاہے جو بات اچھی چاہے بدیوں سے مسترز ہو، نیکی چاہے  
شیطان سے وہ فلاسفی ہے غسوب جس کا مطلب ہے کہ وہ جو جی چاہے

ڈور کی موہیں لمب سے جاری تیزی تھی ہر جھپٹ سے جاری

کچھ چسپوں پر مڑی دیکھی کچھ چسپوں پر زردی دیکھی  
اچھی خامی سردی دیکھی دل نے جو حالت کر دی، دیکھی

ڈالی میں نارنگی دیکھی مغفل میں سارنگی دیکھی  
بیسرنگی، بارنگی دیکھی دھڑکی رنگا رنگی دیکھی

ہاتھی دیکھے بھاری بھرکم ان کا چلنا، کم کم، تھم تھم  
زریں جھولیں، ڈور کا عالم میلوں تک وہ چم چم، چم چم

پڑتھا پہلے مسعد جاح دوست نیاں تھیں ہر سولامع  
کئی نہیں تھا کسی کا سامع سب کے سب تھے دید کے طامع

سُرخ سڑک پر گشتی دیکھی سانس بھی بھیڑ میں گھٹتی دیکھی  
آتش بازی چھپکتی دیکھی لطف کی دولت کشتی دیکھی

چوکی اک پو کھتی دیکھی خوب ہی چکھتی پکھتی دیکھی  
ہر سو نعمت رکھتی دیکھی شہد اور دودھ کی مکتی دیکھی

ایک کا حصہ من دسوا ایک کا حصہ تھوڑا حلوا  
ایک کا حصہ بھیڑ اور بلوا سیرا حصہ دور کا حلوا

اوج برشش راج کا دیکھا پر تو تخت و تاج کا دیکھا  
رنگ زمانہ آج کا دیکھا رخ کرزن مسراج کا دیکھا

پہنچے بھاند کے سات سمندر تخت میں اُن کے بیسیوں بندر  
حکمت و دانش ان کے اندھ اپنی جگہ ہر ایک سکندر

اوج بخت ملاقا اُن کا حیرتِ ہفت طباقی اُن کا  
مغفل اُن کی، ساتی اُن کا آنکھیں میری باقی اُن کا

ہم تو اُن کے حیر طلب ہیں ہم کیا ایسے ہی سب کے سب ہیں  
اُن کے راج کے عمدہ دُعب ہیں سب سامانِ عیش و طرب ہیں

اگر بچش کی شان اُوکھی ہر شے عمدہ، ہر شے چوکی  
اقلید کس کی ناپی جوکی من بھر سونے کی لاگت سوکی

(۱۵۷)

پاکیزگی نفس کی دشمن سے ہے انسان کو خراب کرنے والی شے ہے  
شیطان کی ہے پراوٹ سکر ٹوٹا مسلم اور اسی کو مُنہ لگائے ہے

(۱۵۸)

یہ دربار ہے خالقِ دو جہاں کا ادب اپنا سبک بٹھائے ہوئے ہے  
نہ سمجھو کہ ماسٹر نہیں حق تعالیٰ یہ عالم خود آنکھیں جھکائے ہوئے ہے

(۱۵۹)

ادہام کے ہاتھ سے نہ ایذا سیے بندوں کے نہیں، خدا کے ہو کر رہیے  
ہے پیشِ نگاہِ جلوتِ ارض و سما سبحان اللہ جوشِ دل سے کیے

(۱۶۰)

چینے، چلائے، کوڑے، اُچھے، ٹیلے ہر پھر کے دیں رہے، جہاں تھے پہلے  
حالت تو وہی ہے بلکہ اُس سے بدتر یوں مُنہ سے جو حمد کے دل میں آئے کہ لے

(۱۶۱)

خطِ نفی بہت ہے عالمِ الفاظ میں اکبر بڑی ماریٹوں کے ساتھ اکثر کام چلتا ہے  
پر روش ہے کہ پروانہ ہے اس کا عاشقِ صادق مگر کتنی ہے خلقت، شمع سے پروانہ جلتا ہے

(۱۶۲)

تعلیم بھی پائی سب کے پیادے بھی ہوئے دنیا کو بھی خوش کیا ہمارے بھی ہوئے  
لیکن جو یہ نورِ طبع پایا رنگب پھر کیا تم عرش کے تارے بھی ہوئے

## قطعات

حبلة دربارِ دہلی

سر میں شوق کا سودا دیکھا دہلی کو ہم نے بھی جا دیکھا  
جو کچھ دیکھا، اچھا دیکھا کیا بتلائیں کیا کیا دیکھا

نظم ہے مجھ کو بادۂ صافی شغل یہی ہے دل کو کافی  
لاگتا ہوں یاروں سے معافی خیر اب دیکھیے لطفِ توانی

جنا جی کے پاٹ کو دیکھا اچھے سترے گھاٹ کو دیکھا  
سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا حضرت ڈیوک کناٹ کو دیکھا

پٹن اور رسلے دیکھے گورے دیکھے، کالے دیکھے  
سنگینیں اور جھلے دیکھے سینڈ بجانے والے دیکھے

خمیوں کا اک جنگل دیکھا اس جنگل میں منگل دیکھا  
برہما اور ورنگل دیکھا حضرت خواجوں کا جنگل دیکھا

سڑکیں تھیں ہر کپ سے جاری پان تھا ہر کپ سے جاری



جشن عظیم اس سال ہوا ہے  
دو شہنشاہ ہلال ہوا ہے  
شاہی نورث میں ہلال ہوا ہے  
قصہ ماضی حال ہوا ہے

سے مشہور کو حجب و برزن  
ہال میں ناپیں لپیڈی کوزن  
ہال میں چمکیں آکے یکایک  
محو تھا ان کا ادب سہما تک

گورستادہ اوج فلک تھی  
اندر کی محفل کی جھلک تھی  
ہال میں چمکیں آکے یکایک  
محو تھا ان کا ادب سہما تک

کونستادہ اوج فلک تھی  
اندر کی محفل کی جھلک تھی  
ہال میں چمکیں آکے یکایک  
محو تھا ان کا ادب سہما تک

کی ہے یہ بندش زین رسا  
سننے میں ہم تو یہ افسانے  
کوئی مانے خواہ نہ مانے  
جس نے دیکھا ہو وہ جانے

خدا جانے کہا کس نے یہ کس دن عقل مسلم سے  
گئی دنیا تو پھر ہم دین کو اب کیوں نکار کھیں  
مضر ہیں مذہبی قیدی، مناسب شکست ان کی  
وہ چھینٹے دیبے ان کو حکیمانہ طبعوں سے  
چلے مقرر تہذیب سے پیچیدہ طریقوں سے  
عمل جاتا ہے، بالکل نقطہ الفاظ رہ جائیں  
ترقی پائے گی قوم آپ کی پھر دور گردوں میں  
قیامت کر گئی ترقی ترقی گمشدہ مسلم میں  
اگر آں شاہ مغرب بدست آورد دل مارا  
مصلحت کو غرض نہ کر کے اٹھا ہاں مشرق  
ادھر تھریز ادھر اویچ، ادھر سازش، ادھر ہنر  
نتائج پر نظر رکب مرد جانشین تن کی ہوتی ہے  
دور دورہ پالی نے اس طرف تقویت دے دی  
ڈنر، ہمدے، تہذیب، مشورے، وعدے بنے گیسو  
حواس ظاہری کے دام سے بچنا ہوا مشکل  
وہ ٹوٹے، یہ گرے، وہ پھلے، یہ جیت، ان کو فتن کیا  
حریفان طرب آگئیں نے چھڑا ساز عشرت کو  
توں کے عشق میں پڑ ہی چکے تھے عقل پر پتھر  
غریبوں، درد مندوں، بیکسوں کے دل کی بستی  
ذہانت کی مناجاتوں کی پروا کی زمین نے  
زبان حال سے فریاد تھی یہ اہل تمکین کی  
نغان زیر حرف و کش مسان آفت ایمان

ہوا سب کو تعجب کیوں ہو میں یہ حالتیں پیدا  
وہ پرشے کے بڑے حاجی تھے طاعت کچھ متید تھے  
حجاب آسا جو آسانی سے ٹوٹا گنبد مذہب  
مناسب کھڑا مگر دیکھا جو بالآخر تو کیا دیکھا  
ادھر شیرازہ قومی کو ہم میں توڑتے جاتے  
نیچے جم نے خود آنکھوں سے دیکھے ذرہ روشن میں  
کہیں تحقیر مذہب کی کوئی تعظیم کرتا ہے  
بہت ہے غفلت و ترک عمل دنیا میں، یہ مانا  
مذہب خیر خواہی ترک مذہب پر نہیں ہرگز  
مذہب طلب سارہ کہ امتحان کا منہ ہو  
جب اپنی سبھی ہم بھول جائیں گے تو کیا ہوگا  
صلوٰۃ ہے وضو ہے رو رہی ہے اس طرف مسجد  
مشینیں چل رہی ہیں اور کسی کی کچھ نہیں چلتی  
خود اپنی قوم کی تحقیر کرنا، اس کے کیا معنی؟  
کہیں اطفال نادان ہیں، کہیں پرانے طاقت  
یہ اخلاقی، یہ روحانی بنائیں ٹوٹی کیوں ہیں  
یہ کس کل کے نہیں گئے جزو، کھو کر اپنی قوت کو  
ہمارے حکمران تو چرچ میں سرگرم طاقت ہوں  
عمل مطلب ہے بیشک، مگر نور اپنا کیوں کھویں  
ہو الاول ہوا آخر، یہ شہید روم پرور ہے  
بھٹایا کیوں نہیں جاتا یہ نقش جانفزا دل پر  
بہت نکو اس کی ہے دن رات گزرتی بزرگوں کو  
میں یہ پیچیدہ معیش پیش کرنے کو تھا آمادہ  
حدیث از مطرب سے گورازد و ہر کمتر جو

قدیم وضع پر قائم رہوں اگر اکبر  
جدید طرز اگر اختصار کرتا ہوں  
جو امت مال کی کیے تو وہ ادھر نہ ادھر  
ادھر یہ ضد ہے کہ کینڈ بھی چھو نہیں سکتے  
ادھر ہے دفتر تدبیر و مصلحت ناپاک  
غرض دو گونہ عذاب است جان مجنوں را

مذہب طلب تہذیب کہ اس رخ پر چلے دھارا  
وہ خواہاں تھے کہ چکے اوج پر اسلام کا تارا  
تو کیا اقبال و عزت کا ادھر پہننے نکا دھارا  
وہی انٹیں، وہی پتھر، وہی چوٹا، وہی گارا  
ادھر رازی حریفوں کی ہے ہاتھ ان کے پوہارا  
فلک نے سرکشوں کو خاک ناکامی پہ مے مارا  
بجھا کر نور دل کو کب ہے چمکا بخت کا تارا  
حقیدہ اصل ہے لیکن وہ ہونا چاہیے پیارا  
ہر اک نے دل سے انگش کی ہے تانگی کام مارا  
عرصہ نہ دہوا انداز مطلب تھا یہی سارا  
خدا را اک نظر اس سین کا کرتے تو نطفہ  
ادھر قرآن ہے رنجت سے دل مذہب کی پارا  
ادھر ہیں بے چھٹے گندے ادھر ہے برقی ڈنڈا  
یہ کس جادو نے بچوں کو کیا خود میں و خود آرا؟  
یہ خوشے کھلتے ہیں، فقرے میں آتا ہے وہ بیچارا  
یہ نفس مطمئنہ پر ہوا کیوں غالب آتا  
گمراہ اپنے بیوں میں طاسے کوئی بنجارا  
قوم بندے پھر کیوں دشت بدیع میں آؤں  
زمانے کو ہے گردش، ہم نہیں ثابت سے تیارا  
پھر و آواز ہو کر یہ ہے باکو کا شکر پارا  
کہ مدحانی ترقی میں ہوڑ کا عیش کا تارا  
مگر کور یہ مومیں، ادھر غفلت کا ہے دھارا  
کہ متنے میں جناب حضرت حافظ نے لکھا  
کہ کس نکشود و نکشاید بخت این معنارا

توصاف کہتے ہیں ستیہ یہ رنگ ہے میل  
خود اپنی قوم چپاتی ہے شور و دوا میل  
زیادہ حد سے یہ سب نے پاؤں میں پھیلا  
ادھر یہ دھن ہے کہ ساقی مہرا جی سے لا  
ادھر ہے دھن و لایت کی ڈاک کا پھیلا  
بلائے صحبت سبیلی و فرقت میلے

یہ تسبیح و تکبیر و حمد و دعا  
یہ پٹن کے گورے ہر اتوار کو  
اگر یہ کہو، میں وہ بالکل و جوش  
جب آؤد و ہفتم ہوئے تھے غلیل  
کی کی نہ انیسٹ نے حشر ج میں  
ہے نور دل بسندگان خدا  
سجائے ہیں گر جا کے دربار کو  
تو دیکھو کہ عابد ہی حضرت لیلو شمس  
تو کی قوم نے یاد رست جلیل  
دعائیں ہوئیں دھوم سے چرتاج میں

وہ ہنس رہا کہ دبی تھی جن سے زمین ہیں گرب میں رکھ مع اراکین  
ہوئے جنگ سے زار اندیشہ ناک گئے محبت میں پیش اللہ پاک  
سربادشاہان گردن سرازیدر گاہ اور بر زمین نیان

ہم نشیں کتنا ہے کچھ پروا نہیں، مذہب گیا  
میں یہ کتنا ہوں کہ بھائی، یہ گیا تو سب گیا  
نیشنل فینک تو ہم میں کبھی تھی ہی نہیں  
اتحاد دیں فقط باقی رہا تھا، اب گیا  
ہے عقیدوں کا اثر اخلاق انساں پر ضرور  
اس جگہ کیا چیز ہوگی، وہ اثر جب دب گیا  
پیٹ میں کھانا، زبان پر کچھ مسائل نام تمام  
قوم کے معنی گئے اور روح کا مطلب گیا

منقلب ہوتے ہیں پیغم طالب علموں کے کورس  
کورس بھی رخصت ہوا، اُس کا زمانہ جب گیا  
اتحاد معنوی ان میں برائے نام ہے  
دیکھتے ہو پاک گردہ، اک راہ ہو کر کب گیا  
بعد ازیں کیا حشر ہوگا، یہ تو سوچو دوستو  
جو اٹھا ہر ہلاک ملت و مشرب گیا  
اس سے نفرت ان کو ایسی مستقل تازی زبان  
حیف مسلم سے خیالی مبنی و معرب گیا  
مجلس دنیا میں کس صف کے بنو گئے مستحق  
دور ہو اولاد سے اور پر تو یار سب گیا  
نوکری کے باب میں وہ پابسی قائم نہیں  
ہوش میں آؤ، وہ رنگ روز و رنگ شب گیا  
ہم یہی کہتے ہیں صاحب، سوچو لو انجمن کار  
دوسرا پھر کیا ٹھکانا ہے اگر مذہب گیا

اک نعبت ہیں کو لندن سے جو بیاہ کے لائے مغالین  
اجاب نے تیر مطاعن سے اُن کے دل کو خرب و ج کیا  
باپ اُن کے یہ بولے کشتی مری واللہ ڈی، اپنے غضب  
اس لڑکے نے صحبت بد پاکر یہ کار ابن نوح کیا  
تعلیم کو میں نے بھیجا تھا، ترویج کی اس نے ٹھیرائی  
ممدوح تو بننا بھول گیا، بس اپنے تئیں منکوح کیا  
لڑکے نے جواب میں عرض کیا، اے قبلہ و کعبہ سنیے تو  
یہ کون برائی میں نے کی جو فتاح کو مفتوح کیا

سان خود فروش آخر فرستادہاں پہا طلب کردند چنداں کہ خول افتادہاں

نشاط طبع برعم شد شکست آن رنگ مغلما  
الایا ایتھا اساقی اذ ذکاس ونا ونا  
کہ عشق آساں نمود اول دے افتاد مشکلا

ادھر بے علم دیں ہے لور ایماں طلب سے نازل  
ادھر بے نوری و شوار، چکریں ہے ہر سائل  
کچا داندہ حال ماس بکساران ساطلا

ز قید شرح باقی ہے نہ آزادی کی ہے کچھ جد  
بزرگوں کا بھی فتویٰ ہے کہ پڑھ تارن سرستید  
نہیں کچھ گفتگو اس باب میں، یہ نیک ہے یاد  
بی سجادہ رنگیں کن، گرت پیر معن ان گید  
کہ سالک بے خبر نمود زراہ و رسم منزلا

کماں کی پیش بینی، جب طبیعت ہی نہ تھی حاضر  
مقیم دیر تھے دلچسپ تھی بزم بیت کا مندر  
نہ تھا کچھ پاس ایماں، دل کی تھی مد نظر خاطر  
ہمد کارم ز خود کامی بہ بدنامی کشید آخر  
نماں کے ماند آن رازے کز و سازند مغلما

جو ہونا چاہتا ہے بدر، بن جاو نو حافظ  
نکلتے رہ اسی سے رات دن تو اپنی نو حافظ  
مکمل رہ اسی سے رات دن تو اپنی نو حافظ  
مکمل رہ اسی سے رات دن تو اپنی نو حافظ  
مکمل رہ اسی سے رات دن تو اپنی نو حافظ

آئندہ لفظ خدا ہے بیسیوں مفہوم کا  
صفا حصہ قوت و حالت کے لائق ہے یہاں  
اور ازاں جملہ مرادف ہے یہ نامعلوم کا  
بس یہی مطلب تو ہے اے مہرباں مقصوم کا

پیر و مرشد نے کیا قوم میں بچپن پیدا  
وہ تو پیدا نہ ہوا، ہاتھ سے لڑکوں کے مگر  
پستی قوم کے جب آگئے دن لے اکسبر  
دین کیا چیز ہے، شیرازہ قری ہے منقطع  
آج ہوتا نہیں اس کا ضرر ان کو محسوس  
باقی اے گا اس بارخہ ایسا اک وقت  
صورت برگ خزاں دیدہ پھر ی کے اٹتے  
باپ کے خون سے ہوگی جو حیت زائل  
کاہ کی طرح سے اڑ جائیں گے دینی اعمال  
ظلمت چل سے گھر جائیں گے دل کے اطراف  
کون کتنا ہے کہ انگلش کا نہ جو دل سے مصلح  
کون کتنا ہے، تکلف سے نہ کر زیست بر  
کون کتنا ہے کہ تو علم نہ پڑھ، عقل نہ سیکھ  
بس یہ کتنا ہوں کہ ملت کے معانی کو نہ بھول  
قوم قوم آٹھ پرستے ہیں جم، قوم کہاں  
مذہبی شاخ فقط، ہے تری قومی ہستی  
کچھ گھر زندا نہیں نیشنل کہ بنا لیں لڑکے  
سلف و پگٹ کا پھر یاد رہے گا نہ سبق  
وہ یہ سمجھے تھے کہ ہو جائے گا جون پیدا  
ہو چلے دین کی دیوار میں روزن پیدا  
اُنچے درجوں میں ہوئے عقل کے دشمن پیدا  
جس سے ملت کی ہے اک صورت احسن پیدا  
ہو رہے ہیں ابھی کچھ لالہ و سوسن پیدا  
کر چلیں گی روشیں نشر و سوزن پیدا  
نہ ہمارے آئے گی، پھر ہوگا نہ گلشن پیدا  
ہوں گے اطفال بھی بے غیرت و کودن پیدا  
اخلاقات کے ہو جائیں گے حسد من پیدا  
میںوں میں ہو نہ سکیں گے دل روکش پیدا  
کون کتنا ہے، نہ کر اُلفت و عشق پیدا  
کون کتنا ہے نہ کر وضع میں جون پیدا  
کون کتنا ہے، نہ کہ حسرت و اندک پیدا  
راہ قومی کا تو خود ہی نہ جو رہزن پیدا  
تار باقی نہیں، تو کہتا ہے واسن پیدا  
یہ جو ٹوٹی، تو نہیں کوئی کشین پیدا  
فطرط طور پہ خود ہوتی ہے نیشنل پیدا  
پھر نہیں ہونے کی یہ بحث تو من پیدا

۱۲ اگرچہ اختلاف حرکت قافیہ اساتذہ کے یہاں ہے مگر یہاں میں سرسید سے تافیہ نہیں مل سکا

۱۳ WILSON نے NATION قوم کے SELF-RESPECT عزت نفس

۱۴ NATIONAL FEELING ہے OLORD پاخدا



بزم تہذیب سے جو جائیں گے قطعاً خارج جس ہی باقی نہ رہے گا کہ جو شیریں پیدا

بے شک نئی روشنی ہے بہتر ہے کہیں انسان کے لیے کوششیں جو جانا  
یزدان کا خیال تو دلاتا ہے وہ دیں ہے کہ نہ صرف صریح، اہرمن جو جانا  
مرشد لکھتے ہیں تو ہے نادان اسے دوست بات اور ہے صاحب سخن جو جانا  
میری چالیں بھی ہیں اس کی تمہید سکھاتے ہیں پہلے ہے دہن جو جانا  
ساکت کر دے گی اُن کو جب بے علمی آسان ہو گا اُدھر وطن ہو جانا

سید سے آج حضرت واعظ نے یہ کہا چرچا ہے جا بجا ترے حال تباہ کا  
سمجھا ہے تو نے جیسے وندیر کو خدا دل میں ذرا اثر نہ رہا لاکھ کا  
ہے تجھ سے ترک صوم و صلوٰۃ و زکوٰۃ و حج کچھ ڈر نہیں جناب رسالت پناہ کا  
شیطان نے دکھا کے جمالِ عروس دہر بندہ بنا دیا ہے تجھے حب جاہ کا  
اس نے دیا جواب کہ نہ سب ہو یا رواج راحت میں جو عقل ہو، وہ کاغذ ہے راہ کا  
انوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بے خبر کیا جانے جو رنگ ہے شام و بچہ کا  
یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر گزرتے نظر سے حال رعایا و شاہ کا  
وہ آب و تاب و شوکت ایوانِ خسروی وہ حکموں کی شان، وہ جلوہ سپاہ کا  
آئے نظر معلومِ جدیدہ کی روشنی جس سے نجل ہو نور رنجِ مسہ ماہ کا  
دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی کس مسوں سے ذکر ہو انفت کا چاہ کا  
تو خیبر اول غریب، گل اندام، ناز میں عارض پر جن کے بار ہو دامنِ لگاہ کا  
رکے اگر تو ہنس کے کہے اک بُت حسین دل بولی یہ بات نہیں ہے گناہ کا  
اُس وقت قبلہ جھک کے کروں آپ کو سلام پھر نام بھی حضور جو ہیں حق نقاہ کا  
پتلون و کوٹ و بنگلہ و بیکٹ کی دھن بندھے سوا جناب کو بھی ہو ٹوکی کلاہ کا  
منبر پر یوں تو بیٹھ کے گوشہ میں اسے جناب سب جانتے ہیں وعظ و اب و گناہ کا

گوئی بحث میں اور نے یہ اکبر سے کہا کر وہ استبدادِ مرسل پر تو قائم نہ رہا  
رہ گئی ہے فقط ادبام پرستی تجھ میں بادۂ جل کی بس آگئی مستی تجھ میں  
نہ مقاصد میں بلندی، نہ خیالاتِ صحیح بحرِ عصیان و تعصب میں تو ڈوبا ہے صریح  
سخت ناماقتِ اندیش ہیں سنج و تلا قوم برباد ہوئی حباتی ہے کھلم کھلا  
کہا اکبر نے، یہ الزام ہے بے شبہ درست قہر تجھ سے بھی زیادہ مگر اس راہ میں سست  
کبر و تیزین و تجمل سے تجھے ہے بس کا دل میں انکار ہے، اور لب پر ہے نامِ اسلام  
طاقتِ حق کی ترے قہر میں گریں نہیں نفسِ سرور نہیں ہے، دل پرورد نہیں  
ہم اگر پختگی سے جلتے ہیں خامی کی طرف تیرا میلان ہے اتحاد و عناد کی طرف  
تو بھی اس رنگ سے محروم ہے ہم بھی محروم صادق آتے ہیں قولِ شہیدِ درجوم  
اسے صبا یہ سودا نہ تو داری و نہ من بڑے آں زلف چلیس پانہ تو داری و نہ من

نامہ بنام اودھ پنچ ۶۱۸۷۷

اے گھرِ خضرِ خرافت وے جو ہر معدنِ لطافت

لے CHRISTIAN، عیسائی لے یہ قطعہ ۶۱۸۷۷ء میں لکھا گیا تھا۔

سرمایہ انبساطِ خاطر دیباچہ و دستِ فصاحت  
تسکینِ دل و نشاطِ طر دیباچہ و دستِ فصاحت  
عنوانِ صحیفہ بلاغت خلاق معانی طربِ خیر  
کشافِ رموزِ عشرتِ انگیز ہادی و ادیب و دانش آموز  
گو ہر افشاں و گھرِ اندوز زینتِ وہ شاہِ پرستگم  
آئینہٴ خندہ و تبسم سرچشمہٴ قول و وعظ و گفتار  
نگینہٴ وعظ و دیندار اے خندہ دو زبانِ اردو  
شوخی میں حریفِ برقی تاہا رنگینی میں غیبتِ گشتال  
محبوب ہے نسخہٴ اودھ پنچ کیا خوب ہے نسخہٴ اودھ پنچ  
پر جاتے ہیں دل کو اس کے پرچے دن رات یہی ہیں اب تو چرچے  
حاصل کا حصہ، دلیلِ اس کی ہے خلقِ خدا قلیلِ اس کی  
شرعاً جو مباح ہے تو یہ ہے معقول مزاج ہے تو یہ ہے  
گو گفتارِ طعنِ بیشتر ہے ہر چند کہ زحمتِ بیشتر ہے  
یہ آبِ حیات میں بجھا ہے لیکن وہ قند میں گھلا ہے  
یہ مردہ دلوں کو ہے رگِ جان وہ شربتِ حفظِ عقل و ایمان  
حکمت ہے تو ایسی دل لگی میں بگڑے ہوئے بن گئے ہنسی میں  
بالذمہٴ معراجِ القلوب امت ہر کس کہ بدیدہ گفت خوب است  
سبحان اللہ، واہ واہ رندوں کی زبان میں پسندِ دل خواہ  
بے شبہ ہے دل پسند و پر فن ہر چہ پسند کہ طرزِ پنچ لسنون  
نسبت اس سے اُسے نہیں ہے لیکن وہ نقشِ اقلیں ہے  
بہتر ہے بصورتِ معانی ماسوا اللہ یہ نقشِ ثانی  
یہ خیر سے زہدِ ال اقبال وہ پیرِ معتر و کن سال  
یہ خنجرِ تازہ، نو دمیدہ وہ اک گلِ صمد بہار دیدہ  
عیسیٰ دم و گھرِ مریم طبع مولودِ سعیدِ مریم طبع  
روشن نام اودھ ہے اس سے لطفِ شام اودھ ہے اس سے  
اختیار ہے سپر لکھنؤ کا اک نور ہے مسر لکھنؤ کا  
یہ گرم بان آؤ بکسل وہ سرد برنگِ آتش گل  
یہ حق نکات میں ہے سرچشمہٴ بحثِ مضمون میں وہ اگر پنچ  
میاں خامہٴ نسیزہ چمن زاد واں بازو کے قاز سست بنیاد  
کیا خامہ، زبانِ معنی کیسا خامہ، زبانِ معنی  
چلتے ہیں حریفِ تنخِ ابرو اٹھنے میں نگاہِ چشمِ جادو  
نفتِ اشِ نگینہٴ تصور مفتاحِ حنرِ زینہٴ تصور  
ادفات میں شمع سے سوا ہے کنا اسے شمع کب روا ہے  
یہ پردہ برا فتنِ حقیقت وہ چہرہ غلے بزمِ صورت  
تاہم سرگرمِ گفت گو ہے ہر چند کہ سرورِ درگو ہے  
سرگرم و حریف و چست و چالاک رعنا و لطیف و شوخ و بیباک  
بانی بنائے خوشن بیاں نشاطِ شاہِ مدعیانی  
شانہٴ کش گیسوئے سخن ہے عیجید گول میں حرفِ زن ہے  
یاں فخر اس سے زیادہ تر ہے آزادی کا فخر اسے اگر ہے

یعنی کہ وہ مطلق العنان ہے  
 وال طبع کو زور لا تخف ہے  
 زنجیر حسرت کی پائے بندی  
 تانہ نطس بر جسد بدبکشی  
 کو نہ نطس بران پست فطرت  
 داں شاخ شجر پر ہے ترانہ  
 کیونکہ ہوا و عاتے اعجاز  
 کی سیر دو عالم اک نفس میں  
 دریا قطرے میں موجزن ہے  
 ہے لوک سناں پر نقش پرواز  
 شعلوں کے اجڑم میں سمندر  
 کیا کثرت خار سے خطر ہے  
 پابندی کا کب ہے یاں تاسف  
 حبوہ ہے وہی، وہی، وہی  
 پابند جو یوسف سخن ہے  
 ہر رنگ میں ہے ہمارے معنی  
 ہر نقطہ ہے نکتہ بصیرت  
 صرصر کے جور سے بری ہے  
 وہ ہر فلک سے منفعل ہے  
 دیوہ گری پر اس کی اوقات  
 جن سے آئیب کا تھا کھٹکا  
 غالب تھا اثر میں اسم کا  
 ہوتے زجور شک سے وہ بے چین  
 نیسے اک اور نکتہ خوب  
 لاتا ہوں دلیل شاعرانہ  
 منہ کے اندر زباں جڑی ہے  
 بتیس جو ان سخت طینت  
 ہیں مثل سفید دیو بیباک  
 حد سے جو بڑھے زباں گفتار  
 پہلو میں جو ان کے ہم نشین ہو  
 کتنا ہی وہ ہو ملائم و تر  
 رہے کے چنے کہاں سے لائیں  
 اس قید میں جب کہ یہ زباں سے  
 باریک ہے گو یہ نکتہ اسے دل  
 مرضی حق خدا کے جسم و جان کی  
 دل میں جو آئے یک نہ جاؤ  
 دریا کے خیال موج نلک ہے  
 ہے شارح عام حق و باطل  
 گذرے جو خیال بد بلا کہ

بے قید ہر ایک سوراں ہے  
 وقت تو جو ہے وہ اس طرف ہے  
 باقاعدہ شرج درد مندی  
 ہر کام پہ مثل دام و پیش  
 سرگرم شرارت و عدوت  
 یاں دیدے دام آستیانہ  
 کھولے ہیں قفس میں ہال پرواز  
 پھر دیکھیے تو اسی قفس میں  
 غنچے میں ہمارے صد سخن ہے  
 رقصاں و ہم تیغ پر بصدناز  
 احوال میں ماہی قوی بدر  
 یاں دوش نسیم پر سفر ہے  
 یوسف زنداں میں بھی ہے یوسف  
 شوکت ہے وہی، وہی، وہی  
 پھیلی ہوئی بونے پسیر بن ہے  
 ہر لفظ ہے پردہ دار معنی  
 ہر حرف ہے کاشف حقیقت  
 یہ شاخ خزاں میں بھی ہری ہے  
 یاں روشنی دماخ و دل ہے  
 یاں قطب صفت ثبات دن رات  
 ان دیووں نے خوب سر کو چٹکا  
 ٹوٹا نہ کبھی طلسم اس کا  
 ستاد بھی صادر کرتے بالعمین  
 آزادی گفتگو ہے محبوب  
 دیکھو قدرت کا کارخانہ  
 دانتوں کے حصار میں پڑی ہے  
 استاد ہیں مائل اذیت  
 طامع، جابر، حسدیں، سفاک  
 دوڑیں اسے کاٹنے یہ خونخوار  
 وہ ترک حسدال سے حزی ہو  
 دانہ پستا ہے ان میں اگر  
 سختی کا انہیں مزا چکھائیں  
 آزادی گفتگو کہاں سے  
 لازم ہے سمجھیں اس سے عاقل  
 محدود ہوں شوخیاں زباں کی  
 ہر شیاء چلو، بہک نہ جاؤ  
 وقف یزداں و اہرن ہے  
 ناظر اس کی ہے سکر عاشق  
 بازوئے خرد سے بس کرورد

کاٹوں کو ہٹا کے پھول چن لو  
 منظور نطس ہے ختم نامہ  
 یاں فیض ازل ضیاء سنگ ہے  
 ہر ذرہ میں ہر کیچک ہے  
 اک اک میں گل سخن ہزاروں  
 ہر رنگ میں لاکھ لاکھ رنگ  
 حیرت ایسی کہ نور عرفاں  
 ہر ایک میں لاکھ غم بھرے ہیں  
 یعنی رنگینی معانی  
 سینہ بن جائے حسن راز  
 مائل ہو سوتے سخن پرستی  
 ہر ہر زلف پر شکن کا  
 اس حرف زباں سے فائدہ کیا  
 کافی ہے اشارہ نکتہ دال کو  
 ہو محو و عا زباں و دل سے  
 رنگینی نقش لوح خاطر  
 عوزوں ہے برائے خود پرستی  
 بربان مشارق و مغارب  
 انفس اس کا ہر نفس وظیفہ  
 ہو مونس و جان ناشکیبا  
 ٹھہرے تو دل کو گھر بنائے  
 ہر رنگ میں انتخاب نکلے  
 بن جائے چراغ کعبہ و دید  
 مفتوں ہو ہر ایک اس فنوں کا  
 بعل و بیچے تو باخ سمجھے  
 ذروں کی کشش اسی طرف ہو  
 خوش دل رہیں عاشق اودھ پنج  
 دیکھیں جب دل کو شاد پائیں  
 پائے دور قمر میں رفعت  
 مورد ہو بلند فطرت کا  
 عالی منشاں، نیک باطن  
 طباع و مصویر کوائف  
 خرم پھر باخ و بوستاں میں  
 چشم بدیں کو نول رلائیں  
 دریا کے ہول یہ شور تحسین  
 اللہ سے طبع و فکر اکبتر

### اودھ پنج کے نام

گفتش تارک و مذہب شوم خوش باشم  
 منجے چند ہوس دارم و انعلے چند



خلق را فائدہ نیست ازین جنگ و جدال  
گفت خاموش کردین است مدار هست  
عیب مذہب ہمہ گفتی بر سرش نیز بگو  
یک دعابست درین محفل و دشنامے چند  
ترک این را کن از پے خود کاسے چند  
نفی حکمت کن از بہر دل عامے چند

## برق کلیسا

۱۱۰۰ء میں کبھی گئی تھی،

رات اس میں سے کلیسا میں ہوا میں دو چار  
زلف پہچان میں وہ سج و سج کہ بلا میں بھی مرید  
آنکھیں وہ تندر دوراں کہ گنہ گار کریں  
گرم تفت سر پہ جسے سننے کو شعلہ دیکے  
دلکشی چال میں ایسی کہ ستارے رگ جائیں  
آتش حسن سے تقویٰ کو جلانے والی  
پہلوئے حسن بیاں شوخی تھریں غرق  
پس گیا، لوٹ گیا، دل میں سکت ہی نہ رہی  
منبط کے عزم کا اس وقت اثر کچھ نہ ہوا  
عرض کی میں نے کراہے گشت فطرت کی بہار  
تو اگر ہمہ وفا ہاندھ کے میری ہو جائے  
شوق کے جوش میں، میں نے جویاں یوں کھولی  
غیر ممکن ہے مجھے انس مسلمانوں سے  
لن ترانی کی یہ لیتے ہیں نمازی بن کر  
کوئی بناتے جو جہدی تو بگڑ جاتے ہیں  
گل کھلائے کوئی میدان میں تو اترا جائیں  
مطمئن ہو کوئی کیوں کہ یہ ہیں نیک نہاد  
دشمن صبر کی لفظوں میں لگاؤٹ پائی  
عرض کی میں نے کہ اے لذت جاں بخت روح  
شجر طور کا اس باغ میں پورا ہی نہیں  
اب کساں ذہن میں باقی ہیں بھلی و زلف  
ہم میں باقی نہیں اب خالہ جاننا زکا رنگ  
یاں نہ وہ نعرہ تجسیم نہ وہ جوش سپاہ  
جو ہر تیغ محب ہر ترے ابرو پہ نشان  
اٹھ گئی صفحہ خاطر سے وہ بحث بد و نیک  
موج کوڑکی کہاں اب ہے مرے باغ کے گرد  
مجھ پہ کچھ جبر عتاب آپ کو لے جان نہیں  
جب کہا صاف یہ میں نے کہ جو جو صاحب فہم  
میرے اسلام کو اک قصہ ماضی سمجھو

ظالم نے جان معافی میں، وہ اردو یہ ہے  
کوڑکی لینے لگے طبع، وہ پسو یہ ہے

صفت پری سے خم ہوئی تھی کمر  
چند لڑکوں کو اس پر آئی ہنسی  
کہا اک لڑکے نے یہ اس سے کہوں  
پیر مرد لطیف و دانشمند  
پتھو گئے میری عمر کو جس آن

میں نے اکبر سے کہا آئیے حجرے میں مرے  
چھوڑیے آپ یہ سنگ مارہ تعلیم حبید  
بولنا بھجلا کے کہ ہے سہل جہنم مجھ پر

انگلش ڈس انور کا جو کل بزم میں دیکھا  
معنی میں بھی ہو جائے گا احسنہ کہ تغیر  
خانی کی عبادت سے حجاب آنے لگے گا  
بیگانہ وشی ہوگی مسز زان وطن سے  
فاتح سے سادات کی انھیں کی امنگیں  
آپس میں بھی تم لوگ موافق نہ رہو گے  
آخر کو رہو گے نہ ادھر کے، نہ اُدھر کے  
انور نے کہا اصل علی، داہ، بہت خوب!  
لیکن جو یہ تعلیم ہے حضرت کے سخن میں  
ہر مذہب و ملت میں ہیں ایچے ہی، بڑے بھی  
لبوس و مکمل کا جو کیا آپ نے مذکور  
باطن سے ہے اخلاق حمیدہ کا قلعن  
ادھار زمانہ تو بدلتے ہی رہیں گے  
ہے جس کو ضرورت، وہ ضرورت سے ہے مجبور  
مقصود جو اصلی ہے وہ ہے دل کی درستی  
شبہ مرے اس قول کی صحت میں اگر ہو  
حاجت بہ کلام برکی دانشت نیست

## یہ قطعہ ۱۸۹۹ء میں لکھا گیا

عناد نے چائی دھوم سرگرم فغاں ہو کر  
چلی متانہ دش باوصیا حشر نشان ہو کر  
ترانے گائے مرغان چمن نے شادماں ہو کر  
ہوئیں کھیاں شکفتہ روئے رنگین بتاں ہو کر  
کسی نے یا سن ہو کر، کسی نے لرغواں ہو کر  
حدائے نغمہ بیل اٹھی، بانگ ازاں ہو کر  
ہوئی قبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہو کر  
خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر

بار آئی کھلے گل زیب صحن بوستاں ہو کر  
بچا فرشتے زمرہ اجتماع مسنہ تریں  
عروج نشہ نشو و نما سے ڈالیاں جھوہیں  
بلا میں شلہ گلی کی لین نسیم صبح گاہی نے  
جوان چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا  
کیا بچوں نے شبنم سے و منو من گلستاں میں  
ہوئے شوق میں شاخیں چھلکیں خانی کے بچہ سے کو  
زبان برک گل نے کی دعا رنگیں عبارت میں

نگاہیں کا طوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانہ میں کہیں مچھلتا ہے اکبر چھول تپوں میں نہاں ہو کر

میں نے کہا، بہت سی زبانیں ہوں جانتا  
جرمن، فرینچ، لیٹن وانگلشس پر ہے عبور  
ایک شروع طبع مس نے دکھائی زبان مجھے  
بولی، ہر گے زلیست کی لذت سے بیخبر

ہوئی جو مجھ سے یہ مسرہائیں بہت طناز  
نگاہ سے اس پہ کوئی مصرع حسین و نفیس  
کہا یہ میں نے کہ ہے قید حسن و خوبی کی  
پہن سے سایہ مری جاں، اتار کر شیواز  
ناغوش ہو ہوا میں اپنی بے مست دہ پر  
عزت کا تو کچھ بھی تجھ میں باقی نہیں وصف

خدا حافظ مسلمانوں کا اکسبر  
یہ عاشق شہادہ مقصود کے ہیں  
سناؤں تم کو اک فرخی لطیف  
کہا مجھوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے  
تو فوراً بیاہ دول لیلیٰ کو تجھ سے  
کہا مجھوں نے، یہ اچھی سنانی  
کہا یہ فطرتی جو بن طبیعت  
بڑی بی آپ کو کیا ہو گیا ہے  
یہ اچھی قدر دانی آپ نے کی  
دل اپنا خون کرنے کو ہوں موجود  
یہی ٹھہری جو شہر طویل لیلیٰ

اگرچہ پڑی شکل بحث میں ہوئے میں شریک  
مگر ہیں تو ہے بالکل سکوت اس مد میں  
رمز ملکوت غولیش خسرواں دانشد

اک مس سیں بدن سے کر لیا لہزن میں عقد  
کوئی کہتا ہے کہ میں اس نے بگاڑی نسل قوم  
دل میں کچھ انصاف کرتا ہی نہیں کوئی بزرگ  
جوتی تھی تاکید، سندن جائو، انگیزی پڑھو  
جگہ لگاتے ہو ٹکوں کا جا کے نطسہ کرد  
لیڈیوں سے مل کے دیکھو ان کے انداز و طریق  
بادہ تہذیب یورپ کے چڑھاؤ تم کے نس

جب عمل اس پر کیا، پریوں کا سایہ ہو گیا  
سامنے تھیں لیڈ بان زہرہ دیش جادو فطر  
اس کی چتون سحر آگئیں اس کی باتیں دل ربا  
وہ فوج آتش رخ جس کے آگے آفتاب  
جب یہ صورت تھی تو ممکن تھا لاک برقی بلا  
دونوں جانب تھا رگوں میں جوتی خون فندزا  
بار بار آتا ہے اکسبر میرے دل میں خیال  
درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ

### یہ قطعہ ۲۶، اگست ۱۸۹۱ء کو بمقام کانپور لکھا گیا

بٹائی جائیں گی پرستے میں یہ بیاں کب تک  
حرم سرا کی حفاظت کو تیغ ہی نہ رہی  
میاں سے لے لی ہیں، پردا ہے ان کو فرخ نگر  
طبیعتوں کا غوبے ہوا ہے مغرب میں  
عوام باز دھلیں وہ ہر کو تھرڈ وینٹر میں  
جو منہ دکھائی کی رکوں پر ہے مصرع ابلیس  
جناب حضرت اکسبر میں حاشی پر وہ

وہ سودی سخن گوئے شیریں معال  
یفراتشش دختر با تمسین  
لکھی اس نے نظم اک لاجواب  
جو بتا ہے پانی میان لوڈور  
خاص جو انگلش معادریٹ  
یہ جمعیت افعال کی خوب کی  
یہ امراد کرتے ہیں بھائی حسن  
دکھاؤں روانی دریائے سنکر  
عجب ہے نہیں ان کی اس پرنسپر  
سوا اس کے ہیں اور بھی مشکلیں  
مرے پاس سرایہ کافی نہیں  
زبان میں نہ وسعت، نہ دیباذات  
اگر ترجمہ ہو تو مطلب ہو خبط  
مواقع پر ہیں جن سے ڈرتا ہوں میں  
جو تھیں دستیں کہ چکا برملا  
آپھپٹا ہوا اندا بٹا ہوا  
یہ بنتا ہوا اور وہ تنستا ہوا  
روانی میں اک شور کرتا ہوا  
پھاڑوں کے دوزن، نریش کے مسام  
ادھر چھوٹا اور پچھتا اُدھر  
پھاڑوں پر کس کو پٹکتا ہوا

جو انگریز شاعر تھا اک بے مثال  
کہ رکھتا تھا جس کو وہ دل سے عزیز  
دکھائی ہے شکل روانی آب  
اسی کا دکھایا ہے شاعر نے زور  
مفتی کے ان کے سب سلسلے  
کہ درسی بھی ہے اور دلچسپ بھی  
کہ میں بھی ہوں اس بحر میں خوب وزن  
کہ گوہر شمسوں میں جو جس کا ذکر  
کہا میں، کتب سودی نامور  
نہیں سہل اس راہ کی منزلیں  
وہ مصدر نہیں، وہ توانی نہیں  
ادھر تو ہے کچھ اور ہی طمطراق  
معانی میں پیرانہ ہو ربط و ضبط  
مگر خیر کچھ سنکر کرتا ہوں میں  
غرض دیکھئے اب یہ پانی چلا  
اکڑتا ہوا اور محپٹتا ہوا  
ٹپکتا ہوا اور چھٹتا ہوا  
ڈکاٹ میں اک زور کرتا ہوا  
یہ ہے کہ رہا ہر طرف اپنا کام  
رخ اس سمت کرتا، کھٹکتا اُدھر  
چٹانوں پہ دامن جھٹکتا ہوا



وہ پہلے سے ساحل دیکھتا ہوا  
بھٹکتا ہوا، غلج مچاتا ہوا  
وہ کھاتا ہوا اور بھجاتا ہوا  
ادھر بھجوتا اور بھٹکتا ہوا  
بھٹکتا ہوا، جوشش کھاتا ہوا  
وہ اپنے سروں میں تھوچ کا راگ  
سُہرتا ہوا اور سُہرتا ہوا  
ادھر گونجتا گونجتا ہوا  
لپکتا ہوا اور چمکتا ہوا  
سُہاتا ہوا اور پلپتا ہوا  
یہ گھٹتا ہوا اور بڑھتا ہوا  
یہ بھٹتا ہوا اور وہ بھٹتا ہوا  
بھٹکتا ہوا، ڈنگ گاتا ہوا  
وہ روئے زمین کو چھپاتا ہوا  
گل و حسد یکساں بھجتا ہوا  
بھٹاتا ہوا اور بھٹتا ہوا  
لرزتا ہوا، تلملاتا ہوا  
بلندی سے گرتا گرتا ہوا  
اچھکتا ہوا اور اڑتا ہوا  
وہ کھیتوں میں راہیں کستتا ہوا  
یہ حقانوں کی گودوں کو بھرتا ہوا  
یہ پھولوں کے گچے بھاتا ہوا  
لپکتا ہوا، دندناتا ہوا  
چمکتا ہوا اور جھلکتا ہوا  
ہواؤں سے موجیں لڑتا ہوا  
تڑپتا ہوا، جگمگاتا ہوا  
یونہیں الغرض ہے یہ پانی رواں  
وہ سودے کا سیلان آبِ نوڈور

یہ سبزہ پہ چادر بھجاتا ہوا  
وہ جل غلج کا عالم رچاتا ہوا  
یہ سردوں کو پیچھتا ہوا  
ادھر گھومتا اور اگلتا ہوا  
بگڑا کر وہ کفِ مزہ میں لٹاتا ہوا  
وہ خود جوش میں آکے لانا یہ جھاگ  
بھٹکتا ہوا، رقص کرتا ہوا  
ادھر خود بخود بھنبھناتا ہوا  
یہ بھٹتا ہوا، وہ سُہکتا ہوا  
سُہکتا ہوا اور ملتا ہوا  
اُترتا ہوا اور چڑھتا ہوا  
دہاتا ہوا اور لچکتا ہوا  
لچکتا ہوا، لڑکھاتا ہوا  
وہ خاکی کو سیس میں بناتا ہوا  
ہر اک سے برابر اٹھتا ہوا  
ہوا کے طہاچوں کو سہتا ہوا  
بلکتا ہوا، بلب لاتا ہوا  
نشیبوں میں پھرتا پھرتا ہوا  
اٹکتا ہوا اور مڑتا ہوا  
زمینوں کو شاداب کرتا ہوا  
وہ دھرتی پہ احسان دھرتا ہوا  
وہ چکر میں بچے بھناتا ہوا  
اُمن لٹاتا ہوا، سنسناتا ہوا  
سنبھلتا ہوا اور چھلکتا ہوا  
جباہوں کی فوجیں بڑھاتا ہوا  
شعاعوں کا جوبن دکھاتا ہوا  
بس اب دیکھ لیں شاعر نکندہاں  
یہ بجز خیالات اکبر کا ریشہ

تبدل دیا کہ کرتے ہیں یوں کرنے والے کام  
کالچ ہوا درست بعد نشان واقف نام  
سید کا دل تھا درپے تکمیل نظام  
احباب چند ساتھ تھے ذی علم و خوش کلام  
فرما زوالے ملک دکن کو کیا سلام  
خوبی سے التماس کیا قوم کا پیام  
بھڑکیا تھا موزن ہوا دریلے فیض عام  
اُمید سے زیادہ عطا تھی یہ لاکھ نام  
تا حشر اس رئیس و ریاست کو ہو قیام  
تاریخ اپنی آپ ہے فیاضی نظم نام

دکھلا دیا زمانہ کو زورِ دل و دماغ  
نیت جو تھی بخیر تو برکت خدا نے دی  
سرمایہ میں کمی تھی، سہارا کوئی نہ تھا  
آخر اٹھا سفر کو وہ مروِ خجستہ پہ  
قیمت کی رہبری سے ملی منزلِ مراد  
حالت دکھائی اور ضرورت بیان کی  
رحم آگیا حضور کو حالت پہ قوم کی  
ماہانہ دو ہزار کیا ایک ہزار سے  
اکبر کی یہ دعا ہے خدا کی جناب میں  
کیا وقت پر ہوئی ہے کہ بے احتیاج فکر

نہ پیر کو نہ کسی پیشوا کو مانتے ہیں  
نہ فاتح کے طریق ادا کو مانتے ہیں  
بہ صد خلوص ہر اک دین لکھتے ہیں  
وہ آگ پر پختے ہیں یا ہوا کو مانتے ہیں  
یہ دل سیج علیہ الشنا کو مانتے ہیں  
وہ اہل بیت کو، آلِ عبا کو مانتے ہیں  
سدا قبور پہ ہیں، اولیاء کو مانتے ہیں  
کسی بزرگ کو یا مقتدا کو مانتے ہیں  
نہ دستگیر نہ مشکل کشا کو مانتے ہیں  
ادب ہر اک کا ہے لیکن خدا کو مانتے ہیں  
اُسی یگانہ حاجت روا کو مانتے ہیں  
اُسی کی قدرت ہے انتہا کو مانتے ہیں  
تو عقلمند کب ایسی بلا کو مانتے ہیں  
ہم ان کے قول درست و بجا کو مانتے ہیں  
حسد کو اور نہ طریق دعا کو مانتے ہیں  
وہ صرف قوتِ فرماں روا کو مانتے ہیں

کما کسی نے یہ سید سے، آپ اے حضرت  
نہ آپ عالمِ برزخ سے مانگتے ہیں مدد  
نظر ترکیب سے اس بات پر، جو میں ہندو  
بہت وہ ہیں جو عناصر پرست ہیں تل سے  
کرچین بھی سدا ہی میں نامِ مرثیہ کے  
خود آپ ہی میں جو ہیں شیعیان با تمکین  
وہ لوگ جو ہیں ملقب بہ صوفیانِ کرام  
مراہیں مانگتے ہیں لوگ پاکِ روحوں سے  
پھر آپ میں یہ ہوا کیا سما گئی ہے کہ آپ  
جواب انہوں نے دیا ہم ہیں پیروِ قرآن  
سدا ہماری ہے پاکِ شیعین اے دوست  
اُسی کا نام زباں پر ہے حق اور مستقیم  
یہ بڑے شرک ہی ہے جنگ و اختلاف کی جڑ  
جواب حضرت سید کا خوب ہے اکبر  
لیکن اس نئی تہذیب کے بزرگ اکثر  
زبانی کہتے ہیں سب کچھ مگر حقیقت میں

پوچھا پروانہ سے کہ اے ناداں  
جل کے بولا کہ اے حسد دشمن  
شعلے سے طالبِ دمالِ اچھا

آگ میں گر کے کیوں گنوا تے جاں  
مُن لے مجھ سے یہ معنی روشن  
یا اندھیرے میں پائمال اچھا

برق و بھارات کا زور اے حکیم  
تار پہ جاتے نہیں اہلِ نظم  
کب سے ہے رُوحِ رہ مستقیم  
ریل سے کھنچتا نہیں قلبِ سلیم

کیا دجہ ہے قومی جو ترقی نہیں ہوتی  
یہ مسئلہ مشکل ہے ادھی کھیں گے جن کو  
اک بات تعجب سے مگر میں نے سنی تھی  
ایسی ترقی ملیا تو آمدھی ہے یہ سترہ  
کھتا نہیں دل ان کا ترقی کی دعا میں

بہر چند کہ ہے شور ترقی کی صدا میں  
ہے فشو و نما پر ٹیکل آب و ہوا میں  
کل رات کو اک انجنِ ذکرِ خدا میں  
ایسی ترقی ملیا تو آمدھی ہے یہ سترہ  
کھتا نہیں دل ان کا ترقی کی دعا میں

سب جانتے ہیں علم سے ہے زندگی رُوح  
بے علم و بے ہنر ہے جو دنیا میں کوئی قوم  
تعلیم اگر نہیں ہے زمانہ کے حسبِ حال  
سید کے دل میں نقش ہوا اس خیال کا  
صدے اٹھائے، رنج سے، گالیاں سہیں

بے علم ہے اگر تو وہ انسان ہے ناتمام  
نیچر کا اقتضا ہے، رہے بن کے وہ غلام  
پھر کیا امید دولت و آرام و احترام  
ڈال بنائے مدرسے کو خدا کا نام  
لیکن نہ چھوڑا قوم کے خادم نے اپنا کام

بنائے ملت بگڑ رہا ہے، مریں پر ہے جان، مر رہے ہیں  
مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں، گویا ابھر رہے ہیں  
ادھر ہے قوم ضعیف و مسکین، ادھر ہیں کچھ مرشدانِ خود ہیں  
یہ اپنی قسمت کو رو رہے ہیں، وہ نام پر اپنے مر رہے ہیں  
کئی رگ، اتحادِ ملت، ارواں ہوئیں خونِ دل کی موجیں  
ہم اس کو سمجھیں ہیں اب صافی، نہا ہے میں، نکھر رہے ہیں  
مدائے اتحاد اٹھ رہا ہے، خدا کی اب یاد اٹھ رہی ہے  
دلوں سے فریاد اٹھ رہی ہے کہ دین سے ہم گذر رہے ہیں  
نفس ہے کم جہتی کا سیسہ، پڑے ہیں کچھ داندائے شیریں  
اسی پر مال ہے طبعِ ثنائیں، نہ بال ہیں اب نہ پر رہے ہیں  
اگرچہ یورپ بھی مبتلا ہے، وہاں بھی پھیلی یہی بلا ہے  
خیالِ تیز کا بڑھ چلا ہے، خدا کا انکار کر رہے ہیں  
مگر وہاں کی بنا ہے نیشن، رُکا ہے ملحد کا آپریشن  
نہیں ہے کم لفظ سا لٹینے خدا سے اب بھی وہ ڈر رہے ہیں  
یہاں بجائے نماز گپ ہے، وہاں وہی عزتِ بَشِپ ہے  
میاں مساجد اسٹری ہیں، وہاں کلیسا سنور رہے ہیں  
جنابِ اکبر سے کوئی کدے کہ لوگ بیٹھے ہیں ہر طرح کے  
اس انجمن میں اور ایسی باتیں، یہ آپ کیا تھر کر رہے ہیں

چو اشارہ کرنا صبح کہ ہوا و بشواز من  
گمہ امیر گبر بودہ بہ یو و ہمدیاری  
بھڑائی مسزیراں ہمہ امتیازِ جستن  
نظر سے فلکِ ششم بہ حقارتے برویش  
ہمہ اوک تو دیدم، ہمہ آخند تو دیدم  
تو بہ خویشتن چہ کر دی کہ بما کنی نظیری

کیا شک ہے آفتاب کے شان و جلال میں  
لیکن نہیں وہ کچھ بھی موڑ پس از غروب  
ہر چند تم خیال کرو آفتاب کا  
پوچھو گے اس کو تب بھی وہ پھیرا نہ جائے گا  
انسان کا حال بھی مرے نزدیک ہے یہی  
کتنا ہی کوئی صاحبِ ادب کمال ہو  
جب کہ گیا جہاں سے وہ ملک عدم کو کوچ  
قیوم و حق ذات ہے اللہ کی فقط  
مُن لو کہ اتباع و ادب اور چہیز ہے

آزردہ کوئی شیخ ہو یا برہمن خنثا  
حقانیت یہی ہے، یہی ٹھیک فلسفا

کر چکا کالج میں جب تکمیل فن  
تو کہ شہرت ہے تمہاری دور دور  
عرض کی میں نے کہ اسے روشن ضمیر  
آپ نے سیکھا ہے اپنے باپ سے اور میں نے جوڑھا وہ آپ سے

یہ طفلِ نادانِ عریقِ غفلت، ہوائے وقت میں تن رہے ہیں  
سمجھ نہیں ہے، نظر نہیں ہے، بنائے جلتے ہیں بن رہے ہیں  
بارہا سے نہیں ہیں واقف، خواں کے ظلوں کو کیا وہ سمجھیں  
یہ داغ تو ہیں انہیں کے دل پر، جو محو رنگِ چین رہے ہیں  
نیا ملک ہے، نئے ستارے، یہ شوق سے کرتے ہیں نظارے  
انہیں کو کچھ حس ہے گردشوں کا جو زیرِ چرخ کُن رہے ہیں  
یہ آخری صف میں اُگنے والے، بہشت سمجھے ہیں اپنے تھالے  
محفلِ حسرت ہیں ان کے سینے جو زینتِ انجمن رہے ہیں  
رہے ہیں جو برگِ دُخس کے شوگر، انہیں ہو کیوں خاراں کا منظر  
نگاہ تو ہے انہیں کی مضطر جو مستِ سرود سن رہے ہیں  
جنتِ خفا سے مسائل دیں کہ ہو رہی ہے بھاری تو ہیں  
اب ان کو منطقِ منار ہی ہے، وہ سر جھکائے ہیں، من رہے ہیں  
اگرچہ غفلتوں کی بدلیوں میں چھپا ہے معنی کا چاند اکبر  
مگر معانی ہیں ایسے روشن کہ نور کی طرح چھن رہے ہیں

مرے کا جتن تھا کل اک شراب خانے میں  
خدا کے فضل سے ہم نام کے مسلمان ہیں  
کسی نے خوب یہ گایا کسی ترانے میں  
وگر نہ چین سے رہتے نہ اس زمانے میں

ہستی کے شجر میں جو یہ چاہو کہ چمک جاؤ  
میں نے کہا، قافل میں تصوف کا نہیں ہوں  
میں نے کہا، کچھ خوفِ کلکڑ کا نہیں ہے  
میں نے کہا، دندش کی کوئی مد بھی ہے آخر  
میں نے کہا، افکار سے بچھا نہیں چھٹا  
میں نے کہا اکبر میں کوئی رنگ نہیں ہے

کر چکا ستم جب میں اسپنر  
پوچھا استاد نے کہ سمجھے بھی  
کہہ دیا میں نے اس کا کل مطلب  
ماسٹر نے کہا، تو کو دن ہے

سنا کہ چند مسلمان جتن تھے یک جا  
کہا کسی نے یہ ان سے کہ یہ تو بستلاؤ  
خدا پرست، خوش اخلاق اور ہندنگاہ  
تمہاری عزت و وقعت کا کس طرح ہے نباہ



نظر کہ وطرف اقدس دار اہل فرنگ  
انہیں کا ہرگز ہے جاری یہاں سے نہ نک  
کہ ان کے قبضہ میں ہے ملک مال گنج دہا  
انہیں کی زیر نگین ہے ہر اک سفید و سیاہ  
زبان خلق سے بے ساختہ نکلتی ہے واہ  
کہا انہوں نے کہ ہاں لا اِلهَ اِلَّا اللہ

نہ وہ یک رہ گئے نہ سر سید  
ذات محمود سے تسلی تھی  
دل احباب سے نکلتی ہے آہ  
لی انہوں نے بھی آج خلد کی راہ  
بولی جبریت کہ ہوش میں آؤ  
مٹ گی نقش احمد و محمود  
رہ گیا لا اِلهَ اِلَّا اللہ

### بنام ایدہ سیر رسالہ بدیعنا

علم اسرار دل و دل متا داری  
برتر از نظم و کن نظم ثریا داری  
تو چہ حاجت بہ جمال سخن ماداری  
خیر یوسف، دم عینی، بدیعنا داری  
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مسلمانوں میں اب قلم انگش رک نہیں سکتی  
وہ نہ لک نہ دیکھ سکتا، یہ کچھش رک نہیں سکتی  
کسی سے مشرق و مغرب کی سازش رک نہیں سکتی  
بٹھے بڑھوں کی لیکن یہ بھی خواہش رک نہیں سکتی  
یہ نقش جانفز لکھنے نہ پائے دل کے دفتر سے

اہل یورپ کے ساتھ ہوئی ہیں  
خانہ ماں نے کان میں بوسہ  
پڑھتے کوئی دعائے اکل طعام  
تب یہ اشعار حضرت سعدی  
اسے کر کے کہ از خزانہ مغیب  
دوستان را کجا کئی محسوم  
چکھی سید نے ایک دن کاری  
آپ تو علم سے نہیں عاری  
دین سے بھی رہے و غاداری  
ہوتے ان کی زبان پر جاری  
گہر و ترسا و طیفہ خور داری  
تو کہ باد شمعناں نظر داری

### نیشنل نیتھم

یہ قومی ترانہ ایدہ سیر دکن ریور، مولانا ظفر علی خاں کی فرمائش پر شروع ۱۹۰۶ء میں لکھا گیا تھا  
جو دل کرتے ہیں حق کی پاسبانی  
سمجھتے ہیں جو فرائض کے معانی  
ہنوز آں ابر رحمت در نشان است  
سرور قلب و محرز باں ہے اسلام  
جہاں میں باسروساں ہے اسلام  
ہنوز آں ابر رحمت در نشان است  
مساجد میں وہی شور اذان ہے  
وہی ہوشی دل اسلامیاں ہے  
ہنوز آں ابر رحمت در نشان است  
خدا کا ان پر ہے لکھتے نہانی  
سنا ہے میں نے یہ ان کی زبانی  
ختم و تحفانہ باہر و نشان است  
معین شاہی و شاہاں ہے اسلام  
ابھی تک حافظہ ایمان ہے اسلام  
ختم و تحفانہ باہر و نشان است  
وہی اللہ اکبر ہر زبان ہے  
وہی پُرت ہے، وہی ہنگام ہے  
ختم و تحفانہ باہر و نشان است

۱۲ لے مطلب یہ کہ ہم کیوں نیک نگ اور کاری و خیرہ نعتیں ہر ٹی میں کھائیں

۱۳ NATIONAL ANTHEM لے

دلوں میں ہے خدا کی یاد اب تک  
ہمت میں صاحب ارشاد اب تک  
ہنوز آں ابر رحمت در نشان است  
حیاں ہے پر نور سے محمد  
رواں ہیں قافلے مٹوئے محمد  
ہنوز آں ابر رحمت در نشان است  
دلوں میں کیوں تمہارے ہے یہ قافی  
ابھی تک یاد حق ہے دل کی حامی  
ہنوز آں ابر رحمت در نشان است  
پر بخش سلطنت کے ہیں عوطف  
تو کیوں ہوتے نہیں تم اس سے وقت  
ہنوز آں ابر رحمت در نشان است  
رسول اللہ کو دنیا نے مانا  
نہیں اسلام سے خالی زمانہ  
ہنوز آں ابر رحمت در نشان است  
طبیعت ذکر سے ہے شاد اب تک  
ہمت میں ہر بارخ دیں آباد اب تک  
ختم و تحفانہ باہر و نشان است  
ختم و تحفانہ باہر و نشان است  
ختم و تحفانہ باہر و نشان است  
ختم و تحفانہ باہر و نشان است  
ختم و تحفانہ باہر و نشان است  
ختم و تحفانہ باہر و نشان است  
ختم و تحفانہ باہر و نشان است  
ختم و تحفانہ باہر و نشان است  
ختم و تحفانہ باہر و نشان است

خدا علی گڑھ کے مدرسے کو تمام اہل حق سے شفا دے  
لطیف خوش وضع چست چاکل صفا دے  
کمال محنت کڑھ ہے، کمال غیرت کڑھ ہے  
ہر اک میں کاشک ایسا کہ آپ سے جیتے ہیں جیسا  
فقیرانہ تصان کہیں کہ تو ہے مضبوط، ہا کما  
ہتوں سے ان کو نہیں لگاؤ شمسوں کی لیتے نہیں آؤ  
نظر بھی آئے جو زلف چپاں تو کھیں یہ کوئی پالیسی  
نکلتے ہیں کہ قول بندی بنام تہذیب و تمدن دی  
انہیں اسی بات پر یقین ہے کہ بس یہی اصل کار دیسی  
مکان کالج کے سبک ہیں، ابھی نہیں تجربے نہیں ہیں  
دلوں میں اُنکے ہے نور ایمان تو نہیں ہے گور گہاں  
فریب دے کر نکالے مطلب سکھائے تحقیر دین و مذہب  
یہی بس الکر کی الجک ہے جناب ہادی میں یہ دعا ہے  
یہی بس الکر کی الجک ہے جناب ہادی میں یہ دعا ہے  
یہی بس الکر کی الجک ہے جناب ہادی میں یہ دعا ہے  
یہی بس الکر کی الجک ہے جناب ہادی میں یہ دعا ہے  
یہی بس الکر کی الجک ہے جناب ہادی میں یہ دعا ہے  
یہی بس الکر کی الجک ہے جناب ہادی میں یہ دعا ہے  
یہی بس الکر کی الجک ہے جناب ہادی میں یہ دعا ہے  
یہی بس الکر کی الجک ہے جناب ہادی میں یہ دعا ہے  
یہی بس الکر کی الجک ہے جناب ہادی میں یہ دعا ہے  
یہی بس الکر کی الجک ہے جناب ہادی میں یہ دعا ہے

۱۴

### ترجمہ قول یکے از اکابر یورپ

یہ شیخ اکبر سے اتنا کیوں خفا ہے  
نہیں ہے اس میں جھگڑے کی کوئی بات  
دہ مذہب میں جب زور حکومت  
تو وہ کیسے فقط اک فلسفہ ہے  
یہ کیوں غیظ و غضب، جور و جبار ہے  
یہ اک قول حکیم با صفت ہے  
تو وہ کیسے فقط اک فلسفہ ہے

میل ہیں آج ہم چغتائے کپ کے  
پر دانہ گل نہیں کے کلیسا کے

ہرم مذہب و ملت میں ہے کشش پیدا  
مغان و شیخ و برہمن کی آمد آمد ہے  
رہ میں زندہ ہیں اور ٹیم نام لازم و فرض  
اسی سبب سے ہماری آمد آمد ہے  
اجائے رکھتا ہے اکبر کے دل کو نصیب سخن  
اگرچہ پسیری و پیش کی آمد آمد ہے

## آمد اقبال پری

اقبال پری آئی جو انداز بدل کر  
دنیا کی ہوا ساتھ ہوئی ساز بدل کر

## غزل اقبال پری کی زبانی

ہوں ناز سے محمود حکومت سے بھری ہوں  
ڈر میں مراد اس ہے، میں اقبال پری ہوں  
ہر شعلہ مقابل مرے چہرے کے ہے بلے نور  
کستا ہے کہ ہوں بھی تو چراغ محسری ہوں  
ہر دھنگ میں میں مست سے جلوہ گری ہوں  
ہر رنگ میں میں مست سے جلوہ گری ہوں  
انگلینڈ پہ ہوں سایہ لگن حکم خدا سے  
شاہنشاہ اڈورڈ کی صورت پہ مری ہوں

## مبارک باد تنج کی طرف سے

قوم انگلش کو یہ دربار مبارک ہوئے  
لارڈ کرزن سایہ سردار مبارک ہوئے  
جو مبارک شہ انگلینڈ کو تخت و دہیسم  
مجھ کو یہ طبع گھسار مبارک ہوئے

## نصیحت حسن لاتی

بیٹے کو لوگ کہتے ہیں آنکھوں کا ٹوٹ ہے  
بے زندگی کا لطف تو دل کا سرور ہے  
گھر میں اسی کے دم سے ہے ہر سمت روشنی  
نازاں ہے اس پر باپ تو مان کو غور ہے  
خوش قسمتی کی اس کو نشانی سمجھتے ہیں !  
کہتے ہیں یہ خدا کے کرم کا ظہور ہے  
اکبر بھی اس خیال سے کرتا ہے اتفاق  
اس کا بھی ہے یہ قول کہ ایسا ضرور ہے  
البتہ شرط یہ ہے کہ بیٹا ہے جو نہ سار  
مائل ہے نیکیوں پر، بُرائی سے دُور ہے  
مندا ہے دل لگا کے بزرگوں کی پسند کو  
وقت کلام لب پہ جناب و حضور ہے  
برتاؤ اس کا صدق و محبت سے ہے بھرا  
اس میں نہ ہے فریب، نہ ہی مکر و دُور ہے  
افکار و الدین میں ہے دل سے وہ شریک  
ہمدرد ہے، معین ہے، اہل شعور ہے  
راضی ہے اس پر باپ کی جو کچھ ہو مصلحت  
صاحب ہے، باادب ہے، عقیل و فیور ہے  
رکھتا ہے خاندان کی عزت کا وہ خیال  
نیکوں کا دوست، صحبت بدر سے نفور ہے  
کس کمال کی ہے شب و روز ازل و دھن  
علم و ہنر کے خوں کا دل میں دُور ہے  
یہیں جوان صفات کا مطلق نہیں پتا  
آمد پھر جی ہے خوشی تو خوشی کا قصور ہے

## نظم قومی حسب فرمائش نواب محسن الملک بہادر

مسلمانوں کو تو تمہیں اپنی خبر کچھ ہے؟  
تمہارے کیا مدارج رہ گئے اس نظر کچھ ہے؟  
اگر کچھ ہے تو سوچو دل میں بھی اس کا اثر کچھ ہے؟  
حرفیوں کی تعلی باعث سوز جگر کچھ ہے؟  
تمہیں معلوم ہے کچھ برہ گئے ہو کیا سے کیا ہو کر  
کہ ہر آنکھ ہو راہ ترقی سے جدا ہو کر  
کوئی دس میں چمکتا تھا تو تم مٹا تھے سو میں  
کوئی دس میں چمکتا تھا تو تم مٹا تھے سو میں  
تمہیں نے فرق بتلایا تھا سب کو گندم و جو میں  
تمہیں سے سیکھ کر بنتی تھیں عالم مغربی تو میں  
شرف پایا تھا تم نے اقبیاز حق و باطل سے  
تمہاری عزتیں تھیں اوج تھا، تیرے تھیں تھیں  
تمہاری عزتیں تھیں اوج تھا، تیرے تھیں تھیں

نذر بہشت و کوثر و تسنیم ہو چکی  
اب پارک کا خیال ہے چپے چپے ہیں چپے  
رکھتے تھے جو بزرگ قدم چھو کر چمک کر  
تو گر ہوئے ہیں لپکے، لپکے، لپکے چمکے

دنما ز ہے نہ روزہ، نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے  
تو خوشی پھر اس کی کی ہے کوئی جنت کوئی جہنم  
جو خیال میں نہ لے، تو مذاق میں انوکھے  
نزدہ وضع قوم کی سزا وہ مان ہے، نہ جہنم  
لوں ان میں سے اس کو تو وہ ان کا ہے لیتا  
جو اسے بھی چھڑ دیکھا تو وہ کستہ زکھر ہے  
جو کر کے سر لندن میں اسیر لبر و فیشن  
جو میں گئے ہیں بن فشن، انہیں اینڈ ہے گورج ہے  
ہیں کوئی صاف سینہ، ہم ان میں بھی ہے کینہ  
یہ انہیں کہیں کینہ، وہ انہیں کہیں ایک ہے  
اکیس میم کا ہے چندرہ کوئی دستہ رز کا بندہ  
سے پھر اس پر ناز و خندہ کہ دل میں کیا ہے

پان ہیں تو میں تجارت سے عروج  
سے تجارت و اقبہ اک سلطنت  
لغظ تاجر خود ہے اسے اکبر ثروت  
بس یہی ان کے لئے معراج ہے  
نزدہ یورپ کو اسی کا آج ہے  
دیکھو و تاجر کے سر پر مان ہے

تمہاری اصل خدا کا کلام واضح ہے  
تسویہ بات جو محسوسہ نصائح ہے  
عجبت یہ دلولہ نقل قوم فاتح ہے  
وہی ہے باعث عزت علی جو صالح ہے

نہ جو مذہب و ملت کے ساتھ ہمدردی  
زمانہ صاف کہے گا کہ ہے یہ نامردی

نہیں کے واسطے کا سرور زیبا ہے  
نہیں کو روئے زمیں پر سرور زیبا ہے  
انہیں کے دل میں طرب کا دُور زیبا ہے  
مرے لئے فقط اُمید و سرور زیبا ہے

اسی اُمید میں ساری ترقیاں سمجھیں  
جو آپ نور کے معنی کی خبریاں سمجھیں

## کرزن سبھا

سبھا میں دوستو کرزن کی آمد آمد ہے  
میں و راجہ و نواب منتظر ہیں بہ شوق  
وہ ہو کے آتے ہیں قائم مقام قیصر ہند  
کہ نائیب شہر لندن کی آمد آمد ہے  
ہیں ان کے ساتھ میں آئے گا بریوہ پ  
مستاروں میں مہر دشمن کی آمد آمد ہے  
غرض یہ ہے کہ جو تھیں، زنت و دونق  
کہ گویا وہی میں لندن کی آمد آمد ہے  
معرض یہ ہے کہ جو تھیں، زنت و دونق  
ہر ایک علم کی ہسرن کی آمد آمد ہے  
مکر بندھی نظر آتی ہے آب و انش کی  
ادھر سے نئی ادھر انجن کی آمد آمد ہے  
دکھا رہے ہیں ہنرمند خواب منطاطیں  
دونوں میں حالت روشن کی آمد آمد ہے  
اُمند رہی ہے ہر اک سمت سے فراوانی  
ہر ایک جنس کے خرم کی آمد آمد ہے  
درد و فوج سے ہے ندق برق کا عالم  
جدھر کو دیکھئے پلٹن کی آمد آمد ہے  
چمک ہے کرچوں کی ہر شو، لگ ہے توپوں کی  
چھاپسم اور وناون کی آمد آمد ہے  
چل ہیں پے انگلیں ہیں، خوشی سستی ہے  
بہا و عیش پر جو بن کی آمد آمد ہے  
جو بزمیں، انہیں ہیں دلوں کے جوازی کے  
حوان ہیں تو لڑکیں کی آمد آمد ہے



تمہارے ذکر میں سرگرم دنیا کی زبانیں تھیں  
غور و ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو  
تمہارا اتفاق باہمی دیوارا ہیں تھا  
تمہاری ہمتوں کا عرش اسلم پر نشین تھا  
تم اپنی حق پرستی سے دبا لیتے تھے دنیا کو  
زیادہ پس کیجئے تھے، نہ ناسحق پرستی تھی  
نزدل میں بدگمانی تھی، نہ ہمت میں یہ پستی تھی  
تمہاری وضع دلکش تھی، تمہاری شان عالی تھی  
نہیں ہے لئے افسوس اب تمہارا وہ چین باقی  
زور و وق پر مہندی، نہ شوق علم و فن باقی  
جو فکر میں تھے اپنے نفس کو راحت رسانی کی  
غضب ہے سخت اسلامی سے خالی اس کا سینہ ہے  
بس اپنے ہی مزے کے واسطے ہر اک کا بیٹا ہے  
کہاں ہے اب مسلمانوں میں باہم پر غرض گفت  
میں تم سے کیا کہوں اس وقت دن پر کیا گزرتی ہے  
طبیعت بات کرنے کو بھی شکل سے ٹھہرتی ہے  
مراد و دست اندل اگر گویم زبان سوزد  
وہ باتیں جن سے قربیں جو رہی ہیں نامور، سیکو  
بڑھاؤ تو ملے، اطراف دنیا میں مگر سیکو  
خدا کے واسطے لے نوجوان، ہوش میں آؤ  
سخن معقول و موزوں ہو تو سب کا دل بہتا ہے  
زبان سے نعرہ درج و ثنا ہر دم مہلتا ہے  
تو جو گھر نہیں دل سے تو پھر تاثیر کیوں کر ہو

تمہیں تم تھے، زمانہ میں تمہاری داستانیں تھیں  
میر سیم نہ رہا پڑا تھا ایک عالم کو  
مخالفت ایک کا جو تھا، وہ گویا سب کا دشمن تھا  
تمہارے ہاتھ میں آفاق کا ہر علم و ہر فن تھا  
خدا کے سامنے ٹھک کر ٹھکا دیتے تھے اعدا کو  
طبیعت پر نہ دیو نفس کی یہ حیرت وستی تھی  
نظر میں منظر نور حقیقت ساری ہستی تھی  
خوش اخلاقی تمہاری منظر پرست بی جالی تھی  
نہ وہ حسن عمل باقی، نہ اب وہ حسن ظن باقی  
نزدل میں ہے وہ پوشش خستہ یارانِ دل باقی  
تو قی کیا اسی پر ہے خدا کی ہمدانی کی  
حسد ہے، ناتواں مینی ہے ایسے مری ہے، کینہ ہے  
یہی قوی ترقی کا ذرا سوچو تو زینت ہے  
جو باقی شاعروں میں ہے تو ہے وہاں حسنِ گفت  
تصور دل میں آتا ہے تو آنکھ اشکوں سے جھپتی ہے  
خلش سینہ میں ایسی ہے کدہ بے چین کرتی ہے  
دگر دم و رکشم، تو سم کہ مغز استخوان سوزد  
آنکھ تہذیب سیکو، منتیں سیکو، ہنس سیکو  
خواص خشک و تر سیکو، علم بحر و بر سیکو  
دلوں میں اپنے غیرت کو جلد زور و جوش میں آؤ  
کلام خوش کلاماں، رنگ باطنی بدلتا ہے  
مگر شوق عمل ہو واقعی، تب کام چلتا ہے  
کلام دلکش اکبر ہو یا مہدی کا کچھ ہو

ڈاکٹر صاحب حقیقت سے نہایت دور تھے  
اپنی حالت کے مطابق چاہیے طرزِ عمل  
اس تقرب پر ہیں کچھ مختصر کا موقع نہیں

میں زمانوں کا کہ ثورث آپ کے نگہور تھے  
اس سے کیا ہوتا ہے داوا قیصر و فقور تھے  
پاس گو بیٹھے تھے لیکن ان کے دل سے دور تھے

بولے الحی و رنگ ملت کو ہر دوش پر بدل رہی ہے  
ہمیں نے داس ہوا پکھولا، کیا اسے چپ جو کوئی بولا  
ذعابت کا کسی کو کدہ ہے نہ عزت و کوم پر نظر ہے  
جو پیشوا خود ہوں نہ مشرب کیجئے رنگِ خطہ سب  
کہ سچین باخبر ہیں ہر جا نہیں ہے چروں میں، سا چوچا  
جو قوم سب یہ ہے ہاری نہیں ہے اس پر بلا طاری  
ہم اپنی صورت بگالتے ہیں بنارہی ہے وہ اپنے گھر کو  
ذہن اکبر کی کب یہ قدرت کہ کہہ کے راہِ سوز و حر  
خدا کی ساحت میں یوں کی حدیں چھپی نہیں ہیں ہار کا بدل  
چاہا جو میں نے ان سے طریق عمل پر غلط

جو بات بگڑی ہے وہ کیونکر جو پل گئی ہے وہ پل نکلا  
ہمیں ہے خواب ترو داس کا، طبیعت اب بگڑ چکی ہے  
مرض میں ہوا سمارا ہے، دلوں سے غیرت نکل رہی ہے  
قوتِ شیطاں کے قلع ہیں، زبان ترقی پر پل رہی ہے  
ہمیں نے بھجا ہے ہمداس کو اسی میں اب پل رہی ہے  
ہم اپنی مٹی میں گورے ہیں، وہ خوش میں ہے سچل رہی ہے  
ہم اپنا نقشہ مٹا رہے ہیں، وہ اپنے سانچے میں ڈل رہی ہے  
وہ صبح اس کو بیاں کہے گی جو گور سیدہ پل رہی ہے  
بلائی آئیں ان کا رہی ہیں کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے  
لوگے کہ نظمِ ذیل کو ارقام کیجیے!

لے حال کی حقیقت و تصنیف علامتے یورپ بالخصوص انسان کے باب میں لائقِ ملاحظہ ہے جس میں ڈاکٹر  
کی غلطی پیش کی گئی ہے۔ (مضمت)

پیدا ہونے میں ہند میں اس عہد میں جو کچھ  
لے اتھا مفید میں یہ معشری علوم  
یورپ میں پھرے پیرس و لندن کو دیکھیے  
ہو جائیے طریقہ مغرب پر مطمئن  
پیران بے فردخ کا گل ہو چکا چراغ  
دکھئے نہ دل کو درد کیسا ہے محنت  
الفاظ کفر و فسق کو بس بھول جائیے  
یہ ہے جہاں میں دعوتِ شرب کے یک نام  
دکھئے نمود و شہرت و اعزاز پر نظر  
سامان جمع کیجئے، کو مٹی بنائیے  
آرائشوں سے گھر کو مذہب بنائیے  
یارانِ ہم مذاق سے ہم بزم ہو جیے  
چشمِ دل بیاں سے بھی غافل نہ جیے  
نظارہ ہماں سے تر و تازہ دیکھیے کچھ  
مذہب کا نام لیجیے، حال نہ ہو جیے  
طرزِ تدبیر پر جو نظر آئیں مولوی  
زنجیر لہ توڑیے کہہ کر خلافتِ شریع  
ممنوع ہے تعدد و ازواجِ خاص کر  
قوی تر قیوں کے مشاغل بھی ہیں فرد  
راکے نہ ہوں تو ہوں نہیں سکتی چل پل  
تحصیل پسند کیجئے، راکوں کو بھیج کر  
بے رونقی سے کٹے کیوں اپنی عمر کا  
جو چاہیے وہ کیجئے، بس رضرو ہے  
لیکن نہ بن پڑیں جو باتیں حضور سے

خاق کا شکر کیجئے آرام کیجئے!  
تحصیل ان کی بھی محنتِ شام کیجئے  
تحقیق ملک کا شرفِ شام کیجئے  
خاطر سے محو خطرہ انجمن کیجئے  
ناحق نہ دل کو تابعِ ادغام کیجئے  
متردک قیدِ جائتہ اسرار کیجئے  
ہر وقت و طریق کا اکرام کیجئے  
مجد کو مریہ، بندوؤں کو رام کیجئے  
دولت کو صرف کیجئے اور نام کیجئے  
ہا صد خلوص و دعوتِ حکام کیجئے  
ترتیب طاق و مسقف و در و دام کیجئے  
موقع لے تو تشنل لے و جام کیجئے  
تخیل شوق پسند و بادام کیجئے  
تفریح پارک میں محسوس شام کیجئے  
جو متفق نہ ہو، اسے بدنام کیجئے  
پبلک میں ان کو موردِ الزام کیجئے  
مضمون لکھیے، دعوتِ الہام کیجئے  
یوں گھوم پھر کے تنقید عام کیجئے  
اس نہ میں بھی مسرور کوئی کام کیجئے  
فکریں لے و طسیفہ و انعام کیجئے  
سارا علاقہ پسند کا اب خام کیجئے  
کیوں انتظار گر دشمن ایام کیجئے  
ہر انجمن میں دعوتِ اسلام کیجئے  
مردوں کے ساتھ قبر میں آرام کیجئے

میں دیکھتا ہوں صلح و محبت ہے اٹھ گئی  
اس کا سبب نہیں ہے سوا اس کے اند کچھ

ہر دل سے ہر گروہ سے، ہر خاندان سے  
یعنی کہ اٹھ گیا ہے خدا درمیان سے

تعجب سے کہنے لگے بابو صاحب  
اسے کیوں ہوئی اس قدر کامیابی  
کبھی لاٹ صاحب ہیں ہماں اس کے  
نہیں ہے ہمارے برابر وہ ہرگز  
وہ انگریزی سے کچھ بھی واقف نہیں ہے  
کہا ہنس کے اکبر نے اسے بابو صاحب  
نہیں ہے تمہیں کچھ بھی تیرے نسبت

مگر منت سیدہ کیوں مہرباں ہے  
کہ ہر بزم میں بس یہی داستان ہے  
کبھی لاٹ صاحب کا وہ میہماں ہے  
دیباہم نے ہر صیفیے کا امتحان ہے  
یہاں جتنی انگلش ہے سب بزبان ہے  
سنو ٹچ سے جو رمز اس میں نہاں ہے  
تم انگریزی داں ہو، وہ انگریز داں ہے

طبع کبھی کہ بلندی میں بڑھی جاتی ہے!  
وہ ہے تا فہم، عیار، محل سے نازک!  
لے قوم

زلف خوش ہے کہ یہ چانسی پر چڑھی جاتی ہے  
اہلِ ملیش میں یہ اک نظم پر چھی جاتی ہے

لے قوم

دارد آن آفت جاں حسن و جمال بجے چہم مست بجے دارد وصال بجے  
اوتبارج دلم مائل و من مائل اد او بر سنگ بجے من بخیال بجے

### ۱۸۷۸ کے ایک گم شدہ مضمون کے چند اشعار

اک رنگ پہ پھریاں کوئی شے رہ نہیں جاتی وہ سوکت و تان جم و گئے وہ نہیں جاتی  
یورپ کی ترقی کا چمکتا ہے ستارہ تو قیر عرب عظمت رہ نہیں جاتی  
دکھ نظر آتا ہے بہت نغیر نومبر تریخ رُخ بہمن ودے رہ نہیں جاتی  
گلابانی کا گل چمکتا ہے اطراف جہاں میں تسلیم نہیں رہتی ہے ابجے رہ نہیں جاتی  
عالم کو لہجائی میں سپانہ کی صدائیں بیل کے تراژوں میں وہے رہ نہیں جاتی  
آہنگِ حزب کے لیے چھڑتے ہیں نئے ساز دسائی احباب کوئے رہ نہیں جاتی  
زندوں سے بدل جاتی ہیں ساتی کی نگاہیں وہ گردش بیان وہے رہ نہیں جاتی  
ہوتی ہے بہت سخت یہ سنسزل مگر اکبر ہمت ہو تو پھر ناشدہ طے رہ نہیں جاتی

### یہ قطعہ ۱۹۰۷ء میں حسب فرمائش تیج لکھا گیا

زمرہ جاکلک پہ ہے یہی ہرگز کا ہے یہی مضمون روئے ارض پر ہرگز کا  
نیت سیتی ہے ملک اعظم برطانیہ سکے بیٹھا ہے دلوں میں حضرت اور دکا

راجہ صاحب سے شیخ جی نے کہا اب بھروسہ حضور پر نہ رہا  
مجھ کو چھوڑا امام باڑے میں پہنچے خود نیچری اکھاڑے میں  
جیب خالی پھرا کیا بندہ لے گئے خیر اس قدر چندہ  
راجہ صاحب نے ہنس کے فرمایا کیوں مزاج آپ کا ہے گرما  
بزم قومی میں، میں شریک ہوا جو ہوا، ہر طرح سے ٹھیک ہوا  
آپ پر بار صرف ڈاڑھی ہے یاں ریاست کی فکر گاڑھی ہے  
جب حکومت کرے خود اس کا وفاق کیوں نہ ہوں میں شریک کانفرنس  
مجھ کو ہے شوق علم و دانش سے کیوں میں ملتا پھر اپنی خواہش سے  
نہ ہوسکیں وہ جو یہ توضیح تو میں کر دوں گا دوسری تشریح  
مجھ پہ کرتا تھا اعتراض حریف دل میں آیا مرے یہ شعر لطیف  
دستبر اعتراض سوختہ بہ دین ادب چہندہ دوختہ بہ

میں رہے تھے سماع مولانا اسی حالت میں انتقال ہوا  
واہ کیا خوش نصیب تھے حضرت عالم و حب میں وصال ہوا

حضرت کی وفات سے ہر اک دل ریش رکھتے تھے عزیز ان کو بیگانہ خویش  
کیا کیا صفتیں تھیں جمع ان میں اکسیر حافظ، حاجی، طبیب، عالم، مددکش

ہزاروں صدوشمش از جہاں رفت بیامدیک ہزار و صد و ہفت

لے GOOD BYE لے BIRD، طائر لے WORD، لے DEFENCE لے  
۷۱ مولانا محمد حسین صاحب آبادی ۱۹۰۴ء میں حضرت نے حالت و جد میں انتقال  
منوایا تھا لے ۷۱ مولانا محمد حسین صاحب آبادی۔

ممدوح خاص و عام ہیں لالہ نہال چند مدد ان کے فیض کا کبھی رہتا نہیں ہے بند  
چند سے وصول کرنے کو ہیں پیشوا بہت سب کہتے ہیں مباحث قرآن و فید و فہد  
لیکن دستیق و سخت جو ہوتا ہے کوئی کام اس وقت میں جناب ہی ہوتے ہیں دروز  
حکام کے حضور میں کرتے ہیں التماس قانون سے جو ہوتا ہے کچھ شبہ نہ  
تقریر دے بل پہ جو کی، ملک بول اٹھا اس کار از تو آید و مردان چنین کنند

### ۱۹۰۷ء آغاز تشریف آوری امیر حبیب اللہ خاں میں لکھا گیا

غلاب حق جو عربیناں زوراء میگردند رفیع حکمت اور ذوراء میگردند  
مکرم است بہ ہندوستان شہر کامل بتاں بہ گرد حبیب اللہ میگردند

### بعلالت ۱۹۰۵ء

موت چل دی میری مشت استخوان کو سوکھ کر چونک اٹھا اکبر غرض خواب گراں سے اٹھ کر  
یہ بھنا چاہیے خالق نے جو محنت یہ دی ہر استغفار اپنے فضل سے ملت یہ دی

### سید جلال الدین طهرانی ایڈیٹر جمل المبین

تلعنہ اسنے چو فرستادی زراہ لطف و مهر پوشش زور از دل اسرودہ مٹھنا اندر دم  
بسکہ شوق دعوت و اسپنج و در دل داستم محفل ترتیب و ادم، شمع با اسر و دم  
خادم خاص از پے آوردنت رفتہ بہ ریل نصف شب در انتظارت دیدہ بردر دم  
چوں شنیدم، فسخ کردی علوم و رفتی بیدریغ شمع را خاموش کردم، خود سدا ہا ستم

تھا باعث اہم مرض جاگزا سے قوم مدت سے سن رہے تھے علی گڑھ میں ہائے قوم  
احسنہ ادودھ نے کالج طبعی بنا کیا شکر خدا کہ ہو گئی پیدا دوائے قوم

حال کا تو عمل اسے حضور کچھ بھی نہیں خدا گواہ ہے میرا تصور، کچھ بھی نہیں  
برائے لطف و کرم لائے یہاں تشریف الا آباد علی گڑھ سے دور کچھ بھی نہیں  
محبت آپ کی ہے میرے دل میں مستحکم میں صاف لکھتا ہوں، یہ کر دوز کچھ بھی نہیں  
وہ امر آپ کی جانب سے میں نہ سمجھا تھا یہ چاہے کیے کہ تجھ کو شعور کچھ بھی نہیں

بعد پیش کے تصنع سے مجھے ساز نہیں ہوں جو بے فتنل تو اکسیر یہ کوئی راز نہیں  
گواہ آزاد ہوں لیکن مری صحت ہے خراب پر کھلے ہیں مگر اب طاقت پر واز نہیں

ڈپوشن کی سرسبزی جو دیکھی اس نے شعلیں برہمن نے کہا یہ شاخ بید اور ایسے گلے ہیں  
کہا مدی نے، بھائی تم کو کیوں اس درجہ حیرت ہے تمہارے واسطے یہ کیا عمل رفک و غیرت ہے  
تعجب کیا ہے ہم اس بیک پہلو میں ہو بیٹھے ہیں حرم کے محترم کیا دیر کے خادم سے بیٹھے ہیں  
برہمن نے کہا، بس آپ کی باتیں ہی باتیں ہیں اجمیہ وصل کی راتیں نہیں ہیں ان کی گاتیں ہیں  
کہا مدی نے، ہم کو تو مزے سے اپنے مطلب ہے محبت جو زجوائی کو، امید اس کی یہاں کب ہے  
برہمن نے کہا، ایسا مزا احضا کا مضیف ہے کہا مدی نے ہاں اس بات سے بندہ بھی واقف ہے



## وفات سید مرحوم پر

ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سید کام کرتا تھا  
کے جو چاہے کوئی، میں تو یہ کتا ہوں، اے اکبر  
یہ قطعہ ۱۹۰۲ء میں لکھا گیا تھا:  
دیکھی جو نمائش چکا گڑ  
دل نے کہا دین سے مجھ کو  
اتنے میں اجل پکاری سر پر  
بس ہو چکا خواب زیست جاگو

شروع سہ میں میں آؤں گا، تم اپنی ماں کو یہ لکھ چکے ہو  
تو دیر پھر کیوں نگار رہے ہو، یہ کیا تامل ہے، کیوں رُکے ہو  
مجھی کو سمجھو تم اپنا قبیلہ، سہرا دہ کو ہیں کرو غم  
وہاں کے چوچوں میں غلط کیا ہے جسے اٹھانے کو تم بھٹکے ہو

علم باری میں یہ تپ توت کی تمہید نہ تھی ورنہ ظاہر میں تو کچھ زیست کی امید نہ تھی

یہ قطعہ مولوی محمد کریم صاحب تحصیلدار میاں ضلع الہ آباد کے نام ۱۹۰۵ء کو لکھا گیا تھا۔  
عمرہ ٹھپلی مسلم و حسن ام ملی تحفہ پایا، مراد حسن ام ملی  
منون کریم کیوں نہ ہوں اے اکبر وہ دام میں لائے، مجھ کو بیدار ام ملی

اک دوست ہمارے ہیں آپ ان کو شدید آئی جھیل کئے بہاری، مدست میں شفا پائی  
لاہور کے جلسے میں شرکت کو ہیں اب جاتے حالانکہ ابھی قوت پاؤں میں نہیں پاتے  
میں کتا ہوں جاتے ہو لاہور بلا قوت وہ اس کو سمجھتے ہیں لا حول ولا قوت  
یہ میری غلط بندش، وہ ان کی غلط فہمی میں مدد سے بڑا شاعر وہ مدد سے مراد بھی

## دعوت نامہ بنام علامہ شبلی نعمانی

اما نہیں مجھ کو قبل قبل بس صاف یہ ہے کہ جہاں شبلی  
تکلیف اتحاد آج کی راست کھانا نہیں کھاؤ آج کی راست  
حاضر جو کچھ ہو دال دلیا سمجھو اس کو بلاؤ تلیا

شبلی کا مسلم علم کی منزل پر جہاں ہے رفتار پر آؤں کی مستم اس کا تہا ہے  
چمکی ہوئی ہے بزم سلف اس کے خیال سے روشن ہیں یہ معنی کہ جس العلماء ہے

یہ کیا سبب ہے جو وہ روکے جی بھر آتا ہے یہ کیا ہوا جو مجھے شہر کاٹے کھانا ہے  
یہ خون ہو گئی کیوں میرے دل کی رنگینی یہ داغ دینے لگی کیوں چین کی گل چینی  
ادا اس ہو گئی کیوں روح خاد تن سے اچاٹ ہو گئیں کیوں بے بسی گلشن سے

یہ سید عشرت حسین سے خطاب ہے۔

۱۹۰۵ء CHICAGO

۱۹۰۵ء میں مصنف کو باری سے تپ آئی تھی کہ HONOUR

بھلا اللہ کہ حاصل آپ کو ہر ایک نعمت ہے  
علوم مغربی میں نمبر اول آپ کا کیا  
گورنمنٹ آپ کی مداح ہے اس قابلیت پر  
بے تکلیف دانش تصدیق اب ملک مغرب کا  
مبارک آپ کے احباب کو یہ جلد رخصت  
بحیرہ کامیابی آپ واپس آئیں لندن سے  
زبان پر سب کے جاری ہے یہ شعر حضرت اکبر  
عطا کر قسمت تصنیف سعدی یارب اس گل کو

گودل بیتاب افسانہ وطن پر شاوے  
یہ قطعہ ۱۹۰۲ء میں لکھا گیا تھا۔  
خوش پھر رہی ہے خلق خدا، صبح عید ہے  
ہے جشن تاج پوشی، قیصر بھی آج ہی  
بازار دہر پڑ ہے متاع شہر و دیہ  
کشتہ ہے کوئی طرز مس خوش حسرام کا  
صوفی کی انجمن میں بھی شاہی کا ہے سماں  
ست پسے رنگ میں ہیں نئی روشنی کے دست  
ڈالی کسی نے بھی ہے حکام کے حضور  
تمہارے ہوئے دل میں ہے خجہ مایہ نشاط  
نچر کو خوش دیکھ کے پوچھا ہے چرخ نے  
میں نے کہا کہ حالت عشاق ہے کچھ اور  
پیش نظر ہمارے ہے شام شب عشاق

ہر سمت زیب و زینت دنیا کی دید ہے  
یہ اتمق باحث لطف مزید ہے  
ہا منفعت فروخت ہے، دلکش خرید ہے  
کوئی نگاہ ناز بشتاں کا شہید ہے  
لطف نوائے مطرب دند بزمیہ ہے  
اظہار جو شش طبع ہر طرز جدید ہے  
بیتاب دل میں شوق صد در سید ہے  
اس سے نزار طول اہل کی کشید ہے  
تو بھی اس آب و رنگ سے کچھ سفید ہے  
پروانہ ہر وقت کی، یہ ان سے بعید ہے  
اس کی جو ہر سحر تو باری بھی عید ہے

لندن کو چھوڑ کر اب ہند کی خبر ہے  
رہ اپنی اب بدل دے میں پاس کر کے مل دے  
انگلش کی کر کے کان، ونب کی راہ ناپی  
نچر بکارتا ہے، بنے اصل نسل تیسری  
واپس نہیں جو آگیا منتظر ہے اس کا  
مغرب کے مرشد دل سے توڑ چکا بہت کچھ  
میں بھی ہوں اک مسخورد آؤں کلام اکبر

کانفرنس حباب سے پڑ ہے  
سب کو یاد استاد کا گڑ ہے  
جو صف ہے وہ ملک در ہے  
دکھن ہر اپنیج کا سر ہے

قومی ترقی کی راہ پاس پاری  
نہیں ترقی کی راہ پاس پاری  
چند دے کی تحصیل ہے جاری

یہ قطعہ ڈاکٹر سلیمان جوہوری، بیرٹراٹ لار کے متعلق ہے جو آخر میں سرسلیمان تھے۔  
اگر وہ سے تبدیلی کے وقت سے عشرت حسین سے خطاب ہے۔

قوم پر غالب کو رٹ کے ملے      علی ٹھہرے پارک کے گئے  
پھر یہ چندہ کیوں کر دم لے      کتنا ہیے کوئی پھر بھی کم لے

لائی ہیں سکھیاں بھر کر جھولی      خوب کھیل ہے برج میں ہولی  
رنگ میں ڈوبی ہے سب کی چول      سب نے نہاں اس گیت پر کھولی

شیخ کو الفت ہو گئی مس کی      خوب ہے اب شوق سے دسکی  
اگل دنیا دھڑ سے کھسکی؟      بیٹھا کون ہے شرم ہے کس کی؟

جمع ہیں ممبر بھولے بھولے      جاڑوں کا موسم پھولے پھولے  
آنکھیں پھاڑے، دانت نکالے      چندہ دے کر پھٹنے والے

بعض ہیں بادہ و جام کے خواہاں      بعض نمود و نام کے خواہاں  
بعض فقط آرام کے خواہاں      کم ہیں فیض عام کے خواہاں

مدعیان رونق دیں ہیں      لیکن باہم برسرِ کیں ہیں  
واقع فن و ہنر سے نہیں ہیں      کم ہیں ان میں جو احسن ہیں

ہر دم قوم کا روناسیہ ہے      ان باتوں سے ہونا کیا ہے  
مفت میں روپیہ کھونا کیا ہے      شور زمین میں ہونا کیا ہے

دیکھ کے اک باضابطہ بھپکی      دنیا آپ کی جانب ہپکی  
آپ نے سب کی دولت ہپ کی      بزم بحال خالی گپ کی

یہ وادی ہے طور سے خالی      یہ محفل ہے فور سے خالی  
یہ جنت ہے فور سے خالی      پاس سے خالی، دور سے خالی

دیکھتا ہے اک سر سے بندہ      بس یہی باتیں اور یہی پھندا  
ہوتا ہے کچھ کام نہ دھندا      لاؤ چندہ، لاؤ چندہ

سید کا جو سر مشن تھا      اس سکتے کا ٹھیک چلن تھا  
حب ضرورت طرز سخن تھا      وقت وہ اور تھا، اور ہی سخن تھا

بگڑا ویکھا بیٹھا بھتیجا      ایک کا چلم ایک کا تیجا  
دل کتاب ہے بات کو پی جا      ساکت ہو دکھلا کے نتیجا

بھائیوں پر منہ آئے جانا      گائے گیت کو گائے جانا  
اگلا قصہ سنائے جانا      آڑا ڈھول بجائے جانا

لے میں نے قصداً اسی تلفظ سے رچوڑا کیا ہے۔

بیٹھے روتے ہیں جن کے لڑکے      دوڑتے ہیں بنگلوں پر لڑکے  
دل میں یہی رہتے ہیں دھڑکے      مار نہ بیٹھے کوئی بگڑکے

کیوں رنگب حق پوش میں آؤ      غنیمت پرکڑی پوش میں آؤ  
نڈھب کے آنوش میں آؤ      غافل بندو، پوش میں آؤ

ایک انگریز نے بات یہ کہدی      جس نے ترقی وہ دی، یہ دی  
اس بازی کی نہیں نے شہ دی      کیسے سید، کیسے مہدی

گر میوں میں بچوں کو تھکانا      شہروں شہروں بھیک سنگانا  
اور اس پر یہ بات بنانا      مفاسد روکوں کا ہو گا ٹھکانا

آپ کہیں، بیہوش نہیں ہے      ہم کو تو مرغوب نہیں ہے  
عہدہ یہ اسلوب نہیں ہے      ہاں یہ طریقہ خوب نہیں ہے

اس سے بگڑتی ہے قومی حالت      جاتی رہتی ہے شرم کی خصلت  
کتے ہو، ہوگی جو یہ جمعیت      ہو گا ٹیل، بڑھے گی الفت

تڑپو گے جتنا بحال کے اندر      بحال گئے کا کھال کے اندر  
کیا ہوا تیس ہی سال کے اندر      غور کرو اس حال کے اندر

کام بہت ہیں لوکل و ذاتی      ان کی منکر تو کی نہیں جاتی  
مفت میں بچوں کو کر کے براتی      قوم کی گالتے ہیں بجائی و مناتی

کیونہ ہم کو ہے، نہ حد ہے      دل میں چند ہے، نہ کوئی گد ہے  
لیکن یہ اور شاد و حسد ہے      بجائی ہر شے کی اک مد ہے

آزادی کی پی کے برانڈی      آپ چلاتے ہیں ڈنڈا بانڈی  
گاتا ہے قومی کشتی کا ڈانڈی      مکتب گرم ہے، سرد ہے بانڈی

بزم عزاء میں کیوں نہ ہو شرکت      جس سے ہو دل میں پیدا عبرت  
صوفیوں کی کیوں ڈھونڈیں صحبت      قلب کو جس سے پہنچے فرحت

یہ بے معنی مجلس کیسی      یہ ناحق کی گھس گھس کیسی  
یہ بے حکم کی آفت کیسی      باست یہ سٹرم پوئیس کیسی

ہو گیا محفل میں کون اضافہ      خوشبو بھیلی، نہ دیکھا نافہ  
دیکھ سب یاروں کا قیافہ      پایا بس خوش رنگ لافہ



قوم سے اس کی گاڑھی کائی آپ نے فہرہ دے کے اڑائی  
اور وہ یوں بے سود گنوائی شاہ لندن، حسیری دھائی

دوڑاؤ تدبیر کے ریشے قوم میں پھیلے فن اور پیشے  
صناعی کے چلاؤ تیشے تاکر کٹیں احسان کے بیشے

تم ہو سنکر جاہ میں اُبھے شہرت و شان کی جاہ میں اُبھے  
ناقصوں کی واہ میں اُبھے دل کیوں کر اللہ میں اُبھے

خان کی توحید سکھاؤ عقبنی کی تمہید سکھاؤ  
محمد کی تردید سکھاؤ روحانی امتیہ سکھاؤ

مذہب کی تعلیم زبانی طوطا مینا کی ہے کہانی  
مٹا جو خود نہ ہو حقیقتی پھر تو مکتب ہے شیطانی

جب ہوں گروہی خود البیہ خوب رہائیں میسے شیلے  
راہ پر آئیں کیوں کر چیلے مسند میں کیوں جائیں اکیلے

اگر خود جب حق سے ہو غافل دنیا ہی دنیا دل میں ہو داخل  
ساتھی کیوں نہ چلیں رو ہا مل کیوں کر دین ہو اُن کو حاصل

جس نے خیمہ یہاں پر گاڑا اس کو مبارک ہو یہ اکھاڑا  
لیکن قوم کو کیوں ہے پچھاڑا اس نئے پر گلا کیوں پھاڑا

مشرقی گھر کی محبت کا مزا بھول گئے کھلے لندن کی ہوا، سہر و فاجھول گئے  
پہنچے جو مل میں تو پھر عید کی پروا نہ رہی کیک کو چکھ کے سوتوں کا مزا بھول گئے  
جنوے ماں باپ کو اغیار کے چروچوں میں وہاں سایہ گھنر پڑا، نور حسنہ بھول گئے  
ہرم کی تیلیوں پر ایسی طبیعت پھٹلی چین ہند کی پریوں کی ادا بھول گئے  
کیسے کیسے دلی نازک کو دکھایا تم نے خبر فیصلہ روزِ حسرت بھول گئے  
بخل ہے اہل وطن سے جو دغا میں تم کو کیا زندگوں کی وہ سب جو دغا بھول گئے  
نفق مغرب کی ترنگ آئی تیرے دل میں اور یہ نکتہ کہ مری اصل ہے کیا بھول گئے  
کیا تعجب ہے جو لڑکوں نے بھلایا گھر کو جب کہ بڑے روٹے دین خدا بھول گئے

### بنام منشی شام حسین صاحب مہتمم پیام یا رکھو

نامہ کوئی، نہ یار کا پیغام بھیجے اس فصل میں جو بھیجے بس ام بھیجے  
ایسے ضرور ہوں کہ انہیں دکھ کے کھاسکوں پختہ اگر ہوں بیس تو دس خام بھیجے  
معلوم ہی ہے آپ کو بندے کا ایڈریس سیدھے الہ آباد مرے نام بھیجے

نئے سید عشرت حسین

ایسا نہ ہو کہ آپ یہ نکلیں جواب میں تعمیل ہوگی پہلے مگر دام بھیجے

### مرثیہ کنور عبدالعزیز

دھرم پر آج کیوں اس درجہ وقفِ حرمت دم ہے یہ کیا باعث کہ ہر طرف اک شور مچا ہے  
اٹھ کیا قیامت آگئی ہے، کیا یہ عالم ہے کہ جس کو دیکھے مغوم ہے، با چشم پر دم ہے  
یہ ماتم ہو رہا ہے کس کی مرگ ناگمانی پر گری برق اجل بے وقت کس کی زواری پر  
کنور عبدالعزیز، اک لڑکوں ماں باپ کا پیارا گل بانجہ دیا سست ادھر ہر اک کی آنکھ کا تارا  
اسے دورِ سنکے ناگمان تیرا جل مارا کسی کا بس نہیں، اللہ کی مرضی میں کیا چارا  
سلام ہے ریاست میں، عزیزوں کا جگر فٹ ہے ہوا خواہوں کو مدد ہے، دل احباب مہر دہ ہے  
تلاش دیکھتے ہیں آپ اس دنیا کے نالی کے ابھی ہے بات کل کی، غلغلے تھے شادمانی کے  
انگلیں تھیں، نئے تھے دوسرے تھے زواری کے عیاں تھے ہر طرف اسباب عیش و کامرانی کے  
ابھی یہ دیکھیے آہ و بکا ہے، شور و شیون ہے جنازہ اٹھ رہا ہے، اہتمام گروہِ مدفن ہے  
دھرم خوش اکبر شہزادہ خفاں تاکے یہ آہ اُتھیں، یہ قصہ سوزِ نہاں تاکے  
سمجھو خود تمہیں کب تک یہ علم کی داستان تاکے اگر سارا جہاں ہی ہو تو پھر سارا جہاں تاکے  
اگر تاریخِ رحلت تم کو کہنی ہے صفائی سے دھرم ساکت ملا دو صبر کو داغِ حشرائی سے

۲۹۲ ۱۰۳۳ ۱۳۱۵ھ

### قصیدہ مبارک باد شہن جوہلی ملکہ و کٹوریہ قیسرہ ہند

حسب ایما ستر اول صاحب حج ۱۸۷۷ء

زبانے میں خوشی کا دودھ ہے عشرت کا ساماں ہے برنگ گل، ہر اک بانجہ جہاں میں آج خفاں ہے  
کوئن و کٹوریہ کی جوہلی کی دھوم ہے برسوا ادھر سے غنم عشرت، ادھر تو پر چراغاں ہے  
جادو دیکھو کھلی پڑتی ہیں کلیاں صحن گلشن میں بھرا جوشِ شہرت ہے ہر اک رخ خوش الحان ہے  
بسان بونے کی براک ہے باہر اپنے جلے سے نسیم گلشن عیش و مسرت مفسر افشاں ہے  
چمک کر ہو گیا زیرِ فلک رشکِ قمر ہر گھر میں شب ہے کہ جس کا نور رشک ہر تاباں ہے  
فروغ اپنا جو دکھلاتی ہیں آتش بازیوں ہر شہر کو اکب محفل ہیں، دیدہ افلاک حیراں ہے  
کیسے ہے رقص کی محفل، کیسے ہے جلسہ دعوت کیسے تصویر بنتی ہے، کیسے سرو چراغاں ہے  
کیسے خیرات خانے جاری ہوتے ہیں، کیسے مکتب کیسے تقسیم کپڑوں کی پے فصل زمستان ہے  
اثر جوشِ شہرت کا ہے ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر کوئی ہے عموماً سانس، کوئی مصروفِ آرائش ہے  
تعب کیا اگر ایسی خوشی ہے اہل عالم کو یہ حیرت کیا جو قیسرہ کا ہر اک لے سے ثنا خواں ہے  
سر اڑائی پیجاہ سالہ نصیر د خوبی سے محفلِ طفت باری ہے، مقام شکرِ زیواں ہے  
یہ ہندوستان سب کہتے ہیں جنتِ نشان میں کوئن و کٹوریہ کے عہد میں رشکِ گلستاں ہے  
نیکس امن و اماں سے ناظر مال ریاست میں ہری کھیتی زمینداروں کی ہے، امر بزر دہقان ہے  
کئی بدلی کہے کہ قطرہ افشانی میں کیا پروا کونفرِ نیرمان زمین پر کوہِ شرفشاں ہے  
نظر سلطان کی ہے خاص تسلیم رعایا پر اشاعتِ علم کی یہ ہے کہ سب کی عقل حیراں ہے  
ہزاروں مد سے قائم ہوئے ہیں، سینکڑوں کالج جہاں فکرِ اسطو بھی بس اک طفلِ دبستان ہے  
جہاں چلتا تھا کچھ زور و اس اب ریل چلتی ہے میٹر خاں کا دوس کو بھی اب تختِ سلیمان ہے  
دکچہ کھٹکے چوروں کا، زقوا قول کی ہے دہشت رواں بے زحمت و خوف و خطر ہر سمت انسان ہے  
تجارت کی بھی ایسی ہو رہی ہے گرم بازاری کو مسلمان معیشت جنسِ دل سے بھی اب ازال ہے

مندی سا بزرگ صاحب جاہ تو ہے سنجیدہ کلام کے لیے واہ تو ہے  
منزل کا اگر پتا نہیں ہے، نہ سہی دکش روشیں ہیں، دکشا راہ تو ہے  
مندرجہ بالا اشعار ایک ہی تہیہ تحسین کے ساتھ ۱۹۰۴ء کے انٹینیوٹ گزٹ میں چھپ گئے تھے

### مولانا نے کڑوی

پھرے اک مولوی صاحب جو کل دبا بدلی سے یہ چھپا میں نے، کچھ لائے بھی تم سرکار دہلی سے  
وہ بڑے ہنس کے لے اکبر کوں کیا تجھ سے حال اپنا اسی طرح سے بس کرتا ہوں اعطاء خیال اپنا  
ادھر سرخ نے گلگوں کی تھی، اندھے کی زد کی تھی ادھر رش پیدا اپنی تھی اور شدت سے سردی تھی

مولانا محو عشق یزدانی تھے بے شک اس مہدی وہ لافانی تھے  
بھولیں نہ کبھی انہیں محتبان رسول یعنی رحیمی شریف کے بانی تھے  
یہ قطعہ اگر وہ میں لکھا گیا تھا،

ڈیٹی صاحب جو یہ ہیں زینت عباد جہاں پنختہ وضعی کے ہیں انداز دکھانے والے  
تو بھٹو سے الگ اور زوائد سے بری بس سمیٹے ہی پہ ہیں چھاؤنی چھلانے والے  
ساز پر ہاتھ پڑا اور ہونے رخصت آپ وہ گئے کھول کے منہ، بین بجائے والے  
انیکٹر ہیں جو یہ خان بہادر صاحب دُعب حاکم، دل و لب پہ بھٹانے والے  
بچ کے جلسوں میں بھی تہذیب کی تصویر ہیں آپ اگلے اسلام کی ہیں یاد دلانے والے  
دوستوں کے لیے بازو کا ہیں تعویذ جناب رہزنیوں کو ہیں بے سٹولی پر چڑھانے والے  
شان اللہ کی ہیں برکت و استرا و مجتہد ان کے اخلاق کے قائل ہیں زمانے والے  
فیض ان کا بسبب رونق عیش احباب تابع ذریں سر مشرت پہ اڑھلے والے

### متفرقات

ترے پر تم سے آئے جاں جہاں، خلقت میں نور آیا ترے فیض تجلی سے یہ ذروں میں شعور آیا  
لطافت کو نہ چھوڑے رنگ تیری شادی دلم کا بنسی آئے تو بھولوں کی، جو دونا ہو تو شبنم کا  
ترا چہرہ ہے منظر چشم شوق نور عرفاں کا ترا عشوہ ہے مصدر جلوہ ہائے فیض بندوں کا  
شباب عمر نے کھویا، طبع نے دین لیا فلک نے ہم سے بڑی نعمتوں کو چھین لیا  
جوائے قیامت بھی ہے ہزار شاں، عروج ملک پہ ہمیں کا ظار ہونے کی دوا جانت، عمل نہیں ہے نہیں نہیں کا

تا چند پرسی آئے خود ایں از کہاویں از کہا تو از کہاں ایں گونا گویا دوست دیں از کہا  
مزرے سے زندگی کتنی جو دل قابو میں آجاتا مگر ایسا تو جب ہوتا کہ وہ پہلو میں آجاتا

اے حضرت مولانا شاہ محمد حسین صاحب۔ اے مولوی برکت اللہ صاحب دہلی غازی پور۔  
اے مراد حسن خاں صاحب دارالہمام ریاست بھوپال لکھ خان بہادر عبدالحمید خاں صاحب ام  
اے سید عشرت حسین اے دے نام ماہ فارسی

حسب تازہ دیکھا کارخانہ تار برقی کا شبہ تیرہ میں بھی وہ نور ہے اقبال تیر کا  
رعایا کے حقوق اب ہر طرح محفوظ ہے یہ محبت بڑھ رہی ہے خارج و مفتوح میں باہم  
پیش کش کو بھی ہے ہمدام میں کمال آزادی تو جہ ہے مفید عام کاموں کی طرف سب کی  
شفافاؤں نے ثابت کر دیا ہے اس مقولے کو خلوص و صدق دل سے ہے دعا ہندو مسلمان کی  
غریب و غریب سے جب تک ہے زینت عالم دل اہل جہاں ہے جب تک مرکز تماشا کا  
خدا کے نام کی عزت ہے جب تک اہل دانش میں ہماری حضرت تیر ہیں اقبال و صحت سے

خدا، اے مشرقی تم کو ہمیشہ شادمان رکھے خلافت سے تمہیں خوش، ان کو تم پر ہر ہلکے  
کرے ملو تمہاری طبع کو رنگیں خیالی سے تمہارے دفتر دل کو گلستاں بوستاں رکھے

ہند میں ہیں ہوں مرا نور فطرتہ ندن میں ہے سید پر عزم ہے یاں، تخت جگر ندن میں ہے  
دست بردیر کھولا گیا ہے ہند میں فیصلہ قسمت کا اے اکبر جگر ندن میں ہے

اے نونہال خوبی ماہ دو ہفتہ من در بہار بر سرش رفت از فضلے ہستی  
پیارے سے منم سرش در دہشتم کرد منتم سر مزارش در بنیادی ہستی  
آپے ز دل کشیدم، کفتم کو اے میر می با ایں کمال در رفعت، حیف است میل پستی  
آخر چہ پیش آمد اے شیخ محفل من در گوشہ نشستی و زانجمن گستی  
آخر چہ شد کہ رستی لے رونق گلستاں در موسم بہار، رنگ چمن شکستی  
اے برق و شش چہ وادی نسبت، گور تیرہ لے شعبدہ و بجا کہ تربت چرا نشستی  
اے خوش نگاہ، واکن چمنان کسہ آگین چیرے بگو بہ عاشق بہا صاحب را پستی  
ناگہ ندائے از غیب آمد بگو شش جانم کاے بجز ز ایمان، اے محبت پرستی  
آزاد کہ شعبدہ خوانی و آزاد کہ برق دانی آن جگہ بود رنگب نقش طلسم ہستی  
اے رنگا پرید و بوی شش جاندارانے رازے کہ کس نداند در بند خود پرستی  
عبرت کشود چشم حیرت بر ہو ششم آورد در سینہ دین کو دم جوش و غروش ہستی  
تاریخ فوست کفتم در صنعت عجیبے بوٹا بردن شد اکسیر از گرد باغ ہستی

۱۲۹۳ھ

۱۴۰۲ھ

۳۰۹

بیکار جب کہ ہے مفضل گروہ ہے جس دوست کو دیکھیے، وہ افسردہ ہے  
گو فیض زہاں سے زندگی ہے ظاہر دل کو جو ٹھوٹے تو وہ مردہ ہے

بہتر ہے یہی کہ اب علی گڑھ چلے رکتے نہ کسی کے واسطے، بڑھ چلے  
جس فن کا ہو درس، جو جیے اس میں شریک جو پیش آئے سبق، اُسے پڑھ چلے

اے ہر تخفیف یا سید عشرت حسین



مرتبہ اس سے بھی دنیا میں سوا ہوا آپ کا یاد رکھیے گا کہ میں بھی ہوں دعا گو آپ کا

نہ ہو یا وحشت تو نور باطن ہو نہیں سکتا نہ ہو طالع اگر خورشید تو دن ہو نہیں سکتا

بنگالی ہاتھ میں مستلمے تو کیا مسلم جو مٹا ہوا بزم جمے تو کیا

ہندی کی نجات ہے نہایت مشکل سو مرتبہ مرے وہ جسم نے تو کیا

نہیں ہے رم تال میں، یہی ہوتا تو پھر کیا تھا کہاں ہے مہربان دل میں، یہی ہوتا تو پھر کیا تھا

ہجوم ہل ہوا چین میں، کیا جو گل نے جمال پیدا کی نہیں قندال کی اکبر کرے تو کوئی کمال پیدا

آپ کا برتاؤ موسم کے موافق تھا حضور واقعی اس کے اثر سے دل بخوبی پک گیا

کہہ رہے رنگِ محافت، اب زمانہ بالاتفاق بڑا خود اپنے نورِ نظر کو دیکھو، نگاہ بدل، مذاق بدلا

تری ترمچی نظر سے ہم کو ڈر کیا محبت کی تو پھر دل کیا، جگر کیا

اک فلسفہ تیغ کا اور اک سکوت کا باقی جو ہے، وہ تار ہے بس ملکیت کا

باہم شبہ وصال غلط نصیب ان نہیں مجھ کو پری کا شبہ ہوا ان کو بھوت کا

ہنگامِ نزح، ہوش جو غائب ہوئے تو کیا اس وقت وہ غرور سے تائب ہوئے تو کیا

مناسب یہی دل پر جو کچھ گزرتے اُسے سہنا نہ کچھ قصہ، نہ کچھ جھگڑا، نہ کچھ سننا، نہ کچھ کرنا

تاثا دیکھ اکبہ دیدہ عبرت سے دنیا کا اہل کی زندگی اُن کے اہل میں بلکہ کے سو دہنا

بت نہ کہتے ہوں جسے یہ ہمارا بندہ ہے بھی ایسا کوئی اللہ کا سپا رہندا

انہیں غمروں میں آساں ہے معافی کا ادا کرنا مجھے مغلطوں میں مشکل ہے بیان دے کرنا

عشوہ دناز و ادا سے مسکرانا آگیا چشم بد دور، آپ کو بجلی گرا نا آگیا

سراسر جودِ حسن مستراحِ زلفِ پائی تھا محلِ رشک اس بازار میں مجنوں کا سڑکا تھا

مجھے تھے لوگ جس کو ہمارا، انہیں کا تھا کچھ غل غپ، تو یہ بھی اشار اُنہیں کا تھا

اب سانس بھی نہیں گئے دبا میں گلا وہ کیوں ہم کو زندگی میں سہارا نہیں کا تھا

اٹھنے دیا دیکھوں مرے ذراستِ خاک کہ اسے چرخ، آواز پر تو ستارا انہیں کا تھا

آزادیوں کے شوق میں ابھرا اتحاد اگر اُس کی خطا تھی، وہ ابھرا انہیں کا تھا

خضر کچھ ہو جسے، غول بیابانی ہے غلط امید کے جنگل میں تھکا مارے گا

جانبِ ستانی میں نہ چھوڑے گا دقیقہ باقی دستانی کس لئے لاف و فامارے گا

کفر ہے معنی میں تیرے، لفظ ہے اسلام کا نفس نے اک حیلہ پایا ہے خدا کے نام کا

کہتے ہیں مغلوب ہے، اکبر خیال خود سے کہہ دو یہ بہتر ہے جھوٹے بلکٹوں کے چور سے

راہِ وحشت سے اگر قیس سے لغزش ہو جائے حیف یلٰی پہ جو آمادہ کاوش ہو جائے

وہ دست دراز یوں سے کب میں تائب ہے حافظ دیں یہ شمعِ فکر مائب

رضعت ہو جو علم دیں تو پھر دیں بھی جائے گل ہو جو چراغ، ابھی ہو چڑی غائب

عفو کن یا رب اگر تقویٰ نہ مانڈ رہتا دل پہ پلو بہت و کارم باشباب افتادہ است

چراغِ دیر بھی دیکش، حرم کی شمع بھی درست اسی سے چشمِ بصیرت نے کہہ دیا، ہمہ اوست

میں تو بن دانا میں مرے سہم بہت نیسے یہ خیال جس میں ہے وہ ہم بہت

قوی مجلس میں اب سخنِ فہم میں کم دربار میں گو کہ میں گزشت فہم بہت

دیکھ کاری گئی حضرت سید لے شیخ دے گئے لوح وہ مذہب میں کمانی کی طرح

بحرِ رستی کا یہی دور چلا جاتا ہے برف کی طرح جھے، بہر گئے پانی کی طرح

بھروسہ اُن پہ کر کے مجھ کو بچتا نا پڑا آخر بڑا دعویٰ کیا تھا میں نے، شرمانا پڑا آخر

دلوے اٹھتے ہیں دل میں، دیکھ کر اُن کا ہال حوصلہ ہوتے ہیں پست ان کی نظر کو دیکھ کر

مقابلِ کفر کے تھی وہ نمود اسلام کی اکبر مگر اب انقلابِ دہر سے باقی کہاں کا فر

نصاری قبلہ تصود ہیں، ہندو "براد" ہیں زمین شعری میں رہ گئی زلفِ تباں کا فر

زن، زمیں، زر تو ہے فساد کا گھر لیکن اتنا کون گا اسے اکبر

زنِ مسکوحہ و شریف و غریب کیا عجیب ہے کہے جو ان نصیب

ہو جو بس آمد زر تنخواہ تو نہیں حاجت وکیل و گواہ

ہو جو تھوڑی سی باخ ہی کی زین تر کلکٹر کا ڈر زیادہ نہیں

شرابِ لبت مست ہیں وہ مئےِ ندامت ہیں خوش نہیں کچھ باقی تعلق، وہ اپنے گھر خوش ہوا ہے خوش

سخن شناس سے میں چاہتا ہوں دادِ سخنی خوشی کے واسطے کافی ہے مجھ کو واہ فقط

سوسائٹی نہیں ملتی کہ جس سے دل بھلے جو کوئی مونس و مہدم ہے اب، تو واہ فقط

شرف ہے جب پیر سڑی سے جن کو یہاں مقدسوں ہی کی وہ دیکھتے ہیں راہِ نقط  
بیاض شعر سے مطلب نہیں کھڑکوں کو رجسٹروں ہی کو کرتے ہیں وہ سیاہ نقط

پتا میرا یہی ہے منزل ہستی میں لے اکبر مرید حضرت دل ہوں، مقیم حنائی ہوں

بصارت نے کی کی انخطاط عمر میں اکبر بصیرت ہے تو آنکھیں مجھ سے آنکھیں جراتی ہیں  
مرے ساز سخن سے ہست فطرت کو شخص ہے پیا تو بے سدا سمجھا گیا بزمِ شغالیہ میں

جرات مناسب ہے، وہ حاصل نہیں کرتے جو اپنی گمراہی میں ہے، اُسے کھو بھی رہے ہیں  
بے علم بھی ہم لوگ ہیں، غفلت بھی ہے طاری افسوس کو اندھے بھی ہیں اور سو بھی رہے ہیں

چہرہ یورپ کا میں پروا دہوں اُس کی ہر اک بات کا دیوانہ ہوں  
شب میں پیدائش ہوئی ہے پیشِ شمع! جلوہ خورشید سے بیگانہ ہوں

جو حضرت دل ہے، وہ نکلنے کی نہیں جو بات ہے کام کی وہ چلنے کی نہیں  
یہ بھی ہے بہت کو دل سنبھالے بیٹے قوی حالت یہاں سنبھلنے کی نہیں

حواسِ دفعم میں اُبلجھے ہوئے ہیں براتِ دسمم میں اُبلجھے ہوئے ہیں  
خدا تک ہے رسی سخت شوار سب اپنے دم میں اُبلجھے ہوئے ہیں

۶۱۸۷۵

دینی پہلو کو اے برادر دیکھو کانٹوں سے جو محترز، ٹکڑی ترکو دیکھو  
نظم اکبر ہوئی ہے منقوشِ قلوب آنکھیں ہوں اگر، خدا کا دفتر دیکھو

قرآن سے واقف ہیں نہ انجیل کے پیرو باایں ہمد، ہے شوقِ ترقی میں نگ ددو

ادب کے ہیں یہ دن، اولوالعزم نہ ہو ہوئی ہے شکستِ امانلِ نرم نہ ہو  
مدنی محفل کی اب نہیں ہے تجھے گشتے ہی میں بیٹھ، عازمِ بزم نہ ہو

خدا رکھے سلامت اُس نظر کو کہ جس نے سیم کو چھوڑا نہ ذکر

مرثیہ کیا، دیکھے حضرت معنی نہ سہی، موت تو وہ ہو گھر چھوٹے کیسے بنگلے میں ملت نہ سہی نیت تو وہ ہو  
اس نقش کی کروغادہ پڑی، تقدیر ہے گی پھر زبیری راس آئے گی تم کو بادہِ غری، قبس تو وہاں ہوجیت تو وہ ہو

تصدیقِ ادھر شوق، ادھر بالاراہ جھوٹ اس سے زیادہ کرا نہ اس سے زیادہ جھوٹ  
عارض نہ ان کا گل ہے، نہ دل میرا آئینہ رنگین جھوٹ وہ ہے اگر یہ ہے سادہ جھوٹ

جو ابوں میں منحنی نہایت، دبا رہا ہے نکل کا غمزہ حربِ تعریف کرے تو شاید الف کی صورت میں نہ ہو

ملکی ترقیوں میں دوا لے نکالیے پلٹن نہیں تو خیر، رسالے نکالیے  
کافی ہے بہرِ شغل، کیسائے فکرِ رزق اب دل سے مسجد اور شوالے نکالیے

رزقِ نایمِ تاج جب دے دے تجھے انداک کر عبادت میں بسر اور سرور رکھ بالائے خاک  
پاسیِ مسلم کی دیکھی اور ہستِ دہ کی ترنگ اُس میں ہے اکثر رکاکت یہ ہے اکثر خوفناک

بیٹا رہا میں مجھ سے اُس در پہ شام تک افسوس ہے ہوا د میسر سلام تک

دلوں پہ مارتے جاتے ہیں چھاپے شیکسپیر پڑھو گے حضرت سعدی کی بورتاں کب تک  
تمہیں سے اٹھ گیا مروی کی کشم کا پردہ تو پھر بقائے حجابِ دُرخِ زناں کب تک  
اس انقلاب کا اب انقلاب ہے دشوار دہو گے غمتِ صحرِ آسمان کب تک

نہ نہ آؤنٹ ہو نہ ہو بُنداگ نہ تو مٹی ہی ہو، نہ تم ہو آگ  
پال ہے امتِ دال کی اچھی سازِ حکمت کا جوڑ ہے یہ راگ

جس نے دیکھا، ہو گیا عاشق واہ دے صورت، واہ دے خالق

فیضِ کالج سے جوانی رہ گئی بالائے طاق امتحانِ پیش نظر اور عاشقی بالائے طاق  
وہ چرائوں سے ہیں جلتے ایسے ہیں روشن ضمیر کہتے ہیں رکھے پرانی روشنی بالائے طاق

اپنی زباں میں شمع یہ کہتی ہے رازِ دل روشن نفس نہیں، نہ جو جس میں گدازِ دل

کیوں کرنے لگے وہ جھگڑا سے باتیں زوروں پہ ہیں، کہتے ہیں ہوا سے باتیں  
میں سجدہ میں کہ رہا ہوں سبحان اللہ بیوقوف ہیں وہ کریں حسد سے باتیں

یہ کافی ہے مجھ کو اہلِ ایمان باصفا سمجھیں! نہیں پروا، منافق بد کہیں، مرتد بُرا سمجھیں!

رقیبوں نے بہت نظریں پڑھیں اور درِ نشانی کی میں اشک آنکھوں میں بھر لایا، بلافت میں کہتے ہیں

کوئی کتنا نہیں ستیاچ ہوں، نظرت کا ماہر ہوں میں تک غری حد ہے میں ڈپٹی ہوں، میں ناکر ہوں  
میں اپنے نوکروں کو ڈھونڈتا پھرتا ہوں بنگلے میں کوئی ہے لاکھ کیے کون کتا ہے کہ حاضر ہوں

جو مجھ میں کبر و زینت، حقیقی خدا سے غافل ہیں اربابِ بصیرت کے لگے حضرت لایض میں داخل ہیں

مکن نہیں ہم ان کی کوئی بات مال دیں دیں حکم اُتر تو سینہ سے دل نکال دیں

طاعتِ حق پر وہ میلان دل و موم اب کہاں وہ نمازِ مسجد خیر، مومن اب کہاں



سراسر زخمِ تقویٰ سایہ بہشت رواں کرانے یہ کیا اچھا کیا تم نے اگر زکھو کے مس لائے

فرق کیا واعظ و عاشق میں بتائیں تم سے اُس کی محبت میں کئی اُس کی محبت میں کئی

یہی فتوانے پھر ہے کہ ہم بھی ہو رہیں اُن کے زراں کا زور اُن کا، علم اُن کا، سلطنت اُن کی  
ہوئیں کس طرح شہر صدر پر نزل ہے مذہب کا بہت اونچے سردار ہیں رہی ہے اب تو گت اُن کی  
مگر قوی اہل بادور ہی کر دیں گے یہ نزل قوی افعال کر کر دے گی آخر تربیت اُن کی

تھا شوقِ ادائے مطلب اک حُسن کے ساتھ اکبر نے جو فکر کی تو وہ بات بنی  
دیوانہ حق قومِ عشق میں ہادیوں کے پڑی گئی اور عسکرام جنات بنی

جب تک ہم ہیں بے قوی خصلت باقی بے شک پروے کی ہے ضرورت باقی  
چالیس برس کی بات ہے یہ شاید بعد اُس کے رہے گی پھر نہ محبت باقی

زائد کی طبع دیکھ کے اُس بُت کو لگی وہ کیا، تمام ملک میں اک دھوم مچ گئی  
اکبر ہی تھا کہ دین میں دل کو چھپا لیا وہ بھی کہاں بچا، یہ کہو حبان بچ گئی

شیخ و سید سے تو خالی نہیں ذکرِ شاعر ذات سے اُن کی مخاطب نہیں فکرِ شاعر

جسے مجنوں مری ہے عاشقِ ملت، اے دوست کیوں روار کھتا ہے ناحق مری ذلت اے دوست

رہ گئے کم عربی شعر سمجھنے والے چل بے گیسوئے یلی میں اُلجھنے والے

فتوائے کفر دنیا، واعظ کی بے بسی ہے یہ عشقِ بُت نہیں ہے، اکبر کی پاسی ہے

یہ زم ساقی عجب جگہ ہے کہ روحِ نچوڑی ہوئی ہے حواسِ منطق کی عقل گم ہے دلیل حیراں کھڑی ہوئی ہے

خبر دل کی مس دلخواہ جانے خبر ایماں کی حُب جاہ جانے

رہی اب عاقبت کی بحث اکبر سوا اس کا حال تو اللہ جانے

شوقِ شہرت بھی بُرا، زہر کی بڑی چاہ بھی ہے نفرت انگیز نظریں جو کسی جاہ بھی ہے  
ہاں مگر حُسنِ مہتاباں، زہرہ جبین، آفتِ دین اس سے مجبور تو یہ بندہ درگاہ بھی ہے

کمالِ شوق میں صرف اک نظارہ کافی ہے کہ حُسنِ خود ہی ہے عاقل، اشارہ کافی ہے

حُسنِ نورِ سمیع ہر محفل میں ہر شب ہے وہی موسمِ باراں میں لیکن کثرتِ سب پر وادہ ہے

ہر چشمِ غور دیکھو مہبل و پروانہ کی حالت وہ اسپہبیں دیا کرتی ہے اور وہ جانِ تیل ہے

وہ پختہ ہے نفس میں اور اس کا نام روشن ہے ہوا پر خیمہ معسکی کو اکبر تان دیتا ہے

حالتِ پہلی سی اب کہاں میری ہے حیرت انگیز داستانِ میری ہے  
سینہ میرا ہے، دل نہیں ہے میرا میری نہیں بات، گو زباں میری ہے

واعظ کا دل بھی سوزِ محبت سے گرم ہے چپ رہنے پر نہ جاؤ، یہ دنیا کی شرم ہے

اڑائی خود نمائی میں اگر دولت تو کیا اکبر خدا کو مان کر جو دیں، وہی اہلِ کرم اچھے

فیضِ حضرت بہرِ غلط ہوتا ہے دل کو مرے حفظ ہیں فقط ہوتا ہے  
ہر امرِ غلط کی ہوتی ہے یاں تصحیح اور غلط یہ ہے کہ علم غلط ہوتا ہے

میں نے اکبر سا بھی وہی نہیں دیکھا کوئی کتاب ہے ان کی کمرِ مجھ کو نظر آتی ہے

مایوس کر رہا ہے نئی روشنی کا رنگ اُس کا نہ کچھ ادب ہے نہ کچھ اعتبار ہے  
تقدیس ماسٹر کی نہ لیڈر کا فاتح یعنی نہ نورِ دل ہے نہ طبعِ مزار ہے

بُڑھے ہوئے کتاب سے بس دکنار ہے اپنے لیے الف ہی بس اب تقدیر ہے  
اپنی جبین سے چین کے مالک اگر ہو تم میں بھی ہوں شاہِ روس کہ دل میل نہا ہے

زندگی سے اب طبیعت سیر ہے موت کیوں آتی نہیں کیا دیر ہے

کون و مکان ظہورِ جمالِ حضور ہے غافلِ اسیرِ دامنِ فریبِ شعور ہے

یا مٹیشن کے صدقے، چائے دودھ اور کھانڈے یا ایچی ٹیشن کے بدے تو چلا جا ماندے  
یا قناعت اور طاعت میں بسر کر زندگی رزق کی کشتی کو کھے، پتو اڑنے اور ڈانڈے

دنیا کی حرصِ دَاز کا، واعظ شہید ہے گوہر ہو گیا ہے مگر زنِ مرید ہے

جب تک ہے زندہ، آرزو مند رہے جب مر گئے ہم تو قبر میں بند ہے

اب حشر میں خلد و نار کا ہے جھگڑا دیکھیں یہ امید و بیم تا چند رہے

حاصل ہو کچھ معاش، یہ محنت کی بات ہے لیکن سرورِ قلب، یہ قسمت کی بات ہے

آپس کی واہ واہ، بیاقت کی بات ہے سرکار کی قبول، یہ حکمت کی بات ہے

وہ خیرِ رقیب ہے، میں ہوں شہیدِ عشق! یہ اپنی اپنی محبت و غیرت کی بات ہے

جاپان و روس سے نہیں کچھ واسطہ ہیں خرچے کی یاں تو بحث ہے بہت کی بات ہے

بتائے جی یاس ہوں، جے بی بی بھی دلپسند محنت کی ہے وہ بات، یہ قسمت کی بات ہے

تذیبِ مغربی میں ہے جیسے ملکِ معاف اس سے اگر بڑھو تو شرارت کی بات ہے

بچا ناشرِ طولِ اہل سے دل کا مشکل ہے سرورِ بادۂ امیدِ سرورِ آہی جاتا ہے

دنیا سے تعلق رکھنے میں ہرگز نہیں یہ تمہید بڑی کیا خوب کہا ہے اکبر نے احسان اچھا، مید بڑی

تہاں اُس بُت نے اُڑائی، ہمیں بلجا بھوئے ہم تو کیا شیخ بھی توحید کا کلمہ بھوئے  
منیم ہند کر ہم یا دریں، اے اکبر علم نہیں ہے جو عرب میں ہمیں سلما بھوئے

فلسفہ حریف کا ہے دین کا عُدو ہوتا اُس طرف سے کید سخت، اور ترابے بچپن  
صبح و شام صدق سے کر دعا کہ رُبنا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا

جان آچکی ہے لب پر، میں منظر فنا کے اب تک ہے داں تغافل قرباں اس ادا کے

### متعلق طرکی

متضاد گئے جو دو طرف سے دقتار کیا جانے کس کو اُس نے اچھا بھی  
لیکن اس بات کا سمجھنا تو ہے سہل سرکار نے کس کو اُن میں سچا بھی

نفاں کرنے کا بھی پارا نہیں ہے سوا افسوس کے چارہ نہیں ہے

ہم نشیں ظلم تباں پر چُپ نہ رہنا چاہیے بات جب کچھ بن نہ آئے، شر کرنا چاہیے

بدبو مرے گھر میں نہ اے شرابی پھیلا ہے تیرا دہن نجاستوں کا تھیل  
ہر لحظہ طلب شراب کی ہے تجھ کو ہر دم ترے منہ سے نکلتا ہے لے لا

ہوا بدل گئی ہے ایسی کچھ زمانے کی دُعائیں مانگتا ہوں ہوش میں نہ آنے کی

مجنوں کی پیاس کو بھاتی سیلی کچھ باؤلی نہیں تھی

معصم مسلم نے کھوٹا چھوڑ دیا بنے نے ٹھیک توڑنا چھوڑ دیا  
حاکم نے کہا، نہ برواں سے ہرگز ہم نے بھی سب سے بڑا چھوڑ دیا

### بائیس سال عمر کے متفرق اشعار

طے ہوتی بات، نہ قیمت ابھی اس کی ٹھہری دل مراے کے چلے آپ، یہ اچھی ٹھہری

بیچ مذہب کا کسی صاحب نے ڈھیل کر دیا سادہ طبعوں کو بھی بالآخر زنجید کر دیا  
شوق پیدا کر دیا بنگلے کا اور پتلون کا وہ مثل ہے، مفلسی میں آٹا گسیلا کر دیا  
تھا بنارس پہلے ہی سے اے صنم رس میں بھرا چشم بس آئینی نے اور اس کو رسیلا کر دیا

مشاق تو ہستم کہ عزیزی و جیبی! لیکن چہ توں کر دکر حمان رقیبی

مرے نزدیک یہ پنجاب کا بڑا بھی بڑا ساتھ ہی اس کے صل گڈھ کا یہ صوا بھی بڑا  
آپ اظہار وفا کیجیے تمکین کے ساتھ لیٹ جانا بھی بڑا، ناز کا بھلا بھی بڑا

دستِ فلک سے ہند کی خفقت بہت پٹی جو کچھ تھی اُس کی غفلت و دقت، وہ سب جٹی  
اس کی دوا قناعت و نیکی ہے بس فقط ہاں مشغلے کے واسطے ہو یونورستی

جب اپنے ہاتھ میں لی غیرے عنانِ سمنہ تو پھر سوار سے اکسب پیادہ پا اچھا

باقی نہیں رہی وہ دنیا سے گرم جوشی اب میں ہوں اور عزالت اور عالمِ غوثی  
اپنے ہی دل کے ہاتھ اب میں بک گیا ہوں اکبر سر میں نہیں رہا وہ سودائے خود فروشی  
حسبِ فرمائش عالی جناب خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب مذاق

سرکش نہ اتحاد ہم سے چھوٹا آپس ہی کی خانہ جنگیوں نے ٹوٹا  
قرآن کے اثر کو روک دینے کے لیے ہم لوگوں پہ راویوں کا شکر ٹوٹا

کچھ اپنا سوچا نہ کام آیا، وہی ہوا جو خزانے چاہا عجیب تسلیم و مبرک ہو، اگر نہ پیدا ہو دل میں اب بھی  
خدا سے بیگانہ تھی طبیعت، دلی ارادوں تھا بھڑسا سربمیتیں فسخ ہو گئیں جب عرفیت پائی، بکثرت رتی

یہ قومی ترقی بھی ہے ہریوں کا فساد کاؤں سے شناسب، مگر آنکھوں سے نہ دیکھا

تاخیر ہوائے بارغ ہستی نہ گئی صورت کی ادا، نظری مستی نہ گئی  
ہوتے ہی رہے جمال و دلکش پیدا طبع انساں سے بت پرستی نہ گئی

اٹھانا پڑتا تھا دن رات بارِ اُلفتِ ثوباں جوانی کیا تھی، نیچر نے مجھے بیکار پکڑا تھا

نہ گئی دل سے مرے حسن پرستی نہ گئی بجھ گیا خونِ گمر رُوح کی مستی نہ گئی

اب ان قصوں کا کیا حاصل اب ال باتوں کا کیا رُٹا یہی مرضی خدا کی تھی، یہی قسمت میں تھا ہونا  
کہاں کی دولت و ثروت، کہاں کی عزت و حشمت میسر ہیں مجھے دور و ثیاں، بس کھر کا لے کونا

شاخ میں پھل کا ٹکا رہنا ہے خامی کی دلیل عقلِ پختہ جو کے میرے سر سے زائل ہو گئی

ہسٹنگامہ ترقی قومی کو دیکھ کر ادراکِ حال کے لیے میں ہو گیا کھڑا

ہونی جو عمر اُن کی مجھ سے نیچے کہ پند و ہن، ایک باقی عجب نیچے کہ اقتضائے جور کے نیت کو نیک باقی

کوئی ہوا نہ مجھ سے مخاطب وہاں مگر چپکے سے میرے کان میں اک غیر نے کہا

اکثر وہی بزرگ ہیں جو میں پیسے ہوئے باہوش کم میں اُن کے بھی منہ میں یہی سے ہوئے

موت کو دیکھا تو دنیا سے طبیعت پھر گئی اٹھ گیا دل دہر سے، دولتِ نظر سے گر گئی

لے یعنی مسز اینی بسنٹ صاحبہ

لے عمداً ہما کے ساتھ قافیہ طایا گیا ہے۔



ہرگز کوئی کہے گا نہ اس انجن کارڈ کیوں اپنے آپ کو بے پریشاں کہے ہے

خوابش ابروؤں نہ شد و اعظم اسلام را حاجت مشاطہ نیست روستے دل آرام را

پہلے تھا قوم میں سب کچھ، مگر اب کچھ نہ رہا کسی شاعر نے ہے واللہ یہ کیا خوب کہا  
شیخ کے پاس ہے اب صرف مصطفیٰ باقی اور مرے پاس ہے اُردو کے معنی باقی

جو پاس بھی ہو، حدیث تو نفس میں کچھ نہیں نصیحت اگر ہو طائیکال کے تم تو چھوڑ دو امتحان ایس

پیری سے مکرّم ہے وہ فرماتے ہیں تن حب قابو میں نہیں ہاتھ تو کیا ہونے کے پنج

معافی مستراں کا جو کچھ مزا ہر حوالہ یضّر و کفر الا اذی

دست ہے در علم میں، ہے راو عمل جسد ہے صاف سزا پاؤں پر سیکن ہے شکنج

نہ حرف شکوہ بہتر ہے، نہ اچھا اشک کا بہنا ہمارے دل بھی ہیں، رنج سہنا اور چپ رہنا  
خدا کے واسطے اکبر کوئی ذکر اور ہی چھوڑ

کیا کہوں اس کو میں بدبختی نیستی کے سوا اس کو اتنا نہیں اب کچھ ایشیشتی کے سوا

کالج میں کسی نے کل یہ نعمت گایا قوی خصلت کا سر سے اٹھاسایا  
کہتے تھے دل کو لوگ ستر لایہ ستر لایا ستر کا اب وقت آیا

اس قدر تھا کھلموں کا چار پائی میں ہجوم وصل کا دل سے مرے، ان مان رخصت ہو گیا  
لات دینا نے جواری، بن گیا دیندار وہ تھی بڑی عموگرہ شیطاں رخصت ہو گیا

بڑھا پاتا ہوں بنگالی کا درجہ ہر طرف صاحب زمانے میں نیا یہ دور ہے مابہی مراتب کا

مری تقدیر کا اُس مس پر کچھ قابو نہیں چلتا جہاں بندوق چلتی بنے وہاں جادو نہیں چلتا

تیروں نے تم کے، قلب کو کم بخت کر دیا سوز دروں نے سبب کو دم بخت کر دیا

کمر باندھی بھی یاروں نے جو راہ حُب تو می میں وہ بوسے تو میں چلتا وہ بوسے تو میں چلتا

طغیٰ دل جو طعسم رنگ کالج ہو گیا ذہن کو تپ آگئی، مذہب کو فالج ہو گیا

کما پیر طریقت نے اکڑ کر اپنی ٹٹم پر یہی منزل ہے جس میں شیخ کا ٹو نہیں چلتا

سعادت ریح کس بات میں ہے آپ کیا جانیں کالج میں کوئی اس بات کا اہر نہیں ہوتا

دس تھا یکساں مگر وہ تو کسی ہی رہے تجھ پر مذہب کے عوض شیطان کا قابو ہو گیا

واہ اے سید پاکیزہ گھر کیا کہنا یہ دماغ اور یہ حکیمانہ نظر کیا کہنا  
قوم کے علق میں یہ سوزِ حب گھر کیا کہنا ایک ہی دھن میں ہوئی عمر بسر کیا کہنا

ہر دم اُن کا شہید لغزش مستاد تھا سہی تھا سید کے قراں، زیر پاے خانہ تھا

قوم کا ادب ہو منظور، خدا خواہ نہ ہو غیر ممکن ہے کہ دنیا میں تری واہ نہ ہو

تجھے انگلش سے جب حق نہیں ہے گرم، خوشی کا اد کرتا ہوں میں یہ حق فقط پستلوں ہوتی کا

قوم کی تاریخ سے جو بے خبر ہو جائے گا رفتہ رفتہ اُدیت کھوکھو کے فر ہو جائے گا

چھوڑ کر رنج اپنے رشتے کا منتظر ہوں اب اُن کے پٹنے کا

جائے جو نگاہ کو وہی رنگ اچھا لائے جو راہ پر، وہی دھنگ اچھا  
ستران و نماز سے اگر دل نہ ہو گرم ہنگامہ رقص و مطرب و چنگ اچھا

سر سید کو فلک نے تنے نہ دیا تہذیب کو پھر دوبارہ بننے نہ دیا  
بخت کی شکست میں مدد دی کامل بننے لگی قوم جب تو بننے نہ دیا

میرت منصوبے ترقی کے ہوئے سب پائمال بیج مغرب نے جو برباد وہ آگ اور پھل گیا  
بوٹ ڈاسن نے بنایا، میں نے اک مضمون کھا ملک میں مضمون نہ پھیلا اور جو تاجل گیا

گھر میں ہیں چرخ نے شبنم نہ دیا باہر کی طرف چلے تو چلنے نہ دیا  
کالج نے بٹھا دیا جو مانند شمشیر کچھ پھول چلے تھے اس نے پھلنے نہ دیا

ساختہ اُن کے مرا شیخ چل ہی نہیں سکتا بندر کی طرح اونٹ اچھل ہی نہیں سکتا

کچھ بھی نہیں جانتے وہ چندے کے سوا اس باغ میں کیا دھرا ہے چندے کے سوا

پوچھا کہ شغل کیا ہے، کہنے لگے گرو جی بس رام رام جپنا، چیلوں کا مال اپنا

گھپیں ہے ہراک، نہیں ہے مہبل کوئی اس نختے کو کون سمجھے بندے کے سوا

کیا شور و فغاں نے میری اُس کو مضحل کتنا بہت شوخی شرارت تھی مگر عورت کا دل کتنا

اُج ہے یہ ریشیوں کی، ترانہ ہے نہ جملے کا نہ یہ پودا ہے گلشن کا، نہ یہ بوٹا ہے گلے کا  
نہ NATION ۷ IMITATION ۷ نقل، تلہ یعنی ریشیوں کے۔

ہمارے حضرت شیخ مہذب کی ذہانت ہے خدا اس میں چمکے یہ بھی ایک قرہ چمکے کا

دل چھوڑ کر زبان کے پسلو پہ اڑے ہم لوگ سٹ مری سے بہت دود جاڑے

معنی کے ساتھ ہو تو مزہ ہے زبان کا انجم نہ ہوں تو نطف نہیں آسمان کا

ہے صاف عیاں حرم سرا کا مطلب بیگانوں کے واسطے ہے ایک مہذب ادب  
مکن ہو اگر تو اس کو قائم رکھو عزت کے نشان اور کوشش کے سب

پنڈت نے خوب بات کی جو شش طبع میں ناحی گزشتہ حمد ہوں طعنہ زن ہیں آپ  
پتھر کے بدلے اب تو دھرم ٹوٹنے لگا محمودیت خنک تھا، بزمین شکن ہیں آپ

محتاج در وکیل و مختار ہیں آپ سارے عملوں کے ناز بردار ہیں آپ  
آوارہ و منتشر ہیں مانند غبار معلوم ہوا مجھے زمیندار ہیں آپ

جاتی رہی و غلط مذہبی کی قوت ہر سر میں سمائی خود سری کی قوت  
اطفال کو ناز ہے، مگر قومی آنکھ روتی ہے کہ ہے یہ خود کشی کی قوت

حاضر ہوا میں خدمت سید میں ایک رات انسو س ہے کہ ہود کی کچھ زیادہ بات  
بولے کہ تجھ کو دین کی اصلاح فرض ہے میں چل دیا یہ کہہ کے آداب عرض ہے

مصال آئے تو اس کو گھیرو نہ بہت اس کی راہوں سے اس کو پھیرو نہ بہت  
مجلس ہوئی ختم اب میں گھر جاتا ہوں بجائے میرا جتہ دے، رو نہ بہت

عینک آنکھوں پہ، ہند میں مصنوعی دانت نیچہ نے ٹسکا کے کر دیا جم کو نانت  
اب تک ہے مگر وہی ہو کس حضرت کی ہے طول اہل ہند شیطان کی نانت

عزیزوں کی اعانت گم، بزرگوں کا ادب نصحت بادل بادل تو سب بدلا، خدا نصحت تو سب نصحت

ڈیلی گیٹوں نے جو شے میں ہم کی ہے صلاح بعد عمدہ کھانے کے ایسی ڈکاریں ہیں مباح  
سفر میں بھی ہو کیسٹی اور پراڈنشل بھی ہو حاجی پہلک بھی ہو، راج جانب کو نسل بھی ہو  
بابروں کی طرح لیکن غل سے کچھ مطلب نہ ہو کر دیں بس توضیح، جزد و کل سے کچھ مطلب ہو  
دلوے ایسے نہیں محتاج کچھ تصریح کے کیوں دہو، دلنے تو ہیں ٹوٹی ہوئی تسبیح کے  
گندھ کے اب تو می گئے کا ہار ہو جائیں گے یہ پامی کے طرہ دستار ہو جائیں گے یہ  
بحث ملکی میں تو پڑنا ہے زری دیوانگی پامی ان کی رہے قائم، ہماری دل لگی  
ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو استفادہ راہ سے تم فقط پتے بنا سکتے ہو، جان اللہ سے

طفل مکتب کہ سخن باز زبان می گوید شکوہ کم کن کاتیں گلت و چٹاں می گوید  
لے ہیں ٹوٹنے لگے۔

طبع انور زکراف است و مروغی سبقتش اُن چہ ستند برو، نقش ہماں می گوید

یہ بات غلط کہ ملک اسلام ہے ہند یہ جھوٹ کہ ملک پچھن ورام ہے ہند  
ہم سب ہیں مطیع و خیر خواہ انگلش یورپ کے لیے بس ایک گودام ہے ہند

گنیم ایران را سر جنگ نہ ماند اُن مری و اُن ہما و اُن رنگ نہ ماند  
آغا خندید و گفت رہنمے درگراست کامروز برائے سا غم بنگ نہ ماند

فکر چہم و گوش کرتا ہوں مگر یارب یہ کیا آنکھ بٹنگے کے حواسے، کان چھتر کے پرد

انسو ہے ہد گماں کی آزادی پر خالق کبھی خوش نہ ہوگا بربادی پر  
طاغون سے کیوں ہے اتنی وحشت اکبر یہ تو اک ٹکس ہے اس آبادی پر

پشت بیٹھے اپنی بدعتی لے کر بنیا بیٹھا ہے موٹھ موٹھ لے کر  
سودا اس کبے جو سد عار اللہ دولت و جنس مگر میں جو تھی لے کر

یہ وقت شکست قوم کا ہے بخدا کرتا ہوں میں تجھ کو اس کی تنبیہ اکبر  
ایسی مسجد ہو جس پہ اطلاق ضرار قرآن کو مان لا تقم ذیہ اکبر

کو نہ تعمیر گھر کی اکبر حدود میونسپل کے اندر یہ اہل کاران بدذات نہیں گے چوڑا ہنر کے اندر

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا نہ منہ دیکھا کئی عمر ہوٹلوں میں، مرے اسپتال جا کر

میں رحمت ہوں، وہ شاہانہ دیر ی ہے کہاں مجھ کو کیوں رشک آئے وضع قبت انگیزہ پر  
کانتے بچھ جاتے ہیں اُن لوگوں کی راہ و ذوق میں خوف آتا ہے پھری چلتی ہے اُن کی میز پر

### معتا

مکن نہیں مسجود مرا اُن کے زانو پر بالفعل ہے مقام عدالت جہان پر

کیا اس کی خوشی کو تم کو ہے عقل کثیر ہم کو تو اسی سے کہ دیا تم نے فقیر  
ہرگز یہ نہیں ہے حسن قافلہ حسدا کہتے ہیں حضور اس کو حسن تدبیر

تندیبہ فو کے رنگ پہ جبل بنے ہیں سب واللہ کیا ہمارے اس سبز باغ پر

شیخ ملتے ہی رہیں گے تجھ سے بہرا خلد دین خود تجھ کو نہ چھوڑے گا جو گود نیا نہ چھوڑ

جس طرح ہے تجھ اہم جسم کی تمیز دیکھے گا در و جاں کو بھی اک دن تلوے عزیز



تاریخ ہم اپنی جانتے ہیں اور آپ کو پہانتے ہیں کب آپ کی باتیں ملتے ہیں کچھ فہم تو ہے گزند نہیں  
اے مجاہد ابو صامت کھینچنے کا نہیں ہے کوئی نکل گوشہ حلال الدین میں ہو، مسکن تو تھا راضی نہیں

ہرگز نہیں ہم کو سلطنت کا افسوس ہے ابتری معاشرت کا افسوس  
انگریزوں پہ ہے بہت کم الزام اس کا ہے اپنے ہی بیل معصیت کا افسوس

مشاقی لغت ہوں اور یہ حاضر ہوں میں دق منظور نہیں کہ بار خاطر ہوں میں  
حضرت کو جو فرصت ملاقات نہ ہو بوسے پر آستان کے شاہکار ہوں میں

سیاہ کرنا دول کا اسے ہے کیا مشکل تمہارا علم لگا تا ہے آفتاب میں داغ

ہوائے طوفانی ہے اب سرمی زنجیر کو شب اب نظر میں ہوں اگر ہے تو بس یہی ہے کہ ہم بھی چھپ جائیں پانی میں

یار نے پوچھا کہ ہر جاتا ہے تو عرض کی میں نے ہلاکت کی طرف  
پوچھا اس جانب یہ جاتا ہے کون میں نے دیکھا اس کی صورت کی طرف

دھپپ ہوائیں سوئے گلشن پہنچیں زنجیریں شعلے سے تاب دامن پہنچیں  
دنگا باقی سے راجہ جی جب روتے صدقے ہوئے کوئی نصیب پہنچیں

بن گئی ہے خطر راہ دوستاں کیدِ عزلیت ہے نماز گزیر زناہد سے خوش گیتِ نجیف  
ہم کو یہ سجدہ ملایا چاہتا ہے خاک میں کون کچھ شاعروں کے یہ اشاراتِ لطیف

جھنجھلا کے بونے لہن سے بولتا اندھیرے میں اندھیرا اس طبع کا تو دیکھا کہیں نہیں

ہم کو نہیں اُن کے عیش و راحت پر رشک بے غیرت و کدو دن اس پہ برساتے ہیں اشک  
کافی ہے ہمیں عبادتِ حق کے لیے ایک اونٹنی، ایک پال، پانی اک مشک

داخل میری دانست میں یہ کام ہے کُن میں پنچائے گا وقتِ شمس ملک کی کُن میں  
تحریک سودیشی پہ مجھے وجد ہے کسبہ کیا خوب یہ نغمہ ہے پھر ادیس کی دُھن میں

کونسل میں شریک ہو گا کل ملک اب تھیکش کا ہاندھ دے گا کل ملک  
یاد ب کل سلطنت سے تیسری توفی الملک اور شہزاد الملک  
اوجھاسختی ہے کیا گورنمنٹ کیوں کرتا ہے اتنا شور و غل ملک!  
گائیں ناحق جھڑک رہی ہیں ویرہن نہ کریں گے جان بیل ملک  
ہوتی ہے روش جس سلطنت کی جاتا ہے اُسی طرف کو ڈھل ملک  
زندہ جس سے ہے بزم قوی وہ کون ہے، صرف محسن الملک  
چنے کی طسرح سمٹ کے ابھرو اُس وقت بکھلے گا شہل گل ملک

غایت مجھ پہ فرماتے ہیں شیخ و برہن دونوں موافق اپنے اپنے ہاتھ ہیں میرا چلن دونوں  
ترانے میرے ہم آہنگ دیرو کعبہ میں یکساں زباں پر میری موزوں ہوتی ہے حمد اور بچن دونوں  
مجھے الفت ہے سنی سے بھی شیعہ سے بھی یاری ہے اکھاڑے میں دکھا سکتے ہیں دیکش ہائیں دونوں  
مجھے بول بھی خوش آتا ہے اور خاکر دوارا بھی تبرک ہے مگرے نزدیک پرستاد اور دشمن دونوں

ایک سید کیا کریں یا بیٹھ کر دس کیا کریں حضرت حالی کے اشعار مسدس کیا کریں  
کے قریب ہے، میرا ہی آپ کی درگاہ ہے ہم عزیز و ناتوان و زار و یکس کیا کریں

اکبر اس اندیشہ میں رہتا ہے غرق کافر و میثو میں ہے تھوڑا ہی فرق  
کافری کا ہے صلاح ایمان سے نیثویت تو ہے پٹی جان سے

دشمنی سر میں، گداؤ غم دلی بالوسس میں خیمے سال ہم جل رہے ہیں مغربی نافوس میں  
دوکانا نندہ بیٹھ میں، تو فرماتے ہیں وہ آج کل برکت بڑی ہے خرقہ دساوس میں

بنام خیالاتِ پاٹ آئیں زبانون پر بکٹ کی پاٹ آئیں

گو بول کے زور سے کہتے ہیں وہ دنیا کو ختم اس سے بہتر اس غذا کے واسطے چورن نہیں

اس قوم کو یک دلی کی رغبت ہی نہیں جو ایک کرے، اُدھر طبیعت ہی نہیں  
کسبہ کرتا ہے سیل رکھو باہم وہ کہتے ہیں میل کی ضرورت ہی نہیں

ہم نیک خصال ہیں، یہ تسلیم نہیں دنیا میں اس روش کی تکریم نہیں  
لیکن یہ ہیں طریق و عاداتِ جسم دالند کہ یہ عرب کی تعلیم نہیں

کیسا اسلام، ان میں غیرت ہی نہیں ایماں کہاں کہ جب بصیرت ہی نہیں  
طرزِ تسلیم پر ہے لیکن الزام وہ مسلم نہیں تو وہ طبیعت ہی نہیں

چو مشر نہ باسند ترا میماں چو پرغیر خود دن، چو برودے خواں

واں شوکت و ذہنیت کے جو اسباب بہت ہیں معنی کے یہاں گو ہر نایاب بہت ہیں  
صاحب کی سی محفل تو میسر نہیں لیکن صد شکر کہ اکبر کے بھی احباب بہت ہیں

مندی نے گھر کیا ہے دلی شیخ و برہن سید کا جانشین ہے وہ آج ہند میں

توق پاتے ہیں لڑکے ہائے نور دیں کھو کر یہ کیا اندھیرے بکھڑے ہیں، یہ تب چکے ہیں

یہ بوسے دوس کے پیرد اور گیا دین دھرم دنیا سے اٹھا اور گیا دین

دنیا میں ضرورت زور کی ہے اور آپ میں مطلق زور نہیں یہ صورت حال ہی نام تو اس کی جائز گور نہیں

پانیر کے صفحہ اول میں جس کا ذکر ہو میں ملی سمجھوں، جو اس کو عاقبت کی فکر ہو

### شمسہ بختدار علم

افسوس ہے کہ مرگئے بکثرت اب نسیم کوئی اس درجہ جس میں مسلم ہو، اس درجہ علم ہو  
شکل پہ جان دی تو تعجب ہے اس میں کیا لازم تھی وہ جبکہ جو بہت اہم علم ہو

زندگی اور قیامت میں ریشہ سمجھو اس کو کالج اور اس سے کانوینشن سمجھو  
جو جنہیں مقدرت و طرح و نفاذ و قانون میں اتنی کو صف اقام میں پیش کش سمجھو  
آہ و فریاد سے قابو میں نہ آئے گا وہ یاد پیش قلب کہ جنگال ایچی پیش کش سمجھو

دیں دار جو، درست دیں ہو کہ نہ ہو قدر اس کی زمانے میں کہیں ہو کہ نہ ہو  
مذہب پسند ہو، یہ ہے شیخ کا قول کہ وہ کہ یقین ہے، بے یقین ہو کہ نہ ہو

افسوس اُن پر خاک نے پایا قابو مطلق نہیں ان میں، رنگ و بھونڈ و یا  
شیخی کو چھوڑ مسیحا نہ اسے پہلے بننے جاتے ہیں اب یہ مسلم باجو

لطف سخن تو ہے یہی، دُشمن بھی ہو تو بھی ہو زمین کا وصف ہے یہی اور بھٹائی بھی ہو

مُرشد نئی روشنی کا ہے قابلِ قدر تزیین بھی خوشا ہے تزیین کے ساتھ  
طالب جمعہ کا لیکن اُس سے ہے نقد اتوار بگا ہوا ہے اسی پیر کے ساتھ

عقل مستبد بود ادا اوار حکمت یافتہ زور بافندیش، قُدر را پنجا ہر یافتہ  
مشکلے در پیش ہست اُورا اگر گویم نبی ز انبیا ہر گز کے گذشت نہیں یافتہ

پردہ اٹھ جانے سے اخلاقی ترقی قوم کی! جو جگت میں، یقیناً عقل سے فارغ ہیں وہ  
سُن چکا ہوں میں کہ کچھ بڑھے بھی ہیں اس میں شیک یہ اگت ہے تو بہ شک پر تاباں ہیں وہ

اکبر کو ہے اُلفتِ بستانِ گمراہ کرتا ہے انہیں کے وصف میں نامِ سیاہ  
احباب نہیں جو اس سے ایسے اشعار ترویج کریں، انہیں کہ سبحان اللہ

لے لے کے قلم کے لوگ بھلے نکلے ہر طرف سے بیسیوں رسالے نکلے  
افسوس کہ عقلی نے چھاپہ مارا آخر اجاب کے دوہارے نکلے

سچ ہے کہ انہوں نے ملک لے رکھا ہے ہم لوگوں سے کپ کو پسے رکھا ہے

۱۔ سابق پرنسپل علی گڑھ کالج ۲۔ RELATION بمعنی رشتہ

۳۔ CONVOCATION بمعنی اجتماع

۴۔ AGITATION بمعنی پریشانی

۵۔ WITTY طریف ۶۔ ORIGINITY بخت

لوگوں کو سکھاتے ہیں میاں اپنی زباں مطلب یہ ہے کہ سمجھے ان کے فرماں  
مقصود نہیں میاں کی سی عقل و تمیز اس نکتہ کو کیا نہ سمجھیں، جو ہیں نادان

بہریت چیت از دیں گم شدن نے قیص و کوٹ و پتلون و بین

بھوک نہ اندھوں کے پاس کھانا، اُس کے پاس اتنی دولت ہے کہ کھنے کی جگہ ملتی نہیں

ناصح نے کہا کہ حسد مذہب چھوڑو ورد سائنس پس ڈلے گا تمہیں  
مذہب نے کہا کہ بھوک چھوڑو گے تو وہ کیا گود میں اک طرف بٹھالے گا تمہیں!

پورا سائنس قلم کو آنے کا نہیں کچھ آیا تو پیشوا بنانے کا نہیں  
وہ کمپنیاں ہیں، یہ ہے کسے کی دکان بے ختم ہوئے یہ دور جانے کا نہیں

سوچا نہیں خود غرض کو آئینِ صواب جتنا چھوڑو گے ہم کو تم ہو گے غراب  
واللہ یہی متعجب ہو گا پسیدا دنیا میں حقارت اور جھٹی میں عذاب

اب قوم میں زندگی کے آثار نہیں جو اہل نظر ہیں، اس سے شرمندہ ہیں  
سلام کی ہے یہ صرف جیسی نفسی اعضا کالج کے کچھ اگر زندہ ہیں

حدیں قوموں کی قسمت کی کیا کرتا ہے یہ قائم زمانہ دیکھ کر چلیے طسریں زندگانی میں  
محبت کس طرح اس قوم میں باجم رہے قائم زبانی صرف غیبت، دل میں ڈبے بگانی میں

میں نے کہا کہ اپنا بھی مجھے سلام بولادہ بُت یہ ہنس کے، فرنگی نہیں ہوں میں

ہندو و مسلم ایک ہیں دونوں یعنی یہ دونوں ایشیائی ہیں  
ہم وطن، ہم زبان و ہم قسمت کیوں نہ کہہ دوں کہ بھائی بھائی ہیں

پڑھتے نہیں نماز یہ خود رائے کیا کروں قوم نہیں تو قوم نہیں، ہائے کیا کروں

باپ سے ماگوئے عشرت نہ چلتے مانگو سچی بازو پہ کر دیکھ، حسد اسے مانگو  
سُنن تدبیر بڑی چیز ہے اس دنیا میں مذہب اس کام میں قلم عقل رسالے مانگو

دل سے دھرم اٹھا ہے تو اب ذات بھی تڑپے ویراں ہوئی کلیتی تر عمارت بھی تڑپے  
برباد کرد خوب منوجی کے چمن کو باقی نہ رہے پھول تو اب پات بگاڑو

یا کس کے کمر پئے خوشامد باندھو یا بھڑے میں گھس کے بیٹھو، تھو باندھو  
کیا فائدہ ہے قرینگی سے اسے شیخ بستر ہے یہی کہ اپنی اک حد باندھو

۱۔ سید محشر حسین



لیکن ہے ادا سے شکر ہم پر لازم کھانے بھر کو ہیں بھی مے دکھ ہے

پوچھتے کیا ہو مسلمانوں کا حال! ہتھیار سب اُن کے ہو گئے  
معتصم کب ہیں یہ جبل اللہ سے دیکھو وجہ اُرد سے تنگے ہو گئے

غضب ہے وہ خدی بڑے ہو گئے میں لیٹا تو اُٹھ کر کھڑے ہو گئے  
نہیں اُن کو کچھ شرم لا حول قوم یہ تلخ درد تو چکنے کھڑے ہو گئے

ہر ایک کو ایک دن اجل آتی ہے دنیا گوراں ہے، یہی ہے، غانی ہے  
لیکن مرنا جو عالم وجد میں ہو گویا کہ شمع چراغِ نورِ یزدانی ہے

تم کہتے ہی عروج ادا ہی رہتے تم پر دل و جاں سے ہم فدا ہی رہتے  
مذکور تم آئے، بڑھ گئی لذت طبع لیکن جو دہستے تب بھی بھائی رہتے

مسلمانوں نے کالج کی بڑی کیا راہ پکڑی ہے! وہی تو اُن ٹھکانے، وہی اندھے کی گڑی ہے

دگئی دل سے مرے سُن پرستی نہ گئی بھڑ گیا خونِ مگر روح کی مستی نہ گئی

مجھ کو کچھ حیرت نہ ہوئی تم کو ہو جائے گا غر کہ دو اُن بدست گئے کہ کہہ نہ سکتے  
مغنی تہذیب میں کس کو میں سمجھوں مستند اس تماشا گاہ میں جو ہے وہ عاجز زادہ ہے

اسیر دامِ کُلفِ پاسی مدت سے بند ہے فصاحتِ نذرِ کھیر ہے، ریاستِ نذرِ خیر ہے

اُن کی سب باتوں کو اکبر سیکھ لے خود وہ فرمائیں گے پھر آ بھیکے

جو لوگ طرزِ فدا علی گڑھ کے رہیں گے اس دور میں بے شک وہی بڑھ چڑھ کے رہیں گے  
مغس رہیں، انگام رہیں غیب ہو کچھ ہو کالج کے یہ سب علم تو ہم پڑھ کے رہیں گے

دادِ قرآن کی دودھ بھائی عمل اُس پر کرو پیشیں ددِ گاہِ خدا، واہ کی حاجت کیلئے

ظاہر میں اگرچہ رازِ سرستہ ہے مضمون لطیف و خوب بر جستہ ہے  
پردہ انہیں پھول کا حسی گڑھ کالج گلدان میں مسلوں کا گلدستہ ہے

سرحد پہ باغیوں کو سیکھ ماریں گے گردن اُردو کی رٹم رکھ ماریں گے  
قائم رہے البشیر کا یہ پرچہ ہم بھی مضمون کوئی لکھ ماریں گے

کونسل سے ہر طرح کا فتان ادا ہے مطبع سے ہر طرح کا مضمون ادا ہے

وہ دوسرے مصرعے کے تالیف کے لئے طبع آزمائی ہوئی تھی۔

لیکن پڑھوں میں کیونکر آنکھوں کی یہ ہے حالت اٹک آ رہے تھے پہلے، اب خون آ رہا ہے

باغوں میں تو بہارِ درختوں کی دیکھ لی کالج میں اُن کے کانو دیکشن کو دیکھے  
یہوئے کاغذی تو بہت دیکھے آپ نے اب کاغذی ترقی تیشن کو دیکھے

اپنے بھائی کے مقابل کرسی تن جائیے غیر کا جب سامنا ہو، بس تلی بن جائیے  
فلسفہ الحاد کا کریجی فوراً استہول دین کی ہو با ست تو ابطال پر ٹھن جائیے  
چندے کی مجلس میں پڑھے رو کے قرآن مجید مذہبی مصنف میں لیکن مشعلِ دشمن جائیے  
شیخ صاحب ہے ہی قومی ترقی کی شناخت روٹھنے سے کچھ نہیں ہے فائدہ، من جائیے

پڑا ہے قوط، بشر مر رہے ہیں فاقوں سے خوشی ہو گیا مجھے شہرات کے پڑا تو ہے  
بجلی ہوئی ہے طبیعت، یہ روشنی ہے فضول اتار بیچے صاحبِ چسپراخِ طاقتوں سے

دنیا ہی اب درست ہے، قائم نہ دین ہے زر کی طلب میں شیخ بھی کوڑی کا تین ہے

اک دن وہ تھا کہ دب گئے تھے لوگ دین سے اک دن یہ ہے کہ دین دبا ہے مشین سے

گدے مری نگاہ سے یارِ دل کے جگمگے مطلب یہ تھا سرورِ بڑھے اور غم گھٹے  
کھلے بھی خوب لگے، اڑیں گپیں بھی خوب لیکن جواہی کہ بڑھے آپ ہم گھٹے  
ہم تو اسی کو بات سمجھتے ہیں کام کی عشقِ صمد زیادہ ہو، عشقِ صم گھٹے

جس سے جو بن پڑے، وہی کام کرے صاحب بنے، کھائے کھیلے آرام کرے  
لیکن ہے قومی بھائیوں کا ہمدرد ہر حال میں اذعانے اسلام کرے

جر ہے میں نہ مذہب کے، نہ وہ بقتہ دل ہے پر ہے میں اب اخبار کے اور آٹیکل ہے  
اس عہد میں مائل شریعۃ الحاد جو دل ہے اس کی تو گورنمنٹ ہی رسپانسبل ہے  
قی کھیت میں مل جائے تو گورام میں مل جائیں کیا فائدہ عارض پر کسی بُت کے جو تل ہے  
تخواہ کے بل سے ہمیں ہوتی ہے شہرت اور شیخ یہ کہتا ہے کہ یہ سانپ کا بل ہے  
عسقلانی و رومی کی بھلا کون سنے گا محفل میں چھڑا نعندہ اسپنرول ہے

سابق کے طریقوں پر عمل کر نہیں سکتے کل آج نہ تھا، آج کو کل کر نہیں سکتے  
انعام کہیں مشقِ قراہ کا دنگ جائے صوفی بھی بہت کو د اچھل کر نہیں کر سکتے

## کانفرنس

جمعیتِ عالمِ اسلام قوم اچھی ہے ٹھکانے سخن کے باغ بھل جائیں گے  
کتاب ہے یہ معترض کہ ملنا کیسا ہے کچھ اور نہیں تو دل ہی مل جائیں گے

چالیس سال سے ہے نئی روشنی کا نور کیوں کر اسے کہوں کہ سر اسرِ فضول ہے  
البتہ ایک عرض کروں گا دلی زباں اگر خوشنما بہت ہے، اگر بے اصول ہے

|   |   |   |  |
|---|---|---|--|
| ذیابکی ہوا راس جو آئی، بھرک اٹھے            | انکارے ہوئے چلتے ہیں بکول کے کھلے           | نہیہ قید شریعت ہے، از یہ غفلت کا پردہ ہے      | رواج و مصلحت کی بات ہے، حکمت کا پردہ ہے    |
| مکڑ کی ہانڈی جو زبردست نے دھکی              | دل نے کہا ہے پوچھے ہوئے کھول کے کھلے        | تمہیں دھوکے میں ڈالنا ہے مثال اہل یورپ نے     | اُدھر ساری حکومت کا ہے، یاں عزت کا پردہ ہے |
| سیج مری تو ہے عطا کردہ مُرشد                | ان برہمنوں کے پاس تو ہیں سول کے ماے         | کتنے ہیں ترک ملت، انسان کو بات کیا ہے         | تحقیق تو کرد تم، حضرت کی ذات کیا ہے        |
| ترکیب تو دیکھو یہ زمانے کے سپہن کی          | افسوس کہ اس سے کوئی واقف بھی نہیں ہے        | خوب فرمایا یہ شاہِ جسرینی نے پوپ سے           | دعظ ہم بھی کہتے ہیں لیکن وہاں تو پست سے    |
| گر جابیں تو کرنیل و کمشنر بھی ہیں موجود     | مسجد میں کوئی ڈپٹی و منصف بھی نہیں ہے       | جبراً مجد خود ہی کرتے تھے یہ موسمِ بسر        | ہم کو اپنے عہد میں پالا پڑا کنو پ سے       |
| بزمِ اکبر دانش آموز و نشاط انگیز ہے         | ہر سخن اس کا لطیف و خوب معنی خیز ہے         | رو گئے نا آشنا، احباب غائب ہو گئے             | ہم نفسِ دہاک جو باقی تھے، وہ صاحبِ ہو گئے  |
| بالارامہ اس سے جو کرتا ہے اعرافِ گلزار      | ناگراں میں وہ ہے، یا کوئی ہے، یا انگریز ہے  | وقتِ بد میں کون رکھتا ہے رفاقت کا خیال        | ہم نشیں اپنے رتیبوں کے مصاحب ہو گئے        |
| سخن سازی کی چالوں میں تو خامہ ہی کا شکار ہے | مگر جو حالتِ اہلی ہے، وہ پیک پر ظاہر ہے     | کہہ جاتی ہے طبعِ قوم، اس کو کوئی کیا جانے     | بصیرت جن کہ ہے، وہ جانیں اکبر یا خدا جانے  |
| اس زمانے میں جو دل دہرے پھر جاتا ہے         | اُدھی پایہ تہذیب سے گرجتا ہے                | طریقِ حق میں بھی بہرِ خدا ذرا چلے             | فلن کی راہ نہیں ہے پیادہ پا چلے            |
| میں کچھ واقف نہیں آرام دہ اب کون بنتا ہے    | کہ پل موبہم اُمید دل کا، غفلتوں کا سمندر ہے | کما جب حیرت کو کیوں کرنے لگے رُود پھنسیا ہے   | تو بولا، دل لگی کے واسطے اُتو پھنسیا ہے    |
| معاملہ قحارِ عرب کا خدائے واحد سے           | بچنے واسطہ رکھا شرابِ شاد سے                | ادھر قحیٰ حیدِ خدا ہی سے آشتی دل کی           | ادھر قحیٰ بحثِ نزاعِ حمید و مائد سے        |
| ہے نئی روشنی اک دل و ذاتی ترکیب             | لفظ ہی لفظ ہیں، جتنے ہیں نوائد اس کے        | عاشقوں کے بھی معین ہو گئے ہیں اب حقوق         | عہدِ انگریزی ہے یہ اے جانِ جاں، شاہی گئی   |
| لپٹ بھلی کل ہے یہ سرِ جہاں تاب نہیں         | جب اندھیرا ہو تو ظاہر ہوں نوائد اس کے       | قوم اور سلطنت ہیں دو چیزیں                    | نیچرل وہ ہے، یہ ہے مصنوعی                  |
| بے علم اگر عقل کو آزاد کریں گے              | دُنیا تو گئی، دیوی بھی برباد کریں گے        | نیچرل چیزیں نہیں ملتی                         | آئیں کیوں کہ صفاتِ مجبوی                   |
| جب خود نہیں رہنے کے کسی اصل پر قائم         | کیا خاک وہ قائم کوئی بنیاد کریں گے          | زرنگ یا بھنم وہ ہے، دودھ سے کش، دودھ مائی     | یہ دعوت کیا ہے، بس ہے اک اڑنے فرضِ اخلاقی  |
| بارگ کوئی کر دے گی عطا اُن کو گورنمنٹ       | یا کالونی اپنی کوئی آباد کریں گے            | نہ وہ مکتب، نہ وہ قلم، نہ وہ صورتِ اندوہ میرت | سوا نام خدا کے اب رہا کیا قوم میں باقی     |
| صوتِ ہزار طائر بدھن نہ سُنی                 | کئے لگا کہ بھاڑ میں جیل کی چونچ جاتے        | کہاں وہ دعوتِ احباب کی طیاریاں اکسیر          | خوشی سے ادا کرتا ہوں بس اک فرضِ اخلاقی     |
| اُس نے کہا، مقابلہ کا کب تھا یاں خیال       | یہ تو وہی مثل ہے کہ کانا ہو کوچ جاتے        | بے بصیرت ہے مگر تو، منکرِ شیخ و ولی           | نامش گفتر رہ گئی بے شک تیرے دل کی کلی      |
| مسجد کا ہے خیال نہ پردائے چرخ ہے            | جو کچھ ہے اب تو کالج و میجر میں خراج ہے     | چشمِ پیداکن کہ سیخی آشکار و جم نہاں           | درقبائے مگر خاں رنگِ بنی، بڑے عقلی         |
| عزتِ کل ہے نہ اُدج، نہ نیکی کی موند ہے      | حملہ ہے اپنی قوم پر، غفلتوں کی موند ہے      | بلا طاق تہِ اخلاک انسان کی نہیں چلتی          | وہاں تو ریل چلتی ہے، یہاں روٹی نہیں چلتی   |
| اسلام کی بو وہاں نہیں ہے مطلق               | مسجد بھی ہے، مولوی بھی ہیں، ٹاٹ بھی ہے      | پہلے تو دکھاتی تھی چمک اپنی گئی               | اب پیشِ نگاہ ہیں پینس و پینچی              |
| دریا میں نہیں ہیں جو ہر تیغِ اکبر           | گو آب بھی اس میں، دھار بھی، کاٹ بھی ہے      | کتے ہیں حریفِ ہنس کے اب از رہِ طعن            | جب دین کو کھودیا تو دنیا بھی چھنی          |
| پیری نے دانت مجھ پر نکھایا ہے گھات سے       | بائیں طرف کی ڈالٹھ میں ہے دردِ دات سے       | ہم نے داعظ کی خوب ڈالٹھی فوجی                 | یہ باسٹ مگر نہ اپنے دل میں سوچی            |
| بارہ سالے ایک طرف، دردِ اک طرف              | پہیل سے فائدہ ہے نہ کچھ تیج پات سے          | ۱۰ PENCE، انگریزی پینچی                       | ۱۰ PENNY، انگریزی پیسے                     |



مذہب کو شکست دے کے کیا پائیں گے احمد کو رہیں گے موچی بھی کے موچی یوں نہ دکھا کر رنگ اپنا تیر کو مرید بنا ہی یا سب بیروں سے تو نکالے اس پیر کے آگے کچھ نہ چلی

فضل خدائے عزت پائی، آج ہوتے ہم سی۔ ایس۔ آئی شیخ زکریا غفرلہ لکھنوی، بڑے ہوتے ہیں یہ عیسائی جہاں نے ساز بدلا، ملائے نقول کی گت بدلی گتوں نے رنگ بدلا، رنگتے یاروں کی ست بدلی غلام نے دود بدلا، قود نے انسان کو بدلا گئے ہم ہم دہل، قانون بدلا، سلطنت بدلی

بیک جو کہیں ہماری قسمت نہ لڑی تاجی تجھے ہم نہیں بے فکر اس کی پڑی انگریز کے ملک میں لڑائی کیسی یہ ہند ہے، یہاں خوش انتظامی ہے بڑی سمجھتے تھے سب جس کو بے جا صریح عجب حیرت آگئی ہے یہ انقلاب ہماری سمجھ کیسے کیا ہو گئی سمجھتے تھے سب جس کو بے جا صریح وہی بات باکل بجا ہو گئی

روشنی جن میں نہی ہے، وہ مری سنتے نہیں لاکھ سمجھاؤ کہ صاحب ہے یہ فانی روشنی انجم و شمس و قمر لیکن ہیں مسکے ہم طریق وضع پر قائم ہیں، ان میں ہے پُرانی روشنی بولام تھا گھنے کا نکلتا ہے وہ پل سے خوش کیوں نہ رہیں لوگ، فرنگی کے عمل سے تادیب تو خاندان کی پڑھو رات کو گھر پر اور دن کو کچری میں دہو نیل کمل سے

انگریزوں میں عادت مسخر خیزی تھی انداز و روش میں اک دلاویزی تھی اشرق کی ہول سے وضع اب ہے بدلی پہلے اچھی تھی، حنا لعل انگریزی تھی

تھے ایک کی فکر میں، سو روٹی بھی گئی چاہی تھی شے بڑی، سو چھوٹی بھی گئی راعظ کی نصیحتیں نہ مانی آئینہ پستون کی تاک میں لگتی بھی گئی

### حکیمانہ بزرگ سنجیاں

مدی کو بڑا بھلا جو چاہا ہو وہ کو لیکن دکھلا دی اس نے بیوٹی اپنی لاکھوں ہی کے ڈھیر کر دیے کالج میں پوری کر دی یہ اس نے بیوٹی اپنی

حقیقت میں تو سب جلوہ تھا ان کا رہی اک حالت منہ مرضی ہماری خدا ہی سے دُعا پر تھا بھروسہ کہیں گزری نہیں عسر مرضی ہماری خدا سے جب کہا مرنے ہے اکبر کہا، ہم کیسے کریں مرضی ہماری

اقبال کے ساتھ اے خرد تو بھی گئی! غیرت کے ساتھ مذہبی تو بھی گئی! سچ کہتے ہیں حضرت کرامت اکبر رخصت ہوئی فارسی تو امداد بھی گئی

کیا پوچھنا ہے حکمت مغرب کا داہ دل فطرت بھی اس کو دیکھ کے حیران رہ گئی سمجھتے تھے یہ کہ ایک میں ہم اور ہماری جان دیکھا مگر کہ ہم نہ ہے، جان رہ گئی

### قطعہ

جہاں ترک عبادات میں مثال بڑی شروع ہی لے پکارا کہ ہے یہ خال بڑی جناب حضرت سید پر کھل گیا ہوگا کہ جو جاتی ہے بے تیریل سے چال بڑی یہ بحث جانے دے اکبر کچھ اور باتیں کر عبت ہے جب تو یقیناً یہ قیل و قال بڑی

خواہان نوکری نہ رہیں طالبانِ علم قائم ہوئی ہے رائے یہ اہل شعور کی کالج میں دھوم مچ رہی ہے پاس پاس کی حمد دل سے آرہی ہے صد اودہ دور کی

پاؤں کو بہت جھٹکا پکا، زنجیر کے آگے کچھ نہ چلی تدبیر دست کی اے اکبر، تقدیر کے آگے کچھ نہ چلی نے عالی جناب لکھنوی کرامت حسین صاحب بیر سٹریٹ لاہور (جنگ ہائیکورٹ لاہور)

پاؤں کو بہت جھٹکا پکا، زنجیر کے آگے کچھ نہ چلی تدبیر دست کی اے اکبر، تقدیر کے آگے کچھ نہ چلی نے عالی جناب لکھنوی کرامت حسین صاحب بیر سٹریٹ لاہور (جنگ ہائیکورٹ لاہور)

کہہ دیا میں نے کہ جسے یہ صاف بات دیکھ لو تم، زن پہ نر غالب ہوا

بات تیر کی کچھ ایسی تھی کہ جس نے اس کو کاٹنا چاہا نہ مانے میں، وہ ہیں آپ گنا  
کتے پھرتے ہیں یہ اب کانگریسی ہر سو گر گیا کول کا بڑھا، یہ چلو پاپ گنا

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا عورت پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا  
پیٹ چٹا ہے، آنکھ آئی ہے شاہ ایڈورڈ کی ڈہائی ہے

پنہرنے دے دیا ہے پڑرجیت کا کیوں کر نہ بول توں سے طالب قبولیت کا

پرچہ رکھا جو اس نے، میں یہ سمجھا پاکٹ میں یہ بیس روپیہ کا نوٹ گیا  
گھر پر کھولا تو بس یہی کھلا تھا کیا شعر تھے، داد واہ میں لوٹ گیا

اشمال نہیں گریٹ ہونا اچھا دل ہونا بڑا ہے پیٹ ہونا اچھا  
پنڈت ہو کر مودی ہو، دونوں بیکار انسان کو گریوٹ ہونا اچھا

بن پڑے تو تیر ہی بنا مناسب ہے تجھے رتوں میں وہ پھنسا جو اسکو آڑ ہو گیا  
دیدنی ہے یہ تاشائے مشین انقلاب باب تو قبل تھے، بیٹا اسکو آڑ ہو گیا  
شیخ صاحب یہ تو پہنے اپنے منہ کی ہے بات آپ قبل بن گئے میں اسکو آڑ ہو گیا  
تخیلے میں آج میں نے اُن کا ہوسہ لیا دیکھئے ڈگری جو ہو، دعویٰ تو دائر ہو گیا  
اب تو مجھ کو بھی مناسب ہے کہ پڑاری ہوں یار کو شوق حساب مال دسا نہ ہو گیا  
نکر دنیا نے بھلا یا سب وہ قرآن و حدیث مودی بھی محرومتوں و نظائر ہو گیا

دکھائی فلسفہ معشری نے وہ مودی کہ پردہ کھل گیا اس قوم میں زنانوں کا  
پری کی زلف میں الجھا دریش و اعظمیں دل غریب ہوا فقہ امتحانوں کا  
وہ حافظ جو مناسب تھا ایشیا کے لئے خزانہ بن گیا یورپ کی داستانوں کا

یہی سبب، اب اُن کی باتوں پر کان نہ دینے میں ملے کھنچا نہ ہر دست مودی نے تھاپاں لٹی کلان ایسا  
چمائی سینے میں اس نے شمش آئے اس نے بیاں کھنکھے میں جلد نصرت ہوا وہ اس کہ حقہ ایسا تھا، اپن ایسا  
وہ ہنس کے ہلا جا کر لگاں، دکھا دل کا گریجو اپنی کہ تھا شکر سے میں نے اک دن، بناوے آسمان ایسا

عبد سلام و عدا نکاش میں سینے قول اکسبر سخن گو کا  
پیلے تو حیرت تھی تو اب تحصیل آگے غل ایک کا تھا اب دو کا

پسائیں پسین کر دو روپیاں تھوڑے سے جھلانا ہماری کیا ہے لے بھائی نہ سڑیں نہ بھون

نہیں نہیں اُن کے حکم سے سر پھروں دل میں مرے اب تو ان کا ڈبیدھ کیا

نہ بالا و ادلی لفظ سے تجاوز کیا گیا SMALL پھوٹا ہے GREAT بڑا ہے GRADUATE  
نہ E SQUIRE عورت مراد نہیں ہے، لفظ سے ہے اور یہ لفظ تحصیل سے متعلق ہے

بچے سداغ طبع سے اب کھیلتے نہیں ابھرے ہوئے جوان بھی ڈنڈ پھیلتے نہیں  
عشاق رنج حیرت ان بھیتے نہیں پاؤ فروشش پاؤں کو بیٹے نہیں  
انجھا ہوا ہے چندہ واسکول میں ہر ایک

یہنا ہے کون گرتی دل سے خدا کا نام اب کون دھیان باندھ کے کرتا ہے رام رام  
ذہب کو ڈھری سے کیا جاتا ہے سلام کوٹھی کو ہے فروخ، نہ دوتی پہ ہے گرام  
انجھا ہوا ہے چندہ واسکول میں ہر ایک

کم ہو گیا ہے لوگوں میں آپس کا سیل جوں وہ ڈیاں نظر نہیں آتیں، زاب وہ غول  
تاشے نہ تاشا نے کے بجتے کیوں نہ ڈھول خبرو، بدحواس، پریشان، گل مول  
انجھا ہوا ہے چندہ واسکول میں ہر ایک

اسکول ہی میں علم ہے جس سے کہ ہے شرف لڑکا دیکھے علم تو کہتے ہیں ناخلف  
لیکن کچھ اور دھندے بھی ہیں پیش صفت یہ کیا کہ ساری قوم ہی جھک جائے اک طرف  
انجھا ہوا ہے چندہ واسکول میں ہر ایک

پنڈت پراجا کے بنا کس پر آ رہے مرگٹ کے شیخ شری بھی تو، دیں پہ آ رہے  
حالی غنزل کو چھوڑ مشدس پہ آ رہے ہم سندھ تھے، سو ہم بھی غنص پہ آ رہے  
انجھا ہوا ہے چندہ واسکول میں ہر ایک

کونسی میں نکتہ چینوں کی ٹٹی بہت پتی اچھا ہوا سنبھل گئی اب یونیورسٹی  
بیکار کا بول سے بھرے گا نہ ہر سستی اس بل سے یہ شکایت اجاب بھی مٹی  
انجھا ہوا ہے چندہ واسکول میں ہر ایک

مری نظروں میں یکاں میں شتر ہوں یا گھنٹا تجھے کتے جو مدعو کھائیں، میں بھی غنوم آتا

ہم میں کیوں ضعف ہو، جب دین سے روپ پھرا مسجدیں کیوں چھلیں، جب توپ سے گرجا نڈرا  
پیر مناں سے رات کیا میں نے یہ گلا محوم ہوں، یہاں بھی مزا کچھ نہیں ملا  
اس نے یہ مسکرا کے کسا از رو مزاج جیسے کی کس نے تم کو بڑھاپے میں دی صلات  
میں نے کما کو بھنسا نو سالہ پیر مرد اب تک اڑا رہے ہیں درے کدہ کی گرد  
کہنے لگا کہ ان پر عبث ہے تری معشر غفلت کا ہے وہ نشہ جوانی سے تیز تر

زمانہ کہ رہا ہے سب سے پھر جا نہ سندر جا، نہ مسجد جا، نہ گرجا

ایسا شوق نہ کرنا اکسبر گورے کو نہ بنا سالا  
بھائی رنگ یہی ہے اچھا ہم جھن کا لے یار بھی کالا

کرتے تھے توں سے خوب جڑا انجھا رتے تھے منہ پر من اور اوجھلا  
برکت ہے اسی کی اس صدی میں حضرت میٹے سونے کر رہے ہیں چاچھا، جاچھا

رجین بکاری کو نیدھا ہوا عجب حب باور ہے یہ کا کا تو  
بتاؤ ذرا عقل ہے میسری گم کدھر چڑھتا ہے اور کدھر اس کی دم

کزن و بچتر کی حالت پر جو کل وہ منہم تشریف کا طالب ہوا

نہ YES نہ NO نہ COCKATOO



ان کو یہ خوش کراب رہے گا یہ منام      مجھ کو یہ خوشی کہ کافیہ ڈ بیٹھ گیا

سنا نہیں کچھ کسی سے، بڑھ، بڑھ کے سوا  
 بڑھنے کا رشتیک اصل، بڑھنے کی نہ راہ

کت نہیں کوئی کچھ، چڑھ، چڑھ کے سوا  
 اور قبل کوئی نہیں علیٰ عرش کے سوا

ہر ایک کو خوش کروں میں کیوں کر صاحب  
 آسانشی عمر کے لئے کافی ہے  
 تم نے جو سنا صحیح ہے ہاں صاحب  
 یہ کہتے ہیں وہ کہ ہم کو اس سے کیا کام  
 اپنی ہی طرف بلاتے ہیں ہر صاحب  
 بنی ہی راضی ہوں اور کلکٹر صاحب  
 عربی سے گریز کرتے ہیں خاں صاحب  
 ہیں کپ میں ہم کہ خاں صاحب

انہیں میرا سے زیر ننگ اختلاف بھی ہے چپ اور چپ  
ہم دیکھ رہے ہیں انکھوں پر کل بھی تھے چپ اور چپ  
صاحبزادہ نشہ میں ہیں اور پیٹ گنور جن کی ہے نشہ  
ہیں مولوی صاحب قبر بھی چپ اور نہت جی مریض صوب

سکہ ذریابوئے درد صوفی نر تار داشت  
 با جوشش ناہائے زہر در انجار داشت

مفتش در عین وصل ای نالہ و فریاد صیت  
 گفت مارا خوف نیست و یکس جہش کار داشت

اسلام کو جو کہتے ہیں پھیلا بذریعہ یہ بھی کیس کے پھیل خدائی بزرگ ہوت

می و دایان بُت که در گنج ناز پس طرب      ندوای شمع نگر در گوشتی افتاد است

در پسِ برگزیدہ آخر خندہ ایست  
بعدِ ہر وسیع آخر چندہ ایست

یا دوارِ ایں قولِ مولانا کے دروم

پشتہ بیدار است و کھنکاشِ نجراب اُفتادہ است      اکبر بے چارہ ایشب در غلاب اُفتادہ است

ذوقِ قوم سے بے کے ایسا سلمان کو جس سے کو تماری بزم ہی جا بے بہشت  
 حلو سے اندر سے کام رکھو بھائی مرنے ورنج میں جانے یا پائے بہشت

پر وہ میں سرور ہے طوالت ہے حد  
تجشیر بُری نہیں اگر میں یہ سکوں

انعام پسند کر نہیں پائیے بیٹ  
بیگم ہے حیوان لیسڈی مگرٹ

رہنمائی کی باتوں کا سرے دل میں ہے جھڑپ  
بند کسی مشربِ وقت کا نہیں ہوں

اجیس میں کچا ہوں اعلیٰ گرو میں ہوں بکشت  
گھوڑا سڑی آزادی کا اب جاتا ہے بکشت

شیطان نے دیا یہ شیخ جی کو زمیں  
آئندہ پڑھیں گے آپ لامل اگر  
بالکل ہی گیا ہے ذرا اب آپ کا ٹوٹ  
نوراً و اعظم کا ایک ڈنمیشن سوٹ

۱۰۳۴۴ گارگشت

**DEFAMATION SUIT** **دعا فضائل و تحقیر عرفی**

شیطان کا مٹا کر شیخ صاحب نے یہ قول  
 میں خود ہوں بدل گیا زمانے کے ساتھ  
 بولے کہ فضول تجھ کو آتا ہے یہ ہوں  
 پڑھتی ہے بھی یہ اب تو دنیا لاحول

حضرت ابوسعید خدریؓ کو یہ لطیف ہضم میں  
 شے خجیہ دھونے پھرتے تھے پسے چرخ پر

سب سے اچھوڑ گئے خونِ جگر کے پی کے ٹھونٹ  
 چشم بددرد اب بنے ہیں آپ کسرت کے اڈ

گودستے پھرتے میں یہ باغ میں تھوکی طرح  
 رانگی روشنی دالوں سے نہیں ہے کچھ فیض  
 آگئی زلفِ سراں، زلفِ تباں پر زخاں  
 لکڑاں اس عہد میں و صبر و تحمل سے جو کام  
 باغیاں دیکے ہوئے میٹھے ہیں ان کی طرح  
 شبِ تاریک میں چمکائیں جگنو کی طرح  
 پیچ ہوئے تھے ہم افنی و راستی کی طرح  
 اس سے بستر ہے کو خضر کہ بابو کی طرح

سید کی طرف توجہ نہ لانے کی ہے پنج  
اور شیخ کے گھر میں پیگانے کی ہے پنج  
بہتر ہے یہی کہ بہت پرستی کیجیے  
گو اُس میں بھی صبر کو نہانے کی ہے پنج

من از بیگانگان برگزیده نام !  
که تفسیرش با دیدی چسا کرد

الکراگرچہ موسم باران خوشی است خوب  
 یکنی چہ گزشت و چشم مدیں فصل و اکنید  
 مخمرود که گزشتش بفریاد بستہ نیز  
 بچکا رسد که گزشتہ چشمے با کسنید

مگر یہ سیدھے کہ اور اچھے سرم نہ خواہد ماند  
من ارچہ در نغیر بار شرمسار شدم

مگر یہ برہمن اور اچھے سرم نہ خواہد ماند  
رتیب نیز چنین محسوسم نہ خواہد ماند

تمہ پر ہے شبہ و عقارت کی فطرت  
بتقرین پر غصہ و شرارت کی فطرت  
متر ہے یہی برہنہ پھر یہ اکبر  
شاید بڑ جائے اُن کی رغبت کی فطرت

جو دونوں ساتھ پڑیں تو یہی مناسب ہے  
خدا کرے کوئی بُنت اُس کے یہ کہے مجھ سے  
جو سن چکے مری غزلیں تو بے لایچہ

کتابت کے لئے ہے وہر میں غیب بہار  
 ایک تختِ رواں پہ پھرتا ہے یل و نساہ

انہیں شوقِ عبادت بھی ہے اور گانے کی عادت بھی  
 علق عاشق و مشرق کا تو نعلت رکھتا تھا  
 یہ قطعی مطلق قریح چل بنا کر پیش کر دو گے  
 حقیقت میں میں جیل ہوں گر جائے کی خواہش میں

نعلتی میں دعائیں اُن کے منہ سے ٹھہریاں ہو کر  
 حُزب اب دو کہاں باقی ہے بی بی سپاں ہو کر  
 مری جان ٹٹ گیا میں تو تمہارا میہاں ہو کر  
 بنا سوئی میرے کُسل سیاں مچھو مسیاں ہو کر

نکالا کرتی ہیں گھر سے یہ کہ کرتی تو مجنوں ہے ستار کا ہے مجھ کو ساس نے بیانی کی ماں ہو کر  
ربیب سفد خٹکھڑے زیری آہ کے آگے بھگایا چھروں کو ان کے کمرے سے دھواں ہو کر

پائے در پستون دول در پیشواز چند روز سے باہیں حالت بازار

سننا ہوں محال ہے خدائی سے گریز لیکن کتنا تھا مجھ سے کل ایک انگریز  
تم ہانگ لو اپنے شاعروں سے گھوڑا فطرت کے حدود سے زیادہ ہے دیوگر

آگے انجن کے دین ہے کیا چیز بہینس کے آگے میں ہے کیا چیز

ہند میں شیخ رہ گیا افسوس اونٹ گنگا میں بہ گیا افسوس  
دیکھ کر ہم کو ایسے دلدل میں راہ چتا بھی کہ گیا افسوس

عاشق کا خیال ہے بہت نیک معاش ہونے نہیں دیتا حق کے راز کو ناش  
کیوں وصل میں جستجو کر کی رہ کرے حاضر میں نہ حجت اور نہ غائب کی تلاش

بی شیمانی بھی ہیں بہت ذی ہوش کہتی ہیں شیخ سے پر جوش و غروش  
نواہ شنگی ہو خواہ ہو تھمد در عمل کوشش، ہرچ خواہی پوش

دل لے یہ کہا کہ دین کے جو نہ ہوں دوست ہرگز رکھوں گا میں نہ ایسوں سے غرض  
میں نے یہ کہا کہ خیر بہتر ہے مگر اب شیخ کو بھی ہے چار پیسوں سے غرض

نذر ہے کہ جو ہو رہی تو سرکار کا خوف مذہب سے اگر چھری تو چھکار کا خوف  
دندوں سے اگر پیس تو احباب کو ہے بے رونقی دکان و دیوار کا خوف

اوپنے ہیں رذیل اور ہیں زیر شریف قسمت کا یہ دیکھتے ہیں اب پھر شریف  
اکبر سے جھپٹنے نے دی خوب صلاح چل دیکھیے بھائی صاحب اجر شریف

پٹے نے کہا سبک نشینی میری ہے قابل داد اگر کریں آپ انصاف  
میں نے یہ کہا، بجا ہے سیکن یہ بیش ہے بارگراں و تلخ، قصیر معاف

فرمائیے مرا تصور حضرت جو معاف جوامر ہے واقعی، گزارش کروں صاف  
انکار نہیں نماز روزے سے مجھے لیکن یہ طریق اب ہے فیشن کے خلاف

عالم بنیے تو کیجیے مات کا شوق مٹریے تو ہو مسادات کا شوق  
چکر ہی میں آپ کو پھنسا رکھوں گا مجھ کو بھی ہوا ہے اب اسی بات کا شوق

شرح سے تشبیہ پاسکتے ہیں یہ غیاسش امیر رات بھر گنگا کریں، دن بھر میں بالائے طاق  
سے جب معشوق پیش نظر ہو، وصل کے ہی معنی ہیں تھے سہان اللہ

ہندو تفتے ہیں تھام کر گائے کے سینک آغا گرمی دکھاتے ہیں بیچ کے بنگ  
لیکن حضرت کو ہے یہ کس چیز پر ناز کالج میں ڈٹے ہوئے اڑاتے ہیں جو ڈینگ

کیسی ترقی، کیا میل ہم سے سن لو اس کا کھیل  
جس کی لاٹھی اس کی بھینس فعل، فعل، فعل، فعل

اکابر سے حساب دوستانہ نہیں سکتا غلط نہیں بہت ہوتی ہے، پڑی جاتی ہے مشکل  
یہ کہہ کر پیش کردے نزد افراجات لے لے اکبر حساب دوستان در دل احباب خداں در پل

کہتی ہے نوراہ کپر مجھ سے وہ گرل ہے کیا تجھ سے اوں کہیں کا تو ڈاکٹ ڈاکٹر  
اکبر نے کہا دکھا کے داغ دل و اشک ہے میری گرہ میں بھی یہ روٹی ہے پرل

خوشی سے میں نے کہنے یہ نفیس آم قبول ادائے شکر میں اب ہو مراد سلام قبول  
زمین سخن کا ہوں تاجر، نہ طالب شہرت اسی سے کرتی ہے پہلک مرا کلام قبول  
زمانہ دیکھئے، کہتے ہیں پسندت از روطن میاں ہمارے بھی ہو جائے رام رام قبول  
وجہ صبح بنارس کی موج میں ہیں پڑے بھلا وہ کرنے لگے کیوں اودھ کی شام قبول  
سُنی جو بڑوں بت کسن کی بول اچھے آغا سنی جوتوں ہوتے ہوئے کیوں توں کو میں دل قبول  
مسول کے ہوتے ہوئے کیوں توں کو میں دل قبول مسول کے ہوتے ہوئے کیوں توں کو میں دل قبول  
میںر صورت مسر میرا بااں ہوں کریں خواص و عوام ان کا احستہ بزم قبول  
نہ ہو جو ہنگ، لندن، تو گھر کا ٹھکانہ ہو نہیں ہے بنگ کا مجھ کو تو کوئی جام قبول

۱۸۹۶ء

اس قدر رنگ اڑا، ہو گئے رنگیں اوراق چرک میں پادری صاحب نے جو کھولی بیس  
ہنس کے اکبر نے کہا، نچ نہیں کچھ اس کا ہو گئی اب تو حقیقت میں یہ بھولی بیس

شیخ صاحب کو نہیں شاعروں کی بات کام حسن کی تیر نہیں، بس ہے مسما سے کام  
یاں تو برائی کے اذانوں سے دل بریاں ہے بابری اچھے کو ان کو ہے شط بھات کام  
کہتے ہیں ہم کو بچہ چندہ دے، مذہب، وہی اس کے افعال سے مطلب، نہ عادات کام

ماٹر صاحب کا علم اس وقت کو ہے نیک نام اہل دانش میں گر میرا فزوں ہے احترام  
بات بالکل صاف ہے پیچیدگ پچو بھی نہیں میں ہوں سعدی کا بھتیجا، وہ میں ملن کے غلام

غریب نے کر دیا تھا راک کو غایت نوم حقے بتائے حج و صلوٰۃ و زکوٰۃ و صوم  
دنیا و دین کا فیصلہ، حسد کو یہ ہوا عشق دیناں شباب میں، پیری میں عشق قوم

موت الحلوین لا کو بھی دیکھو بعد اؤ قذیم ہر مانو گے تو اک دن بھائی کو کھا دے جو قی تم

یہ مصرع محض اخبار وادی کے لئے ہے تا فر نہیں لے RUBY سے EARL سے DUKE سے GIRL سے  
PEARL سے HOLY BIBLE سے انجیل مقدس



یہ رہا دل سے جو چاہیں، دل میں بھریں جس کے سر پر جو چاہیں، تہمت دھریں  
بچتے رہو اُن کی تہمتوں سے ابتر تم کیا ہو خدا کے تین ٹکڑے کر دیں

کونھی میں جمع ہے، دو پارٹ ہے بیگش میں تلاش کر دیا مجھے دو چار تھیکش میں

لذت چاہے تو مسلسل مشرق کماں شوکت چاہے تو زر کا صندوق کماں  
کتا ہے یہ دل کہ خود کشی کی ٹھوسے غیر میں کو بھی مان لیں تو صندوق کماں

شہوں میں کدیں، دن میں نادر لا درک کرتے ہیں عظیم الفرستی سے اُن کی گفت ترک کرتے ہیں

آپ کی صورت بہت اچھی ہے اس میں شک نہیں پھر مجھے کیا، ذہن میں اس کا جواب اب تک نہیں  
مجھ سے آخر آپ کو کیوں اس قدر وحشت، خوف آپ بنگالی نہیں ہیں، اور میں اُن تک نہیں

گو کہ وہ کھاتے پڑتے اور لکھتے ہیں پھر بھی سیدھے ہیں، نہایت نیک ہیں  
جب میں کتابوں کو گہری کشتیوں میں سر جھکا کر کتے دیکھتا ہوں ٹیکٹ میں

تن ہے میں آپ کو براہ کے پتوں میں میں گھلا جاتا ہوں بکر زرق کی انیون میں

حال دنیا سے بے خبر ہیں آپ گو تقدس تاب بے شک ہیں  
شیخ جی پر یہ قول صادق ہے چاہے ہم نرم کے آپ بے شک ہیں  
شیخ جی کو جو آگیا غصتہ لگے کہنے پر، پھینک کر دھتکا  
تم ہو شیطان کے مصلح و مرید تم کو ہر ایک جانتا ہے پسید  
ہے تمہاری نمود بس اتنی جس طرح ہو پڑی پرید پسید

کل مست عیش و ناز تھے برقی کے ہال میں اب ہائے کر رہے ہیں اسپتال میں  
دنیا اُسے قرار دو اور احسنرت یہ ہے سن لو کہ ساز معنی ابتر کی گت یہ ہے

سنا کے صرح شیخ صاحب بہت زیادہ سننا چاہی ہماری گردن دکھیں دایک جوناں اپنی گڈ پکے ہیں

دیسوں نے پٹ بکھائی ہے جا جا کے تھانے میں کہ ابتر ہم جیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

## مے کی طرف سے معذرت

تست وہ کہاں کو اب وہ تقسیم نہیں کیوں کر وہ اثر ہو، جب تعسیم نہیں  
لغزش پر مری برا نہ آئے شیخ دیکھی کی ہے ہر سوچ تقسیم نہیں

بھروں نے بہت ستایا رات میں نے کو سا کہ ہو تمہیں طاعون

THANKS کے BANKS کے انگریزی صواب، کالی میں جس کی قییم ہوتی ہے  
GIVE ME KISS DEAR یعنی پیاری مجھے کو لبر دوشے YOU MAY TAKE یعنی آپ

مجھ کو کیا کسی کی ہوائے خدا سے گل مجھ کو کیا کسی کی ادا نے خدا سے قوم  
آخذیبل کے کریں کہ دزاریاں تو ہائے گل پکار میں پلاؤں ہائے قوم

آپ کی زنت میں میں کل رات بھر سو یا نہیں لیکن اتنی بات تھی، گھاتا رہا، رویا نہیں  
نوش جاں فرمائیں حضرت شوق سے یہ ناشتا چھوٹے ہیں، میں نے تو مزہ بھی اچھی دھو یا نہیں

پوستے کیسا کر گوری بھی نہیں پاتا ہوں بس کلام اپنا انہیں جا کے سنا آتا ہوں  
وہ یہ فرماتے ہیں، کیا خوب کہا ہے داند میں یہ کتابوں کو ادب بجا لاتا ہوں

ہم کیا خالی ہوائی گرا چھوڑیں کس جوگ کے کئی پر اپنا چلا چھوڑیں  
حضرت نے تو بھائی میں رکھی ہے کان ہم کیوں اپنا عسلہ ڈالا چھوڑیں

غلاف شرح کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں مگر اندھیرے اُبلے یہ چوکتا بھی نہیں

سوتے کاشاق ہوں، بخنی ہوگی کیا چاہیے کشت یہ قیما کیا کردیں  
یہ تھوڑا کچھ ہے، رینڈ بھٹے شیخ سعدی کی کو کیا کیا کردیں  
کھینچتے ہیں ہر طرف تہیں مر لیت پھر میں اپنے سر کو دھینکا کیا کردیں  
ڈاکٹر سے دوستی کرنے سے بیر پھر میں اپنا جان بچا کیا کردیں  
چاند میں آیا نظرد فار مہیب ہائے اب اسے ماہ سیما کیا کردیں

زور پر ہے شمس میں طاعون، چار کیا کرنا لٹ صاحب تک ہیں پپ، پھر میں پیدا کیا کردیں

نچری دھڑکتے کھڑے پھرتے ہیں شیخ صاحب ہیں کہ مذہب کو کھڑے پھرتے ہیں  
ہم کو ان تلخ مباحث سے سروکار نہیں ہم تراک شوخ شکر کو کھڑے پھرتے ہیں

بے سود اشعار اور کشت ہوتے ہیں مغس سے کہاں وہ شفقت ہوتے ہیں  
کریچ تو عشق کے اکھاڑے میں ہزار یہ جیت تو زور نہ رہی پیت ہوتے ہیں

سچ کہا ابتر نے ہاتھ پائی کا ہے کیا صلاح زور عشق سے تو ممکن ہے انہیں ساکت کریں  
ہر گاہ ہرگز دہوں وہ ہم جو اُن کو چت کریں ہے خدیہ تدعا اُن کی کسر ثابت کریں  
شیخ جی فرماتے تھے، اُن کی طبع میں جدت کہاں متروک جو ہر مگر مہم کو چاہیں پست کریں

چیکوں دنیا سے کس طرح ہیں؟ عورت نے کس کو گوند میں ہوں  
توئی چندے کدھر سے سائیں؟ کالج نے کس کو توند میں ہوں

اشاء اللہ وہ ڈر کھاتے ہیں بنگالی بھائی اُن کا سر کھاتے ہیں  
بس ہم چن چن کے نیک بندے ابتر اُن کی گاتے ہیں، اپنے گھر کھاتے ہیں

سے اور کچھ کیا ہے soup انگریزی شوربا کے cutlet انگریزی کباب

برے، اس کا ہمارا بیٹے ایک کیوں وہ کرنے لگا ہمارا خون

رہا کرتا ہے مرغِ نسیم شاکی نئی تہذیب کے انڈے ہیں خاکی  
پھڑی سے اُن کی کٹوا کر خاکسے خدا جانے ہماری ناک کیا کی

گئے کول حافظ محمد حسین! تو مہدی سے بولے، یہ حاجی مدنی  
کر کر دیجئے اُن کی دعوتِ مسرور وہ میں صاحبِ دانش و علم و فن  
وہ ہیں مولوی، آپ بھی مولوی ذرا دیکھ لیں، رونقِ انجمن  
وہ بولے، مرا اُن کا کیا جوڑ ہے میں گلہ لگتے ہوں، وہ ہیں انجمن

ابھی انجن گیا ہے اس طرف سے کسے دیتی ہے تاریکی ہوا کی  
رہی رات ایشیا نخلت میں سوتی نظر یورپ کی کام اپنا کپ کی

ہے عجب انقلابِ دنیا میں کیا کوں بات بھائی صاحب کی  
اب وہ تسبیح پر بجائے درود پڑھ رہے ہیں دہائی صاحب کی

وہ لطف اب ہندو مسلمان میں کہاں اغیار اُن پر گزرتے ہیں خضرہ زمان  
جھگڑا کبھی گائے کا نبال کی کبھی بحث ہے سخت مضربِ فتوہ کا زبان

ہوئی جب آمد پیری ہوا میں سسر کر پیشانی! تیش روئی کی چٹنی جوڑ ہے ڈاڑھی مہربان پھر  
سوال اب یہ بحث ہے جب تپانوں کی اوزانی چوکھرا کعبہ بر خیزو، کجا ماند مسلمان

چندوں ہی کے سوچتے ہیں ان کو مضمون دل شاد ہوا اس سے تو، یا ہو مضمون  
لوٹ کے انہیں دیکھ کر پاتے ہیں دھوم یہ ہیں نئی روشنی کے چنداموں

کچھ سین خوش آتے ہیں، نہ بھاتے ہیں نہ جی میں نریں کا طالب ہوں، نہ خولان انرجی  
گستا نہیں پھر میں، پڑا رہتا ہوں دن رات گستا ہے لفظ سیڑیوں میں وقتِ ڈنرجی

اعزاز نسکے مٹتے جاتے ہیں نشان اگلے سے خیال ہند میں اب وہ کہاں  
ستید بنا ہو تو بنو سرستید ہونا ہونا تو تم ہو انگریزی خوان

کپ میں محروم ہوں میں لطفِ خاطر خواہ سے آگیا ہوں تنگ مذہب کی معاذ اللہ سے

### متفرق شعر میں قطعہ نہیں ہے

ہنچ مغرب سیکھ کر دیکھا تو یہ کا نور تھی اب میں سمجھا واقعی ڈاڑھی خدا کا نور تھی

پر وہ اٹھا ہے، ترقی کے پر سامان تو ہیں حوری کا جی میں پیسج جائی گی، غلام تو ہیں  
کٹ گئی ناکِ حسد میں تو نہیں کچھ پروا تھینک بڑیر میں سننے کے لئے کان تو ہیں  
خاصدان آگے بڑھا کر مری باتوں پر، کما آپ کیوں جان مری کھا ہے میں، پان تو ہیں  
اُن سے ملنے میں ہے ابدان کا نقصان اکبر خیر جو کچھ ہو، لکھتے مرے ارمان تو ہیں

علم پر بھی مشق کی تاثیر آسنہ پڑ گئی تجلیے کی بات پبلک کے دلوں میں گر گئی  
وصل کی شب میں نے اس بت لڑائی تھی زباں یہ اثر اُس کا ہوا، اُردو سے ہندی لڑ گئی

وہ ایسی ریش مائے کو بھلا کب پان دیتے ہیں جناب شیخ ماحق اس ہوس میں جان دیتے ہیں

سائنس سے زیادہ ہے مذہب کی جڑ بڑی توپوں کی مار سے بھی حسدا کی پکڑ بڑی  
باہر یہ کہتے ہیں کہ دھرم جیت جائے گا اس وقت گوشتش نے ڈالی ہے گڑ بڑی

بکھریں میں ہے پرسش گر مجھ بیٹوں کی سڑک پر ناگ ہے، تیلوں کی اور میٹروں کی  
نہیں ہے تندر تو بس علم دین و تقوے کی غلامی ہے تو فقط شیخ جی کے میٹروں کی

کیوں کرتا ہے اعتراض بے شرم اُس کا جو میں ہم زبان نہیں ہوں  
گو ہوں نئی روشنی کا شیدا گو میں شرمی جواں نہیں ہوں  
کرتا نہیں لیکن اس کی عظمت اُس کا افتاء خواں نہیں ہوں  
کرتا نہیں توں پر اُسے پیش عیاش ہوں، عبتاں نہیں ہوں

مقصود ہے شغل، کوئی مضمون بھی پیسائے سے نہیں ترانیوں سے  
ہلکا مروت بھی ہے اک جش اکبر گر جگ نہیں تو خیر طاعون سے

غزل میسری گنتے نہیں شیخ جی تقدس کی بھی انتہا ہو گئی  
تکلف کے پکوان میں دن ڈھلا ہمارے تو پوری سنرا ہو گئی  
اضانہ ہوئی مجھ سے گندم پرے یہ پوتے سے بھی اک خطا ہو گئی  
یہ تھی قیمتِ رزق، ڈٹے جو دانت عسکر کوڑی کوڑی ادا ہو گئی

لذتِ نان جو میں تجھ کو مبارک لے شیخ مجھ گنگار کو ہے صرف تمنن کا  
حضرت خضر علیک تجھ کو دلا دیں اکبر رہنمائی کے لئے ہے مجھے انجن کا

دشتِ نئی روشنی سے آخر کو گئی نگر روزی میں شیخ کی طبع ڈٹی  
کرکٹ، جمناسٹک، ٹینس کا کج مولانا سیکھتے ہیں بالفصل نئی

پیارا ہے ہم کو، شیخ ہمارا بڑا ہی چاقو دلائی نہیں، دیسی چھڑا ہی  
اکبر کا لغز قوم کے حق میں مفید ہے دل کو تو گرم رکھتا ہے وہ، بے گڑا ہی

اور بھلی کی بحث میں تم جو ہندوؤں کے بڑے ساتھی نانا صاحب خطاب دینگے، راجہ جی سے ملے گا بھتی

ZAL - سہ کی کرکشی ہے ENERAT طاقت

۱۰ GELDING آختہ گھوڑا ۱۱ STALLION سانڈ گھوڑا



دور پر منکسوم اک پڑا روتا ہے بے چارہ بلا میں مستلا روتا ہے  
کتاب ہے وہ شوخ، تال سم ٹھیک نہیں کیا اس کی سنوں کہ بے سُر روتا ہے

زودہ فحش، زودہ سہیں، نہ چٹیا ہے، نہ ٹپا ہے مگر میں غنتی، کوئی تل ہے، کوئی مٹیا ہے

اٹھا تو تھا دلیر دل میں کدھن یاد خدا کریں گے سنا مگر یہ خیال آیا، ملی نہ ملتی تو کیا کریں گے  
کماں کے قبل، کماں کے قبل بھینڈا کیے کماں کے شہنشاہ  
اجل سے بھی پھر نہ کھنگلے خائف مزاج سے اپنے بونگے واقعہ اثر کرے گی ہر مخالف تو آپ اپنی دوا کریں گے

پوچھا میں نے کہ تیرا مذہب کیا ہے کہنے لگا اس سے تیرا مطلب کیا ہے  
میں نے یہ کہا کہ غول ہندی کے لئے بولا کہ شکست کھا چکے، اب کیا ہے

اپنی گرد سے کچھ نہ بچے آپ دیکھئے اخبار میں تو نام ہر اچھا پ دیکھئے  
دیکھ جسے وہ پانیر آسن میں ہے ڈٹا ہر خدا بچے بھی کہیں اچھا پ دیکھئے  
پہنچ جاں سے حالت اصل چھپی نہیں اخبار میں جو چاہئے وہ اچھا پ دیکھئے  
دعویٰ بہت بڑا ہے، یا سنی میں آپ کہ طول شب فراق کو تو آپ دیکھئے  
سکھتے نہیں میں شیخ نئی روشنی کی بات انہی کی ان کے کان میں اب بھل چکے  
اُس بُت کے در پر خیر سے اگرتے کر دیا زور ہی میں دینے لیا ہوں، جان آپ دیکھئے

شیخ صاحب دیکھ کر اُس میں کو ساکت ہو گئے مارٹر صاحب بہت کڑدے تھے، پخت ہو گئے

نہ کچھ انتظار مڑٹ کیجئے جو افسر کے، بس وہ جھٹ کیجئے  
بہت بھاتی ہے اُس کی چھڑتی مجھے دعا ہے کہ روک یہ منٹ کی بیجئے  
کماں کا حلال اور کیسا حرام جو صاحب کھلائیں وہ چٹ کیجئے  
سکھاتے ہیں تنقید انگلش جو آپ کہیں مفلسوں کو نہ پٹ کیجئے  
بگڑ جائے گا سیم سے سارا کھیل بس ان بھتوں پر نہ پٹ کیجئے  
بہت شوق انگریز بننے کا ہے تو چہرے پر اپنے گلٹ کیجئے  
اجل آئی اب گریا وقت بحث اب اٹھ کیجئے اور نہ پٹ کیجئے

منایت حکمت آگیاں آپ کی اسپرچ ہوتی ہے مرزا شربت کا دے جاتی ہے گودہ چچ ہوتی ہے

نبض آپ کی ہے سست، بدن آپ کی ہے شاید ملی بیگم سے کسی بات پر پچ ہے  
پہنچا میں نلک پر جو نظر تم نے ملائی شاید کہ میں نکل ہوں، نظر آپ کی رخ ہے  
اپنے شجر حسن کی وہ خیر سنائیں عشاق کی کثرت ہے کہ یہ فوج ملج ہے  
جزیرے کو سمھارے ہوئے مدت ہوئی اکبر ابدت علی گڑھ کی گئی ایک یہ پتہ ہے

زندگی و شراب و بزم شہاد بھی ہے منقطع بھی ہے، ویل مجھ بھی ہے

نہ اپنا کھنکھنہ نہ اپنی پوری وہ بانٹ دینگے پٹے لگاتے جو کوئی اگر تو دونوں ہی تم کو چھانٹ دینگے  
مگر وہ ہتے ہیں کدھن سے نہ لوگ ساتھی ہیں اور پڑوسی بٹے بٹے ہیں سوسائٹی میں اہل ان میں تو ہم میں گھوس  
بزل کو اپنی جو چھوڑ کر تم انہیں کی شرکت کو دڑ تل میں قریہ تو کوئی نہ کر کے گاہ تم کے دشمن کماں میں  
نہ ہوگی حکام کو بھی وقت جو ہوگی اک جاہراک کی خواہش ضرورت ان کو بھی یہ نہ ہوگی کریں ہر اک سے عطا وہ غرض  
جو لگو گئے ایک سبیل مسلم وہ کات کر ایک پھانک دینگے چلاؤ گے پھر بھی مرزا تو سب کو وہ ایک لگی سے ہانک دینگے

اُن کے دست نامزین سے پائی ٹیٹ اب کماں باقی ہے ہم میں پائیٹ

آخر کو ہوئی وہ بات جو حقی ہوتی مذہب مٹی ہے یا مٹی ہے طبعی  
جو سست تھے ہو گئے ہیں وہ خیر ظلم جو تیز تھے بن گئے ہیں پور پور کوئی

مذہب اور مولوی پہ گالی ہولی اسپرچ پہ آخس میں تالی، ہولی  
دورانہ منصفی ہے ہم پر کیوں بند ہر بات تو اسے جناب عالی، ہولی

مئے جنگاب اردو ہندی میں یہ سمجھا بہ عالم ہندی  
یعنی ہے اس میں لطف واصل بتاں خوب علی کر ٹی زباں سے زباں

اخلاق بخود خوش تیزی نہ سہی انقلاب جیسی دس تیزی نہ سہی  
یسٹھے پانی سے ہے زباں شیریں کام جان بخش حرارت غریزی نہ سہی

بھائی مجھے کل یہ بات بی ٹنی کی تقریبی اڑا دو شیوہ دوستی کی  
جیسا موقع ہو بس بٹھا دو وہ لگیں ہیرے کی نہ شرط ہو نہ منہ چتی کی

ماتا نہیں گزشت، خیر جڑی ہی سہی کچھ کھیل منہ دور ہے پھٹدی ہی سہی  
موقع جو پریڈ پر قوام کا نہیں چندہ تھیں کہ، کبتدی ہی سہی

واہ کیا دھج ہے میسج بھولے کی شکل کو سے کی، ہیٹ سوے کی

مری نڈاں پر بس ناشناس بل اٹھئی کہ باہوں میں تو عادت ہے غل جانے کی  
بجائیں شوق سے تاؤں برہمن اکبر رہاں تو شیخ کو دھن ہے بگل بگلنے کی

کرتی شورش نہیں ہے، ہر طرح سے خیر سلا ہے زرگری پولس کی ہے نہ جاری مارشل لا ہے  
پر کلکتہ کی شوقی اور برہمن کا شوق کی اداسی وہ اک فرنی کبتدی ہے، یہ لفظی گیند بلا ہے  
پر دیسی درزشیں ہیں، مغربی جھانک ہے وہ نئے سن کی کتابیں ہیں، کہ کس کا پچھلا ہے

مہان نلک کماں سکوں پاتا ہے آسودہ جو میں، انہیں بھی ٹھلا تا ہے  
ہے جھنم کی نکر میں یہ نقل و حرکت ظاہر ہے صریح، ہیٹ دھڑا تا ہے

لیکن قسربان حکمت پر معناں دو مولوی بھی ہیں، ایک مسجد بھی ہے

دھن تو کڑی کی ہے، نہ پرک ہے، نہ خور ہے اب فکر پاس کی ہے، قیامت تو دور ہے  
آئین بھی بدلتے ہیں نیت کے ساتھ روز امید بے اصول سے اب دل غور ہے

دن تو جنات کی خدمت میں بسر تو ہے رات پریوں کی خوشامد میں گزر جاتی ہے  
سلف و پیکٹ کا وقت آئے کہاں سے اکبر دیکھ تو خور سے دنیا کو، کدھر جاتی ہے

تو کروں پر جو گزرتی ہے، مجھے معلوم ہے بس کم کیجیے، مجھے بیکار رہنے دیجئے  
راہ میں لینس ہی کافی ہے عزت کے لئے بس یہی ہے لیجئے، تلوار رہنے دیجئے  
ڈاکٹر صاحب سے ملنا آپ کا اچھا نہیں بیٹھے گھر میں، مجھے بیمار رہنے دیجئے  
تیزی سے کا اثر تھا، نزع کی آمد نہ تھی خیر اچھے تو برا استغفار رہنے دیجئے

کامیابی کا سدشیش پر ہر اک در بستر ہے چرخ طوطا رام نے کھولی مگر پر بستر ہے

مسند رجب ذی القعدہ میں کے گئے تھے

شو میکر کی شروعات جو کی ایک مسند پر تھے جس مسند ملا تھے بمسند ام کو سے  
پوچھا کہ بھائی تم تو تھے تلوار کے دھنسا موڑتے تھارے آئے تھے غسنی وغور سے  
کننے گئے ہے اس میں بھی ایک بات ترک کی روٹی ہم اب کاتے ہیں جوڑتے کے زور سے

موتی چھٹے ان کے پنچے سے جب تو بس قوم مرقوم کے سر بوتے  
پیسے پکارا کیے (۲) کہاں تھو وہ پائید سے میٹھ جوتے  
ہارے کے واسطے تو بحث بغیر ہے پردہ دروں کا راز تو خود آشکار ہے  
ہفتاقتی میں حسن ذاب وہ جنگار ہے پردہ اٹھا کے دیکھو تو کوا گمار ہے  
ناہد ایسے بے خبر میں ابرے تم دار سے جس طرح بابو کرے بیگانگت تلوار سے

پریوں کا شوق ہے، نہ مجھے فکر خور ہے کاٹ سے ہے نجات تو ذکر حضور ہے

بابو صاحب نے کہا اک بانٹا ہے میرا کلام اس میں کیا شک ہے مگر یہ بانٹا شالا مار ہے

سوتے ٹھک چلے جو غنا سے میں میٹھ کر منہ حاسدوں کے غنہ و غریب سے مڑ چلے  
اجاب نے کہا کہ مبارک ہو یہ عروج فکر خدا کو اب تو یہ بابو بھی اڑ چلے

سینہ بس کا اٹھارے دل فساد انگیز ہے لوگ سچ کہتے ہیں، باد بخان باد انگیز ہے  
عدل انگش برقع سے تریند آ رہی ہے شیخ کو باروں کی شورشش ابد جہاد انگیز ہے  
علم کی حد تک عقیدے سب یقیں کے ساتھ ہیں اس سے آگے کی ہوں صرف اعتقاد انگیز ہے

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھ سے کمر دیا آپ بی اے پاس میں اور بندہ بی بی پاس ہے

لے مغربی زہر لے جو کھانے کا کام لے ENGLISH MAN

لیکن نہیں اے میں تراؤشس نہ دیا جائے کال ایسے پری زار دہوں اور کیش نہ دیا جائے

لندن میں بگڑ جاؤ گے، دوسرا یہی ہے تم پاس رہو میرے، بڑا پاس یہی ہے

ہر اک مارک آپ کا عقرب کا نیش ہے مجھ کو بھی سخی، غیر کا سینہ بھی ریش ہے

مجھ سے کہا کہ گزشتہ ترے برا سخن اس سے یہ کہ دیا کہ تو گورگنیش ہے

یاروں کو منہ پر روز عجبنا کچھ نہیں رہی بس کام ہے انہیں رہ عیش و نشاط سے  
کہتے ہیں، حرج کیا ہے جباریک ہے وہل بائیکل پر گزریں گے ہم پیل صراط سے

خلقت اسی سمت صفت بہ صفت جاتی ہے باوجود باب و جنگ و دہ جاتی ہے  
بے نور خدا بھی طالب رزق کا دوست ڈاڑھی بھی تو پیٹ کی طرف جاتی ہے

کچھ شک نہیں کہ حضرت واعظ میں خوب شخص یہ اور بات ہے کہ ذرا بے وقوف ہیں

اردو کے تین بلی کے ملک میں خود ہندو پھر کیا سبب جو اس سے انہیں انحراف ہے  
یعنی اردو ہے چیز انہیں کے مذاق کی اردو کے تین جڑ ویسی صاف صاف ہے

ذوق مسنی نہیں تھے اکبر سن سے یہ بات گر تھے شک ہے  
شیخ سے چھوٹے، اچھے انجن میں اس میں بک بک تھی اس میں جھک جھکا

ہر چند کہ مجھ کو اعتقاد اب تک ہے تاہم بہ لحاظ وقت دل میں شک ہے  
بیٹھے تو بہت ہی سر جھکا کر میں حضور کیا جانے مراقبے، یا بیٹکا ہے

کی ہے مدد نے کیٹی پیٹ میں بائی لا ہر دگ کے اندر ٹھیک ہے  
حضرت نزل میں صدر انجن دم بدم ان کی بھی اک تحریک ہے

قدموں سے تیسے روزی شہر پر آگ ہے یعنی ترے ہی دم سے ہوں کا شہاگ ہے  
بھڑک ہے دل کی آگ گولان کے عشق میں اجاب مہنتے ہیں کہ یہ کنڈے کی آگ ہے

سب سمجھتے ہیں کہ یہ عشق بتاں اک روگ ہے لیکن اس کو کیا کریں، ملتا جو مہن بھوگ ہے  
شاہان مغربی کرتے نہیں مجھ کو مستبول نال پیتے ہیں یہ کہ کر، آپ کا لاوگ ہے

دیکھوں غروب دہر کو کیوں آنکھ کھول کے بستر ہی ہے، کام نکالوں ٹوٹل کے

جو مرد ہیں وہ پاک ہیں دنیا کے کھیل سے سچ ہے نصیحت ملتے ہیں ایسی جڑیل سے

لے KISS کے REMARK کے BYELAW قواعد



چہرے کے نیچے قرعہ ڈال دھجی کا جھول جھال اس فرد کو بچائیے تفصیل ذیل سے  
 جب کما گیسو کا برس دیکھئے دل سیجیئے : ہنس کے بولے، آپ کو سودا ہے مل بیجئے  
 نہیں کچھ گنگو اس میں، یقیناً شیریں حضرت بس اتنی بحث باقی ہے، یہ بیہنسا ہے کہ انجن ہے  
 چمک چمک کی، ہاتھوں کی صفائی، واہ کیا کتنا مگر یہ دیکھو، گنگھا ربر کا ہے کہ گردن ہے  
 مدار کا رجب ہوا اتفاق و عقل و حکمت پر تو اس سے جو کسے غفلت، وہ اپنا آپ نہیں ہے

راہ تو مجھ کو بتا دی حضرت نے اونٹ کا سیکن کرایہ کون دے

اب تو جاگو ایٹھ پائی بھائیو نیند میں غفلت کی صدیوں سوئیے  
 ہو مبارک جستجوئے خضر انہیں ہم تو اب انجن کے پیچھے ہوئیے  
 اب تھینڈ میں ہنسیں گے جگہ کے خوب خالفت ہوں میں تو برسوں روئیے

ہوتا ہے نفع یو رو میں نان پاؤ سے میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے  
 ایمان بیچنے پر ہیں اب سب تلے ہوئے لیکن خرید ہو جو علی گڑھ کے بھاؤ سے  
 دھمکا کے بوسوں گا رنج رشک ماہ کا چندہ وصول ہوتا ہے صاحب اداؤ سے

چمٹی اس میں کی ہے کہ یہ جادو ہے دل جو کشن مغفرت سے بے قابو ہے  
 ایسی پری اور مجھ کو سپنا لکھتا انقاب میں دیکھیے ڈیر کھو ہے

ہندی شلم میں ہند کی نیو بھی ہے افطار میں ہے کجور تو سیو بھی ہے  
 اللہ اللہ زبان پر ہے شک لیکن اک رنگ ہم مہادیو بھی ہے

بڑا ہڑا کہ تم سبوں میں بڑھ گئے باو ذرا سی بات ہوئی اور یہ سوتے تھانہ چلے

حلیوں زر کی میت پر یہ بولا طالب فوت جوں جاتے تو اس کو کھاؤں یوں کانتہ ہے

ہیں بیپ عزیز شمع بیگانہ ہے جلتا ہے چراغ سے، جو فرزند ہے  
 سب کی ہے سوں کے نئے روشن پہ نگاہ جو ہے، نئی روشنی کا پروانہ ہے

جست آن کا گھر ہے مستغیر لوتی کیوں ہے کوئی پوچھے تو ناسی تم نے ڈالی اولی کیوں ہے

آپ کی انجمن کی ہے کیا بات آہ چھپتی ہے، واہ چھپتی ہے  
 حکمتوں سے ہوئی ہے جزو شکم روج بھی اب تو کورس جیتی ہے  
 اس عرض سے کہ سینہ پوش نہ ہو شیخ کی ریش روز پیتی ہے  
 پائے خامہ ٹھہر نہیں سکتا کس قدر یہ زمین تپتی ہے

جو عقل کھری تھی، کی وہ کھوئی اس نے اچھے اچھوں سے چھپنی روئی اس نے  
 مستوں پہ شراب و فاقہ مستی لائی پتلون کو کر دیا سنگوئی اس نے

کما جو میں نے کہ اُن کی ادا انوکھی ہے کما بتوں نے کہ اُردو میاں کی چوکی ہے

دل میں جو پڑ گئی ہے گرہ، کھول ڈالیئے اک دم میں کل متاع سخن قول ڈالیئے  
 ترکیب ترقی اُردو کی بس یہ خوب جو آپ بول سکتے ہیں، سب بول ڈالیئے

وہ ابتر بس مقیم کول ہو کر رہ گئے خود فردوسی کی نہیں، اہل ہو کر رہ گئے  
 عرض و طویل ہند میں تم نے نہ دوڑائے خطوط دل کشی مرکز میں پائی، گول ہو کر رہ گئے

ہم سے شب وصال وہ بے میل ہو گئے افسوس انٹرنس میں ہم نہیں ہو گئے  
 درگاہ کے چراغ کو چھوڑا برائے لیمپ سب کی نغمہ میں گھی سے گریل ہو گئے  
 بڑھوں نے پیسے لڑکوں کو خود ہی بنایا کھیل ان کی نظر میں آپ ہی اب کھیل ہو گئے  
 اے شیخ جب تک نہیں دست قوم میں پھر کیا خوشی جلازنت ترے میل ہو گئے  
 ہم بھی کھیل کرنے لگے گائے کی طسیر اس ملک میں بھی حضرت گو کھیل ہو گئے

میں نے جو کہا، کل اخطام آپ کا ہے ہے خاندہ آپ کا، یہ کام آپ کا ہے  
 کہنے لگے مسکرا کے، یہ سب ہے صیغہ ! لیکن خوش ہو جیئے کہ نام آپ کا ہے

مذہب جس کی نظر سے باطل گم ہے کیوں کر میں کموں وہ داخل مردم ہے  
 ثنائیت جو ہو تو اس کو پوئی سمجھو ! ایسا جو نہ ہو تو اک فریے دم ہے

## آئندہ اُردو زبان کے نمونے

بابر جس کا وہ بست ہوا نوکر غیر اس کو پیام دیتا ہے  
 بابو سکتے ہیں وہ نہ جائے گا سیکر اندر میں کام دیتا ہے

واسطہ کم ہو گیا اسلام کے قانون سے دب گئی آخر سمانی بری پستون سے

اب کہاں تک بنگدے میں صوف ایماں کیجئے تاکہ عشق بنوں میں سست چاں کیجئے  
 ہے یہی بتر علی گڑھ جا کے ستیدے کموں مجھ سے چندہ لیجئے مجھ کو سماناں کیجئے

جب اگلا کورس خارج ہو گیا تعلیم خطاں سے قواب اعراض ہم کیوں کر کریں تعلیم نسواں سے

ان کو کیا کام ہے مروت سے اپنے رخ سے یہ منہ نہ موڑیں گے  
 جان شاید فرشتے چھوڑ بھی دیں ڈاکٹر فیس کو نہ چھوڑیں گے

اس کھانٹے ہیں اڑ گئے دیکھ کورت انوں کے شیخ نے تہہ سے ہجرت کی حرف پتوں کے

نکتہ یہ سنا ہے ایک بنگالی سے  
خالی ہو جگہ تو اپنے بھائی کو دلاؤ  
کنا ہو بسر جو تم کو خوش حالی سے  
غصہ آئے تو کام لو گالی سے

کہتے ہیں اکبر یہ تیری عقل کا کیا پھیر ہے  
عقل کتا ہوں کہیں بھی ہوں کا حاضر عنقریب  
بلجیری اس نئی تہذیب سے کیوں میر ہے  
ہو چکا ہوں پیر بس نابالغی کی دیر ہے

اُن کی تحریکوں سے یوں رہتی ہے دنیا بے چین  
میری کے لئے پسکا مری جانب وہ غول  
جس طرح پیٹ میں بیمار کے باقی دوڑے  
گھائے موٹی نظر آئی تو تھائی دوڑے

منا نہیں گئی تو خشک روٹی ہی سہی  
میں قوم کی ستر ہی کاشتات نہیں  
نعمت جو بڑی نہیں تو چھوٹی ہی سہی  
بس جانیے، میری عقل موٹی ہی سہی

مار کو دم رکھ گئے، کیڑے ٹوٹے رہ گئے  
خضر علقا ہو گئے، موذی بنے ہیں سدا رہ  
صور میں تو ہیں مگر انسان تھوڑے وہ گئے  
گر گئے سنگ نشاں، مڑکوں پلٹے رہ گئے  
پردہ درگی رائے سن کر بیبیاں کہنے لگیں  
اب ہالے وارث ایسے ہی ٹوٹے رہ گئے

نفرت تھی مجھ کو بے شک پتھر کے بونے سے  
آخر کھلا یہ عقدہ نفرت کا مجھ کو اکسیر  
کتا تھا اپنے دل میں بے چارہ کیا بڑا ہے  
آواز بے ٹکلی ہے، کم بخت بے سزا ہے

چند ذرے کیسا سے رنگ کی ہڑیا بنے  
شیخ صاحب ہوش بھی کھو بیٹھے اور گزیا بنے

شیخ صاحب چل بسے کالج کے لوگ ابھرے ہیں اب  
جو وقت ختم میں چھا تو نائی نے کیا ہنس کر  
اُونٹ رخصت ہو گئے، پولو کے گھوڑے وہ گئے

مغربی کل نے مجھ کو پیسا ہے  
آپ ہی گلے جھوم لیتے ہیں  
میرا چرنا ہے اور کلیسا ہے  
بار بند ہے نہ اب نکلیسا ہے

مسلمانی میں طاقت خون ہی بننے سے آتی ہے

نکالا شیخ کو مجلس سے اُس نے یہ کہہ کر  
یہ بے وقوف ہے، مرنے کا ذکر کرتا ہے

عاشقی کا ہو بڑا، اس نے بگاڑے سارے کام  
ہم تو اے بی بی یہ ہے، اختیار دینی لے ہو گئے

تم ناک چڑھاتے ہو مری بات پر اے شیخ  
کھینچوں گا کسی روز میں اب کان تمہارے

پردہ کا مخالف جو سنا، بول اٹھیں بیگم  
اللہ کی مار اس پر، علی گڑھ کے حوائے

عادت جو پڑی ہو ہمیشہ سے وہ دھڑکنا کہتی ہے  
دکھی ہے چوٹی پاٹ میں، پتلون کے نیچے دھوتی ہے

کھائی مڑکان و نظر کی جو قسم، بولا وہ شوخ  
آپ اب قہیں بھی کھاتے ہیں چھری کاٹنے سے

ذوق انگریز بنے ہم، نہ مسلمان رہے  
طاقت اسلام کی کہتی تھی مسلمانوں سے  
عمر سب مفت میں کھولیا کے نادان ہے  
جب میں جانوں کہ مرے بعد مرادھیان ہے  
ان کی سب سننے ہیں، اپنی نہیں کہہ سکتے کچھ  
کیا قیامت ہے، نہ ہاں کٹ گئی اور کان ہے  
تھی بہت اُن کو مسلمانوں کی تہذیب کی فکر  
بوسے مسجد کے تلے کا بھی سامان رہے  
راحت جاں ہے تری نظم دل آویزا کبتر  
تندرستی رہے، ایمان رہے، جان ہے

دیکھ لو حال مرا، آہ کی حاجت کیا ہے  
بیچھے انجن کے بس اب ہوئیں مسلمان بھائی  
دو اور اک تین پر واللہ کی حاجت کیل ہے  
اب انہیں خضر کی اور راہ کی حاجت کیل ہے  
پیش درگاہ خدا، واہ کی حاجت کیا ہے

ناک درگزی برسوں اس ارمان میں  
سن میں میری بابت اک دن کان میں

ہم تو کالج کی طرف جلتے ہیں اے مولوی  
کس کو سو نہیں تمہیں، اللہ نگہبان رہے

قہر منصور سن کر بول اٹھی وہ شوخ مس  
کاش اے اکبر وہی حالت مجھے بھی پیش آئے  
کیسا احمق لوگ تھا، پاگل کو بھانسی کیوں دیا  
اور یہ کافر پکارے، درپنا و من بیا

انگریز میں غفلت جہاں باقی ہے  
لیکن تم لوگ تو کسی میں بھی نہیں  
ہم میں اک شانِ علم روحانی ہے  
بازو نہ قوی، نہ قلب فزانی ہے

لے نقلی کفر کفر نہ باشد۔